ماہنامہ
قلندر شعور
مئی ۲۰۱۳ء

سکون زندگی کی سب سے بڑی نعمت ہے
اور روح کے عرفان کے بغیر سکون نہیں ملتا

اَلَستُ بِرَبِّکُم ۚ قَالُوا بَلیٰ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا...... کیا میں تمہارا ربّ نہیں ہوں؟
مخلوق نے عرض کیا...... جی ہاں! آپ ہمارے ربّ ہیں۔

GUIDELIGHT
BUSINESS SOLUTIONS (PVT) LTD

Was established as professional trading and service oriented company in 2007, supported by a group of hi-tech human resource and allied companies. GBS (Guidelight Business Solutions) has trading relation with renowned companies like COMPAQ, 3COM, US Robotics, Intel, Dell, Honeywell to deliver at the doorsteps of our valued customers.

GBS mainly focus on the following business areas:

- Security solutions.
- IT equipment & solutions.
- Office equipments.
- Solar solutions.
- Training in the field of IT, GIS and other contemporary technologies.
- Software house.

GBS has so far supplied and installed the following systems:

- CCTV systems & IP Cameras
- Access control system
- Speeds pass Gates
- Fire Alarm systems
- Walk- through gates
- Under Vehicle Scanning systems
- Road Blockers & Tire killer

SAMSUNG hp CISCO NEC DELL TOSHIBA SONY

Jawad Tower, Block-B, 4th Floor, Flat # 6,
University Road, Peshawar-Pakistan.
Phone: 091-5710131 Fax: 091-5710130
E-mail: info@gbs.com.pk web: www.gbs.com.pk

Introducing
MEDICAM
HERBAL TOOTHPASTE
HERBAL FRESHNESS
مضبوط چمکدار سفید دانت
میڈی کیم ہربل ٹوتھ پیسٹ کے ساتھ
Save Rs50
FREE BRUSH INSIDE
Save Rs. 50
Whitens Teeth + An Explosion of Extreme Mint
MEDICAM
HERBAL FRESHNESS
FLUORIDE ANTICAVITY TOOTHPASTE
NET WT 5.29 OZ (150g)
Herbal Extreme Spearmint

WE ARE FIRST - WE ARE FUTURE

EDUCATION

I.Com / I.CS / F.A
B.A / M.A / M.Sc

TRAININGS

Teacher's Training
HRM / Management

SKILLS

Spoken English
Auto Cad / V. Basic

شاندار نتائج، اسکالرشپ

روزانہ ٹیسٹ کا نظام

کم فیسوں میں اعلیٰ معیار تعلیم

کامرس گروپ میں بورڈ میں پوزیشن

EDUTECH
COLLEGE FOR BOYS & GIRLS

A Project of K.S.A *Education Society*

خواجہ شمس الدین عظیمی ایجوکیشن سوسائٹی کا منصوبہ برائے فروغِ تعلیم

Opp Hafeez CLINIC, Gohad Pur, Air port Road, Near Chock Kotli Behram, SIALKOT
Tel: 052-4000100 **Web:** www.edutech-sialkot.com **Mail:** info@edutech-sialkot.com

Protect
Provides Complete Dental Care
Protect G Gum Care
Sure Relief from Bleeding and Swollen Gums
Antiseptic Mouthwash
Control Plaque that Leads to Gingivitis
Protect Advance Whitening
For Whiter, Brighter & Stronger Teeth
Antibacterial Mouthwash
Effective & safe treatment to remove bad breath
Protect ABC
Ideal Toothpaste For Young Children
Bubble Gum Flavour
Banana Flavour
Orange Flavour
Strawberry Flavour
Cola Flavour
Protect Your Mouth.!!!

عامرز
کلونجی
ڈراپس
PURE
NATURAL
PRODUCTS.
AMIR
AI
INTERNATIONAL
Value Added
Life with
Miracles
of Nature.
AMIR'S
KALONJI
drops
Product of Pakistan
Pure, 10 to 15 drops are sufficient
NATURALLY
FIT YOU
AMIR'S KALONJI
Oil Drops
with New Improved Packing
+ 92 321 92 AMIRS

جلد1 شمارہ 4 | مئی 2013ء | جمادی الاخریٰ/رجب 1432ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ
قلندر شعور
کراچی

Neutral Thinking

سرپرست اعلیٰ
حضور قلندر بابا اولیاء رحمۃ اللہ علیہ

چیف ایڈیٹر
خواجہ شمس الدین عظیمی

ایڈیٹر
حکیم سلام عارف

سرکولیشن منیجر
محمد ایاز

پرنٹر : ابنِ حسن آفسیٹ پرنٹنگ پریس، 36-33 نیو لیاقت بیرکس، ہاکی کلب آف پاکستان اسٹیڈیم، کراچی
مقامِ اشاعت : سرجانی ٹاؤن کراچی

فی شمارہ 60 روپے......سالانہ ہدیہ 700 روپے ، بیرونِ پاکستان......60 امریکی ڈالر سالانہ

خط و کتابت کا پتہ : B-54 سیکٹر C-4 سرجانی ٹاؤن کراچی، پاکستان ــ فون نمبر: 36912020-21-92+

فہرستِ مضامین

حمد باری تعالیٰ	امیر مینائی	10
نعت رسول مقبول ﷺ	عبدالعزیز محدث دہلوی	11
رباعیات	قلندر بابا اولیاءؒ	12
آج کی بات	خواجہ شمس الدین عظیمی	14
تخلیقی فارمولے	ادارہ	19
ہم سب کے باپ......حضرت آدم علیہ السلام	ادارہ	21
استاد......شاگرد	اختر ملیح آبادی	27
اللہ کے دوست اولیاء اللہ سے کرامات صادر ہوتی ہیں | شہنشاہ ہفت اقلیم حضرت بابا تاج الدین ناگپوریؒ	ادارہ	33
ارتقاء کیا ہے......؟	ڈاکٹر حکیم وقار یوسف Ph.D.	39
رنگ اور روشنی سے علاج کا ارتقائی جائزہ	ڈاکٹر ثمینہ عامر	45
حقوق العباد	ادارہ	51
شیطان کی آپ بیتی	ظفر نیازی	53
۳۳ سال پہلے	فقیر محمد شیخ	63
عالم اسلام کی ماں......حضرت خدیجہؓ	حمیرا جبین	69
شہادت دے سکیں تو گواہ بننے سے انکار درست نہیں	ق۔منہاس	76

نظام شمسی کی ساخت......؟	ڈاکٹر نعیم ظفر	79
راہ حق کا مسافر	احمد عظیمی	85
کائنات میں جو کچھ ہے وہ ریکارڈ ہے		90
عاشق رسولؐ......اویس قرنیؓ	نعیم قریشی	93
سید رضی الدینؒ	انیسہ عرفان	99
جوئی چیا......کنفیوسش	عائشہ خان	103
تصوف کیا ہے......؟ پتھروں میں چنگاری — خواجہ شمس الدین عظیمی	ایسوسی ایٹ پروفیسر بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان	109
Ph.D. مقالہ — سلسلہ عظیمیہ اور اُس کی علمی و سماجی خدمات کا تحقیقی جائزہ	تبصرہ نگار گل نسرین، طالبہ قلندر شعور اکیڈمی	114
محبت کا دروازہ	سید سلمان ندوی	117
جذبات میں ہیجان اور اعصابی نظام	ادارہ	123
صحرائی جہاز اونٹ	اظہر حسین	129
بیسویں صدی کا المیہ......ذیابیطس	حکیم طاہر جلیل	133
ایک ہزار چالیس سال پہلے......مسلم سائنسدان ''البیرونی''	ثوبیا عباس	139
دو دفعہ نوبل انعام یافتہ سائنسدان مادام کیوری	شازیہ ناصر	145
ایک عجوبہ......دماغ	ڈاکٹر مظفر الدین	149
آپ کے خواب اور ان کی تعبیر	عظیمی خواجہ شمس الدین	155
جوگن اللہ والی	سیدہ سعیدہ خاتون	163

حمدِ باریِ تعالیٰ

نہیں خلق ہی میں یہ غلغلہ تری شان جل جلالہ
سرِ عرش بھی ہے لکھا ہوا تری شان جل جلالہ

تری ذات مالکِ کُن فکاں، تری ذات خالق اِنس و جاں
ترے در کے شاہ بھی ہیں گدا تری شان جل جلالہ

ترا نام پاک دوائے دل، ترا ذکرِ پاک غذائے دل
ترا شکر کس سے ہوا ادا تری شان جل جلالہ

ہے کریم تو، ہے رحیم تو، ہے علیم تو، ہے قدیم تو
ہے محال حصر صفات کا تری شان جل جلالہ

ہے زمانے بھر پہ کرم ترا، بھرے کیوں زمانہ نہ دم ترا
درِفیض، خلق پہ ہے کھلا تری شان جل جلالہ

مرے دل کو صبر و قرار دے، مرے بگڑے کام سنوار دے
مجھے ہے ترا ہی اک آسرا تری شان جل جلالہ

ہے ''امیر'' اس میں بھی اک مزا کہ شہود و غیب ہے ایک جا
ہے عجیب جملہ ردیف کا تری شان جل جلالہ

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

یا صاحب الجمال و یا سید البشر

اے حسن والے اور اے انسانوں کے سردار

من وجھک المنیر لقد نور القمر

آپؐ کے رخ روشن سے چاند چمک اٹھا

لا یمکن الثناء کما کان حقہ

آپؐ کی تعریف و توصیف آپ کی شان کی شایاں ممکن ہی نہیں

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

قصہ مختصر یہ ہے کہ آپؐ خدا کے بعد ساری کائنات سے بڑے ہیں

رُباعِیات

بھول بھلیاں

اچھی ہے بری ہے دہر فریاد نہ کر
جو کچھ کہ گزر گیا ہے اسے یاد نہ کر
دو چار نفس عمر ملی ہے تجھ کو
دو چار نفس عمر کو برباد نہ کر

قرآن کریم

جو مصیبت بھی زمین میں یا تمہاری جانوں پر پڑتی ہے ایسی نہیں ہے
جو کتاب میں نہ لکھی جا چکی ہو۔

پارہ ۲۷ ، سورۃ الحدید ، آیت ۲۲

دنیاوی زندگی ایک مختصر عرصہ قیام ہے جس کے دوران انسان کو دوطرفہ جدوجہد کرنی ہے۔ ایک طرف تو اسے دنیاوی معاش کے لئے ہاتھ پیر ہلانے ہیں دوسری طرف عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے اپنے ربط کی تجدید کرنی ہے۔ عملاً اس بات کا یقین حاصل کرنا ہے کہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے۔ اس کے علاوہ ہر حال میں شکرگزار بندہ بننے کی عادت ڈالنی ہے جبکہ دنیاوی عوامل ہر طرح سے اس کا ذہن اُس طرف سے ہٹانے میں لگے ہوئے ہیں۔ اس صورت حال میں اگر وہ ماضی کی حسرتوں کے نوحے میں مصروف ہو گیا اور تمناؤں کی بھول بھلیوں میں کھو کر رہ گیا تو مارا جائے گا اور اس کی زندگی رائیگاں چلی جائے گی۔

سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

اللہ تعالیٰ نے محبت سے مخلوق کو پیدا کیا۔ بے شمار صلاحیتوں سے نوازا۔ ہر ہر شئے میں اپنی قدرت کی بہترین صناعی کی اعلیٰ ترین مثالیں بیان فرمائیں......ان تمام مہربانیوں کے ساتھ مخلوق کو بے سہارا نہیں چھوڑا۔ جنات اور انسان کی رہنمائی کے لئے تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر منتخب فرمائے۔

اللہ کے دوستوں نے زندگی کے ہر شعبے، ہر دور، ہر عمل اور زمانے کے ارتقاء کے مطابق راہنمائی کی اور اعلیٰ اخلاقی قدروں سے روشناس کیا۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث......اولیاء اللہ خواتین وحضرات نے اللہ کی سنت کو زندہ وتابندہ رکھنے کے لئے کسی قربانی سے انحراف نہیں کیا۔

یکتائے روزگار دانشور قلندر بابا اولیاءؒ نے قدیم وجدید کے امتزاج کے ساتھ انبیاء کے علوم کی آبیاری کی، اور فرقوں میں بٹے ہوئے انسان نے سکھ کا سانس لیا......

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا،

سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑلو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔ (سورۂ آل عمران: ۱۰۳)

آخری رسول اور نبی حضرت محمد ﷺ کو رحمۃ للعالمین کے اعلیٰ وارفع کے خطاب سے نوازا۔

اے نبیؐ ہم نے تو تم کو دنیا والوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے (سورۂ انبیاء: ۱۰۷)

جب آدم وحوا، ان کی نسل اور کائنات کا تذکرہ فرمایا......تو ارشاد ہوا:

سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو عالمین کا رب ہے۔ (سورۂ فاتحہ:۰۱)

رب کے معنی یہ ہیں۔ عبادت کے لائق صرف اللہ ہے اور اللہ تعالیٰ ہی دنیاؤں میں پیدا کرتا ہے اور عالمین میں مخلوق کو بھیجتا رہتا ہے۔ عالم ارواح، عالم برزخ، عالم دنیا، عالم اعراف، عالم حشر نشر، یوم الحساب، عالم جنت و دوزخ سب عالمین کے دائرہ کار میں ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو عالمین کا رب ہے۔ رب کے معنی زندگی کے تمام تر تقاضوں، ضروریات...... وہ زندگی بیداری یعنی شعوری ہو یا لاشعوری تقاضوں کے تحت شعور سے ماوراء ہو سب کی کفالت کرتا ہے۔ آخری آسمانی کتاب قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اللہ کے دوستوں نہ خوف ہوتا ہے نہ غم۔ (سورۂ یونس:۶۲)

یہ زمانہ...... بے چینی، پریشانی، ذہنی انتشار، خوف، بے یقینی اور بیماریوں کا دور ہے۔ گھر گھر دواؤں کے اسٹور نظر آتے ہیں۔ بظاہر ایسا کوئی گھر نہیں جو سکون کا آشیانہ ہو۔

ایسا کیوں ہے......؟

میری دانست میں آدمی ''انسانیت'' سے دور کبر، حرص و ہوس، خود غرضی، جاہ طلبی اور لالچ کے خود ساختہ جال میں گرفتار ہو گیا ہے...... توکل، قناعت، اللہ کے اوپر بھروسہ وہ نہیں ہے جو ہمارے اسلاف میں تھا......

مشیت ہے کہ جب بندہ اللہ کے بھروسہ پر...... کوئی ارادہ کرتا ہے اور ارادہ کی تکمیل کے لئے مسلسل کوشش کرتا رہتا ہے...... اللہ تعالیٰ بندہ کو کامیابی سے ہمکنار فرما دیتے ہیں......

اور جو لوگ توکل کے ساتھ اللہ کے بھروسے پر کوشش کرتے ہیں ان کے لئے قدرت مختلف راہیں متعین کر دیتی ہے......

اور جولوگ ہماری خاطر مجاہدہ کریں گے انھیں ہم اپنے راستے دکھائیں گے۔(سورۂ عنکبوت:٦٩)

اللہ تعالیٰ کی مدد اور اولیاء اللہ کے فیض سے ماہنامہ ''قلندر شعور'' کے ذریعے ہم آپ تک ایسے مضامین پہنچائیں گے جن کے ذریعے اللہ اور اس کے رسول ﷺ تک رسائی حاصل ہوتی ہے۔ بندہ یہ جان لیتا ہے کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے اور بندہ یہ دیکھ لیتا ہے کہ وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے۔

اس ماہنامہ میں انشاء اللہ تسخیر کائنات سے متعلق قرآنی تفہیم، خلاء میں سفر کرنے کے لئے جدید تحقیقی مضامین، حمد اور نعتیں، اصلاحی افسانے، .Ph.D مقالوں کی تلخیص، سائنسی، علمی، ادبی، سماجی، آسمانی علوم، خواب......ان کی تعبیر، تجزیہ و مشورہ پیش کئے جائیں گے۔

دعا کی درخواست ہے اللہ تعالیٰ ادارہ ''ماہنامہ قلندر شعور'' کو ارادوں میں کامیاب فرمائیں۔

یہ بات حوصلہ افزا ہے کہ ماہنامہ ''قلندر شعور'' کی اشاعت سے پہلے ہماری اپیل پر خواتین و حضرات نے لبیک کہا اور دل کی گہرائیوں سے ہمارے ساتھ تعاون کیا، ہر طرح سے حوصلہ افزائی فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو تفکر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

بلاشبہ اس وقت ہم جھوٹ، عیاری اور مکر و فریب کے گرداب میں ہیں۔ مادیت کے غبار اور تعفن نے ہر شخص کو پریشان کر دیا ہے۔

نوعِ انسانی کا فرد ہونے کی حیثیت سے ہمارا عزم ہے کہ عوام سیڑھی بہ سیڑھی مینارۂ نور کی طرف سفر کریں۔

انشاء اللہ یہ وقت ضرور آئے گا کہ توحید و تقدیس کی ایک لہر اٹھے گی اور پوری دنیا سکون و راحت سے آشنا ہو جائے گی......

یقین ہے کہ نوعِ انسانی اپنا کھویا ہوا وقار دوبارہ حاصل کر لے گی۔ انسان، انسان کا دشمن نہیں رہے گا اور نوعِ انسانی مادیت کے زہرناک عفریت کا تریاق تلاش کر لے گی۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے نوجوان نسل اور نوع انسانی کے لئے ایک پروگرام ترتیب دیا ہے تا کہ نوجوان نسل زمین و آسمان میں اللہ تعالیٰ کا تفویض کردہ مقام حاصل کرلے۔

ہم اس نظام کے تحت قلندر شعور سے آگاہی کے پروگرام پیش کرتے رہیں گے تا کہ نوع انسان اپنے اندر کھربوں کل پرزوں سے بنے ہوئے کمپیوٹر سے واقف ہوجائے۔

مشن چلانا ٹیم ورک ہے۔ ہمارا عزم ہے کہ ہم اس مشن کی آبیاری کرسکیں......آپ کے مشوروں اور تعاون کی ضرورت ہے......

قلندر شعور کا مطلب ہے کہ نوع انسانی رحمانی طرزِ فکر سے واقف ہو اور انسان کو موجودہ دنیا اور آخرت کا ادراک حاصل ہوجائے۔

انشاء اللہ، الست بربکم کی آواز سے......نوع انسانی واقف ہوکر کائناتی اسرار و رموز کو سمجھ لے گی۔

''آج کی بات'' میں جو کچھ عرض کیا ہے.... وہ ایسا ہے جیسے تالاب میں ہاتھ ڈال کر ہلا دیا جائے اور تالاب میں ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک دائرے بن جائیں۔

اللہ حافظ

خواجہ شمس الدین عظیمی

إنا لله وإنا إليه راجعون

ڈاکٹر وقار یوسف عظیمی مینیجنگ ایڈیٹر ''روحانی ڈائجسٹ'' نے عیدگاہ سرجانی ٹاؤن میں نمازِ جنازہ کی امامت کی۔ نمازِ جنازہ اور تدفین میں معززینِ شہر، فوج اور پولیس کے افسران، صحافی برادری، بلاتخصیص عقیدہ ہر مکتبۂ فکر کے بھائیوں نے شرکت فرمائی۔ امی جان کی تدفین عظیمی قبرستان، سیکٹر 16-A اسکیم 41، متصل سندھ اسمال انڈسٹریز کارپوریشن، سرجانی ٹاؤن، کراچی میں کی گئی۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ کی خادمہ، ہمارے مرشد خواجہ شمس الدین عظیمی کی رفیقۂ حیات اور سب کی ماں کے لئے ایصالِ ثواب کی محفلیں منعقد ہوئیں۔ کئی لاکھ درود شریف، کئی لاکھ مرتبہ کلمہ طیبہ، اور تقریباً 100 سے زائد قرآن شریف کے ختم کئے گئے۔ جس کے بعد ہم سب کی پیاری امی جان راشدہ عفت عظیمی کی روح کو ایصالِ ثواب کیا گیا۔

محترمہ راشدہ عفت عظیمی ہم سب کی اماں ہیں سب عظیمی بہن بھائی معترف ہیں، امی جان نہایت شفیق، نیک، پرخلوص مہمان نواز تھیں۔ اللہ تعالیٰ ابا جی اور ہم سب بہن، بھائیوں، رشتہ داروں اور خصوصاً تمام خواتین وحضرات کے ہدیۂ درود وسلام اور ہدیۂ قرآن کریم کو قبول فرمائے۔

امی جان کے انتقال پر ان سے محبت کرنے والے دوست احباب، عظیمی بچوں اور دیگر خواتین وحضرات (کم وبیش دو ہزار افراد) نے خطوط، ای میل، فون، فیکس اور دیگر ذرائع سے تعزیت کی۔ اباجی (حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی) اور ہم سب بہن بھائی شکرگزار ہیں۔

سوگوار دل
حکیم سلام عارف
ایڈیٹر
ماہنامہ قلندر شعور

تخلیقی فارمولے

قرآن پاک ایک ایسی کتاب ہے جس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے اور یہ کتاب ان لوگوں کو ہدایت بخشتی ہے جو متقی ہیں اور متقی وہ لوگ ہیں جو غیب پر یقین رکھتے ہیں اور یقین کی انتہا یہ ہے کہ آدمی کے اندر کی نظر کھل جاتی ہے اور غیب اس کے لئے مشاہدہ بن جاتا ہے۔ جب تک مشاہدہ عمل میں نہ آئے یقین کی تعریف پوری نہیں ہوتی۔ قرآن پاک ایک ایسی یقینی دستاویز ہے جس دستاویز میں معاشرتی قوانین کے ساتھ ساتھ ایسے فارمولے درج ہیں جن کے اوپر تسخیر کائنات کا دارومدار ہے۔ ان فارمولوں میں اس بات کی پوری وضاحت موجود ہے کہ ہم علم الکتاب حاصل کر کے زمان ومکان یعنی TIME AND SPACE کی گرفت کو توڑ سکتے ہیں۔ قرآن پاک کے علوم کو جاننے والا اور سمجھنے والا کوئی بندہ بغیر وسائل کے خلا میں پرواز کرنے اور ایک جگہ سے دور دراز دوسری جگہ کسی چیز کو منتقل کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔ یہی بندہ اللہ کا انعام یافتہ ہوتا ہے۔ آسمانوں میں اور زمین میں موجود تمام اشیاء اس کے لئے مسخر ہوتی ہیں۔

روئے زمین پر انسان کو اگر ہدایت مل سکتی ہے تو صرف اللہ کی کتاب قرآن پاک سے مل سکتی ہے۔

قرآن کریم کو اس عزم، اس ولولہ اور اس ہمت کے ساتھ پڑھئے کہ اس کی نورانی کرنوں سے ہمیں اپنی زندگی سنوارنی ہے۔ قرآن آئینے کی طرح آپ کے اندر ہر ہر داغ اور ہر دھبہ نمایاں کر کے پیش کرتا ہے۔ قرآن ایک ایسی انسائیکلو پیڈیا ہے جس میں ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی بات وضاحت کے ساتھ بیان کر دی گئی ہے۔ اب یہ آپ کا کام ہے کہ آپ قرآن پاک میں بیان کردہ نعمتوں سے کتنا فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"کتاب جو ہم نے آپ کی طرف بھیجی برکت والی ہے تاکہ وہ اس میں غور وفکر کریں
اور عقل والے اس سے نصیحت حاصل کریں۔"

ہم ''ماہنامہ قلندر شعور'' کے اجراء پر مبارک باد پیش کرتے ہیں

اور اللہ تعالیٰ کے حضور دُعا گو ہیں کہ

وہ اس تحقیقی مجلّہ کو سلسلہ عظیمیہ کی ترویج

اور رسول ﷺ کی تعلیمات کو فروغ دینے کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔

خواجہ مختار احمد میر قادری چشتی

Lavish Dine Restaurant

FL-5 & 6, Gulshan-e-Jamal, Rashid Minhas Road, Karachi.

Tel: 021-34601406 **Fax:** 021-34570428

E-mail: lavishdinerestaurant@gmail.com

آدم کے لغوی معنی ہیں، ''بھورا، مٹیالا، گندمی، سب آدمیوں کا باپ، پہلا آدمی جس سے انسان کی نسل شروع ہوئی''۔

آدم کی تخلیق سے پہلے کائنات میں موجود لاکھوں مخلوقات میں ممتاز ایک مخلوق ''جن'' موجود تھی۔ اس مخلوق نے جب زمین پر فساد برپا کردیا تو اللہ نے ایک نئی مخلوق بنائی۔ اس مخلوق کا پہلا فرد آدم ہے۔

''اللہ نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں۔ فرشتوں نے عرض کیا۔ اے ہمارے رب! یہ شخص زمین پر فساد برپا کرے گا اور زمین پر ہر طرف خون پھیل جائے گا۔ اے پروردگار! ہم تیری تسبیح کرتے ہیں اور تیری پاک ذات کو یاد کرتے ہیں''۔ (سورۃ البقرہ: ۳۰)

سورۃ الحجر میں ہے:

''اور ہم نے بنایا آدمی، کھنکھناتے سنے گارے سے''۔

(آیت ۲۶)

''بنایا آدمی کھنکھناتی مٹی سے جیسے ٹھیکرا''۔ (سورہ الرحمٰن: ۱۴)

آدم کی تخلیق کو اللہ تعالیٰ نے مختلف طریقوں سے بیان کیا ہے۔

۱) تخلیق کیا مٹی سے۔
۲) تخلیق ہوئی چپکتے گارے سے۔
۳) تخلیق کیا گیا سنے گارے سے۔
۴) تخلیق کیا کھنکھناتی مٹی سے جیسے ٹھیکرا۔
۵) گوندھی ہوئی مٹی سے۔
۶) اور خداوند خدا نے زمین کی مٹی سے انسان کو بنایا اور اس کے نتھنوں میں زندگی کا دم پھونکا تو انسان جیتی جان ہوا۔ (کتاب پیدائش باب: ۲-۷)

اللہ تعالیٰ نے آدم کو کائناتی رموز سکھا کر فرشتوں سے پوچھا......

'' اگر تم اس علم سے واقف ہو تو بیان کرو۔ فرشتوں نے کہا کہ ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں جتنا آپ نے ہمیں سکھا دیا ہے۔''

آدم نے علوم بیان کئے تو فرشتوں نے یہ جان لیا کہ اللہ نے آدم کو جو علوم سکھا دیئے ہیں وہ ہم نہیں جانتے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا......

آدم کو سجدہ کرو۔ یعنی آدم کی حاکمیت تسلیم کرو لیکن ابلیس نے سجدہ نہیں کیا اور اس نے تکبر کیا۔

فرشتے فطرتاً مطیع و فرماں بردار ہیں۔ جبکہ جنات بااختیار مخلوق ہے۔ انسان کی تخلیق سے پہلے یہی بااختیار

مخلوق زمین پر آباد تھی۔ ان ۲ میں سے ایک فرد عزازیل کو علمی برتری حاصل تھی اور برتری کے احساس نے اسے تکبر میں مبتلا کر دیا تھا۔ ''ابلیس'' بلس اور ابلاس سے مشتق ہے جس کے معنی ''رنج و غم، دل شکستہ ہو جانا، مایوسی اور نامراد ہو جانے کی وجہ سے (Desperate) ہو جانا ہے''۔ ابلیس سے جب حکم عدولی کی وجہ پوچھی گئی تو اس نے کہا!

''آپ نے مجھے آگ سے بنایا ہے اور آدم کی تخلیق مٹی سے ہوئی ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا......

''اے آدم! تو اور تیری بیوی جنت کی لامحدود کھلی فضا میں رہو اور جہاں سے دل چاہے خوش ہو کر کھاؤ پیو، لیکن اس درخت کے قریب نہ جانا''۔

شیطان نے اسی پابندی کو مقصد برآری کے لئے استعمال کیا۔ اس نے انھیں باور کرایا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں اگر تم اس درخت کے قریب نہ گئے تو جنت میں نہیں رہ سکو گے اور آدم سے سہو ہو گیا۔

انجیل برناباس کے مطابق حضرت آدمؑ کی پیدائش جب عمل میں آئی تو سب سے پہلے نظر جس تحریر پر پڑی اس کی عبارت یہ تھی۔

''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ''

''پس جب آدم اپنے پیروں پر کھڑا ہوا تو اس نے آسمانوں میں ایک تحریر چمکتی دیکھی جس کی عبارت تھی ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ''۔ تب آدم نے اپنا منہ کھولا اور کہا! ''میں تیرا شکر ادا کرتا ہوں اے میرے پروردگار کیونکہ تو نے مہربانی کی۔ پس مجھے پیدا کیا لیکن میں تیری منت کرتا ہوں کہ تو مجھے خبر دے کہ ان کلمات کے کیا معنی ہیں''۔ تب اللہ نے جواب دیا مرحبا ہے تجھ کو اے میرے بندے آدم اور میں تجھ سے کہتا ہوں کہ تو پہلا انسان ہے جس کو میں نے پیدا کیا اور یہ شخص جس کو تو نے دیکھا ہے تیرا ہی بیٹا ہے کہ جو اس وقت کے بہت سے سالوں کے بعد دنیا میں آئے گا اور میرا رسول ہوگا کہ اس کے لئے میں نے سب چیزوں کو پیدا کیا۔ وہ رسول محمد ﷺ جب دنیا میں آئے گا دنیا کو ایک روشنی بخشے گا۔ یہ وہ نبی ہے کہ اس کی روح آسمانی روشنی میں ساٹھ (۶۰) ہزار سال قبل اس لئے رکھی گئی ہے کہ میں کسی چیز کو پیدا کروں''۔

(برناباس باب: ۳۹۔ آیات: ۱۴-۱۸)

قرآن کریم نے حضرت انسان سے متعلق مثبت اور منفی ہر دو پہلو کو واضح کر کے انسان کی عظمت کا اعلان کیا ہے اور بتایا ہے کہ انسان کی تخلیق ''احسن تقویم'' ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ پوری کائنات میں تکریم و تعظیم کا مستحق ہے اور احسن تقویم ہونے کی وجہ سے امانت الٰہی کا علم بردار ہے۔ امانت الٰہی حاصل ہونے کے بعد ''خلیفۃ اللہ'' کے منصب پر فائز ہے۔ انسان کی پیدائش بے مقصد اور بے نتیجہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل و شعور، بصیرت و دانائی اور فہم و فراست دے کر کائنات میں ممتاز بنا دیا ہے۔ اور یہی وہ امتیاز ہے جس کی بناء پر وہ برائیوں سے اجتناب اور بھلائی کے اختیار کا مکلّف ہے۔

''انسان کو پیدا کیا اور پھر راہ دکھائی''۔

''اور پھر ہم نے انسان کو دونوں راستے دکھلا دئے''۔

(سورۃ البلد: ۴، ۱۰)

آدمؑ کا نام:

قرآن پاک میں حضرت آدمؑ کا نام پچیس آیات میں ۲۵ مرتبہ لیا گیا ہے۔ سورتوں اور آیات میں اگرچہ اسلوب بیان مختلف نظر آتا ہے لیکن مقصد اور واقعہ کے اعتبار سے کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ایک ہی حقیقت ہے جو بیان کی گئی ہے۔ ان سب کا مفہوم ہے کہ لوگ اللہ کی ذات پر ایمان لائیں اور یہ جان لیں کہ اللہ ایک ناقابل انکار ہستی ہے اور ساری کائنات اسی کے احاطہ قدرت میں متحرک ہے۔ یہی وہ ایقان ہے جو دین حنیف ہے۔ اور اسی مذہب کے احکام کی پیروی میں فلاح ونجات اور ہر قسم کی ترقی چھپی ہوئی ہے۔ یہی وہ مذہب ہے جس کا نام دین فطرت یا اسلام ہے۔

''اور پھر (دیکھو) جب ایسا ہوا تھا کہ ہم نے فرشتوں کو حکم دیا تھا کہ آدم کے سامنے سربسجود ہو جاؤ، وہ جھک گئے مگر ابلیس کی گردن نہیں جھکی۔ اس نے نہ مانا اور گھمنڈ کیا اور حقیقت یہ ہے کہ وہ کافروں میں سے تھا۔ پھر (ایسا ہوا کہ) ہم نے آدم سے کہا اے آدم! تم اور تمہاری بیوی دونوں جنت میں رہو، جس طرح چاہو کھاؤ پیو، امن وچین کی زندگی بسر کرو مگر دیکھو وہ جو ایک درخت ہے۔ تو کبھی اس کے پاس نہ جانا۔ اگر تم اس کے قریب گئے تو (نتیجہ یہ نکلے گا کہ) حد سے تجاوز کر بیٹھو گے اور ان لوگوں میں سے ہو جاؤ گے جو زیادتی کرنے والے ہیں''(سورۃ البقرہ: ۳۴-۳۵)

آدم وحوا جنت میں:

''اے آدم! تو اور تیری بیوی دونوں جنت میں رہو سہو اور جس جگہ سے جو چیز پسند آئے شوق سے کھاؤ مگر دیکھو وہ جو ایک درخت ہے تو اس کے قریب بھی نہ جانا اگر گئے تو یاد رکھو کہ تم زیادتی کرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے لیکن پھر ایسا ہوا کہ شیطان نے ان دونوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالا تا کہ ان کے ستر جو ان سے چھپے تھے ان پر کھول دے۔ اس نے کہا کہ تمہارے پروردگار نے اس درخت سے جو تمہیں روکا ہے تو صرف اس لئے کہ کہیں ایسا نہ ہو تم فرشتے بن جاؤ یا دائمی زندگی تمہیں حاصل ہو جائے۔ اس نے قسمیں کھا کھا کر یقین دلایا کہ میں تم دونوں کو خیر خواہی سے نیک بات سمجھانے والا ہوں۔ غرضیکہ انہیں فریب میں لے آیا۔ پھر جوں ہی ایسا ہوا کہ انہوں نے درخت کا پھل چکھا ان کے ستر ان پر کھل گئے اور جب انہیں اپنی برہنگی دیکھ کر شرم محسوس ہوئی تو باغ کے پتے اوپر تلے رکھ کر اپنے جسم پر چپکانے لگے۔ اس وقت ان کے پروردگار نے پکارا...... کیا میں نے تمہیں اس درخت سے نہیں روک دیا تھا اور کیا میں نے نہیں کہہ دیا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے؟ انہوں نے عرض کیا، پروردگار! ہم نے اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کیا اگر تو نے ہمارا قصور نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہمارے لئے بربادی کے سوا کچھ نہیں۔ فرمایا!

''یہاں سے نکل جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو۔ اب تمہارے لئے زمین میں ٹھکانہ ہے اور یہ کہ ایک خاص وقت تک وہاں وسائل کی پابند زندگی گزارو گے۔ اور فرمایا! تم اس

میں جیوگے اس میں مروگے پھر اسی سے نکالے
جاؤگے''۔(سورۃ اعراف:۱۹-۲۵)

قرآن کریم میں یہ بات وضاحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے کہ انسان کا خمیر مٹی سے گوندھا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مٹی کو بجتی اور کھنکھناتی فرمایا ہے۔یعنی خلاء مٹی کے ہر ذرے کی فطرت ہے۔

''انسان نا قابل تذکرہ شئے تھا۔ہم نے اس کے اندر
اپنی روح پھونک دی اور یہ دیکھتا،سنتااور محسوس کرتا
انسان بن گیا''۔(سورۃ دھر:۱-۲)

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ انسان محض گوشت پوست اور ہڈیوں سے مرکب جسم ہے۔ اس کی تمام دلچسپیاں، تمام توجہ اسی جسم پر مرکوز رہتی ہے اور وہ اپنی توانائی اس جسم کو پروان چڑھانے اور آسائش بہم پہنچانے میں استعمال کرتا ہے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اصل انسان گوشت پوست کا جسم نہیں بلکہ وہ ہے جو اس جسم کو متحرک رکھتا ہے۔عظیم روحانی سائنسدان قلندر بابا اولیاءؒ نے کتاب ''لوح وقلم'' میں اس بات کو اس طرح بیان فرمایا ہے۔

''ہم اپنے مادی جسم کی حفاظت کے لئے لباس بناتے ہیں۔لباس خواہ اونی ہو، سوتی ہو، نائلون کے تاروں سے بنا ہو یا ریشم سے بنا ہوا ہو جب تک گوشت پوست کے جسم پر موجود ہے اس میں حرکت رہتی ہے۔ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کوئی آدمی ہاتھ ہلائے اور قمیض کی آستین نہ ہلے ایسا کبھی نہیں ہوا کہ قمیض کو چارپائی پر ڈال دیا جائے یا کھونٹی پر لٹکا دیا جائے تو اس کے اندر اسی طرح حرکت پیدا ہو جس طرح مادی جسم کی حرکت کے ساتھ لباس میں حرکت ہوتی ہے۔ یعنی لباس کی حرکت جسم کے تابع ہے۔سوتی، اونی یا کھال کے بنائے لباس میں اپنی ذاتی کوئی حرکت واقع نہیں ہوتی۔

اللہ نے آدم کو تخلیق کائنات کے رموز اور فارمولوں کا علم عطا کر کے فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرشتوں سے کہا کہ اگر تم حکمت کائنات سے واقف ہو تو بیان کرو۔

فرشتوں نے عرض کیا کہ،

''ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں جتنا آپ نے ہمیں سکھا دیا ہے اور
حقیقت میں علیم وحکیم آپ ہی ہیں۔''

جب حضرت آدمؑ نے فرشتوں کے سامنے اللہ کے عطا کردہ علم
کا مظاہرہ کیا تو اللہ نے فرمایا!

''میں نے نہیں کہا تھا، مجھے جو معلوم ہے وہ تمہارے علم میں
نہیں ہے۔(سورۃ البقرہ:۳۳)

شرف انسانی پر مہر تصدیق ثبت کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ حضرت آدمؑ کو سجدہ کر کے ان کی حاکمیت کو تسلیم کرلیں۔

''جب کہا تیرے رب نے فرشتوں کو میں بناؤں گا ایک بشر
کھنکھناتے سنے گارے سے۔پھر جب ٹھیک کروں اس کو اور
پھونک دوں اس میں اپنی جان تو تم گر پڑو اس کے آگے

سجدے میں۔ پھر سجدہ کیا فرشتوں نے سارے اکٹھے۔ مگر ابلیس نے غرور کیا اور تھا وہ منکروں میں۔ فرمایا اے ابلیس! تجھ کو کیا اٹکاؤ ہوا کہ سجدہ کرے اس چیز کو، جو میں نے بنائی اپنے دونوں ہاتھوں سے، یہ تو نے غرور کیا، کیا تو بڑا تھا درجہ میں۔ بولا میں بہتر ہوں اس سے، مجھ کو بنایا تو نے آگ سے اور اس کو بنایا مٹی سے۔ فرمایا تو تو نکل یہاں سے کہ تو مردود ہوا اور تجھ پر میری پھٹکار ہے جزا کے دن تک''۔

(سورۃ ص:۷۱-۷۸)

مخلوق کی حقیقت خالق سے بہتر کوئی نہیں جانتا۔ شیطان غرور اور تکبر میں یہ سمجھنے سے قاصر رہا کہ مرتبہ کی بلندی اور پستی اس مادہ کی بناء پر نہیں ہے جس سے مخلوق کا خمیر تیار کیا گیا ہے بلکہ ان صفات پر ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر ودیعت کی ہیں۔

اللہ کریم کی قدرت کاملہ کا مظاہرہ ہوا اور حضرت آدمؑ سے حضرت بی بی حوا کے وجود کی تخلیق ہوئی۔ لیکن ایک درخت کے قریب جانے سے منع کر دیا گیا۔

شیطان نے موقع پا کر حضرت آدمؑ اور حضرت بی بی حوا کو بہکا دیا اور انہیں باور کرایا کہ جس درخت کے پاس جانے سے انہیں منع کیا گیا ہے وہ شجر ''شجر خلد'' ہے اس کا پھل کھانا جنت میں سرمدی آرام و سکون اور قرب الٰہی کا ضامن ہے۔

حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ درخت کے قریب چلے تو گئے لیکن بھول جانے کے احساس نے اپنی گرفت میں لے لیا۔ اور ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالنے کے لئے شیطان کامیاب ہوگیا۔ جب حکم عدولی اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا خیال دل میں جاگزیں ہوگیا اور وہ غم زدہ ہوگئے۔ تب جنت کی دائمی خوشی بے سکونی میں تبدیل ہوگئی۔ جنت کے آزاد حواس پس پردہ چلے گئے اور پابند حواس میں داخل ہوگئے۔ انہیں برہنگی کا احساس ہوا اور ستر پوشی کے خیال کے تحت وہ پتوں سے تن ڈھانپنے لگے...... گویا انسانی تمدن کا یہ آغاز تھا کہ تن ڈھانپنے کے لئے سب سے پہلے آدم نے پتوں کا استعمال کیا۔

حضرت آدمؑ سے باز پرس ہوئی کہ ممانعت کے باوجود حکم عدولی کیوں ہوئی؟ آدمؑ نے شیطان کی طرح مناظرہ نہیں کیا اور اپنی بھول کو تاویلات کے پردے میں چھپانے سے باز رہے۔ ندامت اور شرمساری کے ساتھ اقرار کرلیا کہ بھول ہوئی مگر اس کا سبب سرکشی نہیں بلکہ نسیان اور بھول ہے تاہم غلطی ہوگئی ہے توبہ استغفار کے ساتھ عفو و درگزر کا خواستگار ہوں۔

اللہ نے آدم کے عذر کو قبول فرمالیا اور معاف کر دیا اور یہ فیصلہ سنایا کہ تم کو اور تمہاری اولاد کو ایک معین وقت تک زمین پر قیام کرنا ہوگا اور تمہارا دشمن ابلیس بھی اپنے تمام سامان عداوت کے ساتھ وہاں موجود رہے گا۔

خیر و شر دو متضاد طاقتوں کے درمیان زندگی بسر کرنا ہوگی اگر تم اور تمہاری اولاد مخلص اور سچے بندے ثابت ہوئے تو تمہارا اصلی وطن ''جنت'' تمہیں لوٹا دیا جائے گا۔

جاری ہے.........

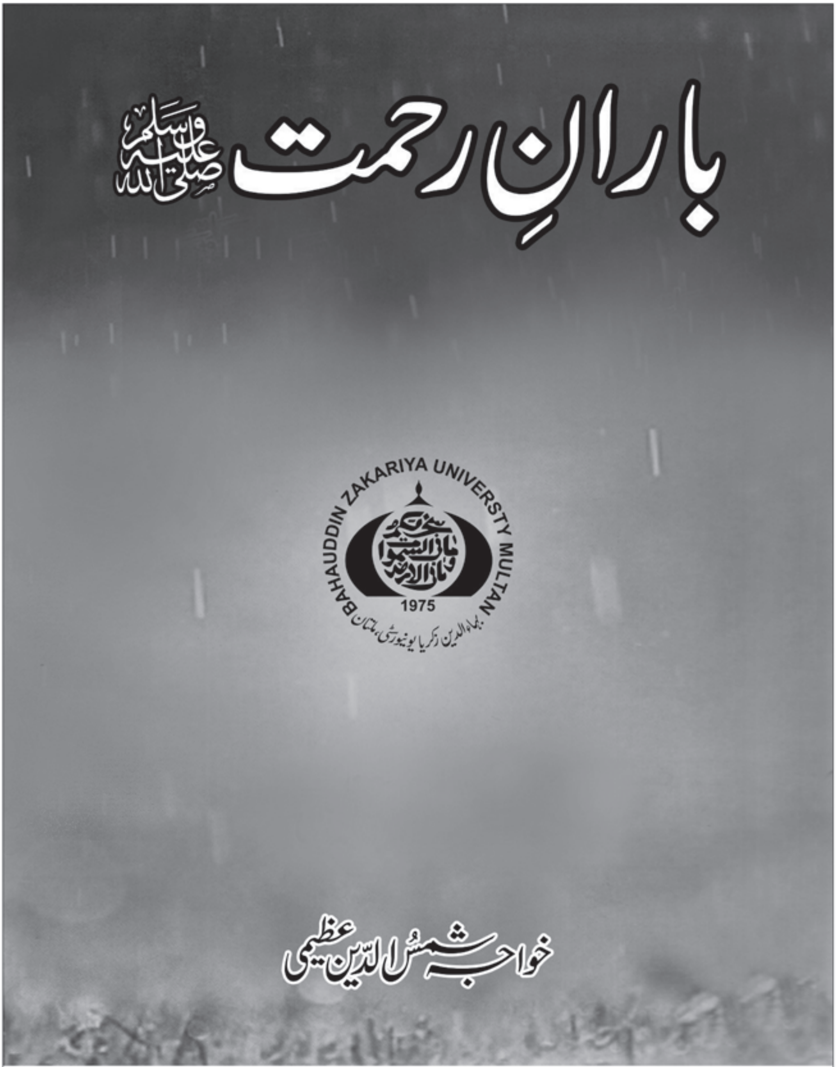

اسٹاکسٹ : انصاری بُک سینٹر

دکان نمبر1، ملکانی مینشن، ایم۔اے۔جناح روڈ، اردو بازار، کراچی، پاکستان۔

فون : 34289548-21-92+ موبائل : 3129964-345-92+

ای میل : m.irfanazeemi@gmail.com, ansaribooks@gmail.com

http://www.azeemiasilsila.org/books.shtml www.facebook.com/ansaribooks

بریک لگنے کی آواز آئی اور میں نے چونک کر دیکھا تو ایک سبز رنگ کی کار محض چند قدم کے فاصلے پر دیکھ کر مجھے پسینہ آ گیا۔ موت کو چند قدم تک اپنے تعاقب میں آجانے سے میری جو حالت ہونا چاہئے تھی وہی اس وقت تھی۔

پیشانی پسینہ سے شرابور تھی۔ دماغ ماؤف ہو چکا تھا۔ آنکھوں تلے سیاہی ابھر آئی تھی اور سانس گھٹ گئی تھی۔!

میں خود پر ملامت کر رہا تھا کہ فٹ پاتھ سے اترتے وقت دائیں سے بائیں کیوں نہیں دیکھا۔ غلطی ہوئی کیسے؟...... میں ابھی اپنا احتساب کر ہی رہا تھا کہ اچانک کار کا دروازہ کھلا ایک نوجوان اندازِ معذرت کے بجائے مسکراتا ہوا اترا اور سڑک پر اترتے ہی اس نے مجھے انگشت بدنداں کر دیا۔ اس لئے کہ اس نوجوان نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔

''آیئے۔ بیٹھ جایئے!''

میری مشکوک نگاہیں اس کی طرف اٹھ گئیں۔ وہ سمجھ گیا۔ قریب آ کر بولا۔

''سر! آپ مجھے بھول گئے۔ میں آپ کا نالائق شاگرد اخلاق ہوں اخلاق احمد۔ گورنمنٹ ہائی اسکول ناظم آباد میں آپ مجھے جنرل انگلش، سیوکس اور ہسٹری پڑھاتے تھے......!''

وہ اپنا بیان شاید جاری رکھتا لیکن مجھے متبسم دیکھ کر وہ چپ ہو گیا اور جواب کا انتظار کرنے لگا۔

''تم اخلاق احمد ہو۔ وَن ہونا؟''

''یس سر!'' اس نے ہنستے ہوئے اور سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''اسکول کے رجسٹر میں بھی فرسٹ نمبر پر تھا اور آج بھی خدا کے فضل سے فرسٹ ہی ہوں۔''

اس کے چہرے پر اطمینان، خود اعتمادی، بھروسہ کے ساتھ نخوت بھی جھلکنے لگی تھی، میں نے اس کے جذبات کو انسانی پیمانے میں لانے کی غرض سے کہا۔

''تم نے تو مجھے مار ہی ڈالا تھا۔ بہت تیز کار چلاتے ہو۔؟''

جواب تھا۔

''تیز گامی تو آپ نے مجھے سکھائی ہے سر! درجے میں جب دیر سے آتا تھا تو آپ ہی کہا کرتے تھے کہ وقت کے پر لگے ہیں۔ سست روی اور کاہلی ترک کرو، قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کے نقش قدم پر چلو۔ ان کے ایسے پھرتیلے۔ چست اور تیز رفتار بنو جو عرب سے نکلے تو دوسرے دن اسپین میں تھے۔ پاکستان کو دوڑنا ہے۔ مست خرامی نہیں کرنی ہے۔!''

وہ بڑے جوش سے کہہ رہا تھا۔آخر میں نے اسے ٹوک دیا اور کہا۔

''اچھا جاؤ! کہیں دیر نہ ہو جائے؟''

''آپ نہیں چلیں گے سر؟''

''کہاں؟''

''میں صدر جا رہا ہوں''

''نہیں!'' میں نے ٹالتے ہوئے کہا ''میں گھر جاؤں گا''

لیکن وہ بضد ہو گیا اور خوشامد کرنے لگا تب میں نے کہا۔

''چلو میں چلتا ہوں۔''

وہ خوش ہو گیا اور اس سے زائد میں کہ میرا شاگرد میرا استقبال کر رہا تھا۔عزت افزائی کر رہا تھا۔......اور میں کار میں بیٹھ گیا۔لیکن یہ احساس حرکت میں آ گیا کہ استاد ہونا قابل فخر ہے۔یہ بات دوسری ہے کہ موجودہ سماج میں استاد کو پہلے جیسا مقام حاصل نہیں۔

اس وقت تو مجھے صرف یہ یاد تھا کہ معاشرہ کی ساری کمی اس وقت اخلاق احمد نہ صرف پوری کر رہا تھا بلکہ تلافی بھی کر رہا تھا! اس نے دروازہ کھولا۔ایک ہاتھ جیب میں ڈال کر اس نے چاندی کا سگریٹ کیس جس میں لائیٹر بھی فکس تھا میری طرف بڑھایا اور کہنے لگا۔

''سگریٹ پیجئے۔سر!''

میں نے سگریٹ جلائی اور پوچھا

''تمہارے لئے سگریٹ جلاؤں؟''

''جی نہیں!'' وہ مسکرایا اور جھینپتے ہوئے کہا۔''ویسے میں سگریٹ پیتا ہوں لیکن آپ کے سامنے نہیں پی سکتا۔''

''تم اب طالب نہیں بلکہ ذمہ دار انسان ہو!'' میں نے فوراً کہا۔''پھر یہ کلاس نہیں ہے۔اس وقت سگریٹ پینے میں کوئی حرج نہیں''

''میں اب تک اپنے باپ کے سامنے نہیں پیتا۔'' اس نے کہا۔''اور استاد بھی باپ ہوتا ہے۔''

اس جواب نے مجھ میں غرور پیدا کر دیا۔میں نے سگریٹ کا کش لیتے ہوئے محسوس کیا کہ جیسے میں پاکستان کی سب سے بلند چوٹی ہوں اور اخلاق احمد چوٹی پر جمی ہوئی برف ہے۔۔جو قوم باپ، استاد اور بزرگوں کی عزت کرتی ہے وہ یقیناً سر بلند ہوتی ہے۔!

کار بائیں ہاتھ کی جانب مڑ رہی تھی۔اور میرا خیال ناظم آباد کی طرف تھا۔جہاں ناظم آباد کا سیکنڈری اسکول تھا۔کلاس میں اخلاق احمد نام کے دو طالب علم تھے۔دونوں مہاجر تھے لیکن اخلاق احمد فرسٹ میں اور اخلاق احمد سیکنڈ میں زمین آسمان کا فرق تھا۔نمبر ایک لاپرواہ، بدذوق۔شرارت پسند اور دروغ گو تھا۔لیکن نمبر دو اس کے برعکس سنجیدہ، کم سخن، علم پرست تیز اور سچا تھا۔مجھے وہ دن یاد آ رہے تھے۔چار سال قبل کی بات تھی۔میں اپنے اس شاگرد کو روز ڈانٹ پھٹکار کرتا رہتا تھا۔کیونکہ وہ پڑھتا کم اور کھیلتا زیادہ تھا۔ہمیشہ دیر سے اسکول آتا۔بغیر ہوم ورک کے۔غیر حاضر بہت رہتا۔میں اخلاق احمد فرسٹ سے بہت ناراض رہتا تھا۔اس لئے کہ میں

استاد تھا۔ مفاد پرست نہیں تھا۔ یہی وجہ تھی کہ سارے کے سارے طلباء مجھ سے ناراض رہتے تھے۔ اور اخلاق احمد تو میری بہت برائی کرتا تھا۔

مجھے یاد ہے کہ ہائی اسکول کا امتحان قریب تھا میں نے اخلاق احمد کو اس قدر سخت سست کہا کہ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا کہنے لگا:

''فیل ہوں گا تو میں فیل ہوں گا۔ آپ تو فیل نہیں ہو گے''

ساری کلاس ہنسنے لگی۔ میں نے کہا۔

''اگر صرف تم فیل ہو جاتے تو مجھے غم نہیں ہوتا۔ لیکن جانتے ہو ایک فرد کی ناکامی پوری قوم کی ناکامی ہے۔ پاکستان کی ناکامی ہے!......اور پھر مجھے دکھ نہ ہو گا تو کیا خوشی ہو گی۔؟''

لیکن وہ یہی کہتا رہا کہ۔''میں پاس ہو جاؤں گا...... گھبرائیے نہیں سر!'' اور مجھے اس کے جواب سے دکھ ہوتا تھا۔ پاس کہاں سے ہو جائے گا بغیر محنت کئے۔ بغیر پڑھے۔ بھلا کون پاس ہوتا ہے۔ لہٰذا میں نے اس کی صلاحیتوں کو اور بیدار کرنے کی خاطر چیلنج کرتے ہوئے کہا۔

''اخلاق احمد! اگر تم پاس ہو جاؤ تو میں نہ صرف اپنی شکست قبول کرلوں گا بلکہ تم سے معافی بھی مانگ لوں گا۔''

''سر!'' اخلاق احمد کا جواب مجھے ابھی تک یاد ہے اس نے کہا تھا''چلئے چیلنج منظور!''

طلباء ہنسنے لگے۔ کلاس تالیوں سے گونج گئی......!

لیکن نتیجہ آیا تو اخلاق احمد وَن کا نام تھرڈ ڈویژن میں بھی نہیں تھا۔ اخلاق احمد سیکنڈ پہلے نمبر پر امتیاز کے ساتھ پاس ہوا تھا۔ مجھے نتیجہ دیکھ کر دکھ ہوا۔ کاش میں ہار جاتا۔! استاد جو تھا۔

مجھے اخلاق احمد وَن کا انتظار تھا۔ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ اس میں کیا تبدیلی ہوئی۔ مجھے امید تھی کہ اس ٹھوکر سے وہ سنبھل جائے گا وہ ذہین تھا اور مجھے امید تھی کہ دوسری بار وہ اچھے نمبروں سے پاس ہو گا۔ لیکن وہ پھر لوٹ کر نہیں آیا۔ لاپتہ ہو گیا۔ پھر اس کے متعلق کوئی خبر عرصہ تک نہ ملی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ تجارت کر رہا ہے لیکن وہ خود کبھی نہیں آیا۔! آج اچانک وہ مل گیا اور اس وقت کار چلا رہا ہے اور میں سگریٹ پی رہا ہوں۔!

کار اچانک رک گئی اور چند لمحوں بعد ہم دونوں ایک کیفے کے ایک کیبن میں چائے پی رہے تھے۔ میز پلیٹوں سے بھری ہوئی تھی اور وہ مجھے بار بار کہتا۔

''کھائیے سر!۔ آپ تکلف کر رہے ہیں''

یہ باپ کی دعوت تھی بیٹے کی طرف سے۔ باپ کے ہاتھ کو تو سن ہی ہو جانا چاہئے تھا۔ میں نے ٹالنے کی غرض سے پوچھا۔

''کر کیا رہے ہو آجکل؟''

''بزنس کر رہا ہوں۔''

''کونسا بزنس''

''امپورٹ۔ ایکسپورٹ''

میں نے مستحسن نظروں سے اسے دیکھا اور کہا

''ماشاءاللہ۔!''

’’حالانکہ آپ مجھے ہمیشہ نالائق ہی کہا کرتے تھے۔!‘‘

میں کچھ جھینپ سا گیا۔ وہ ہنس رہا تھا۔ آخر میں نے کہا:

’’میں چاہتا تھا کہ تم پڑھ لو۔ تمہارا پڑھنے میں جی نہیں لگتا تھا اس لئے تمہیں نالائق کہا کرتا تھا۔!‘‘

.... آپ فرماتے تھے کہ!‘‘ اچانک اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔’’ مجھے بھیک مانگنے نہ ملے گی۔ لیکن بھیک تو بھیک لاکھوں کا سرمایا ہے۔ کئی کاریں ہیں میرے پاس اور اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔ اور یہ سب اس لئے ہے کہ میں ان پڑھ ہوں۔ اگر پڑھ لیتا تو کسی کام کا نہ رہتا۔؟‘‘

اتنی دیر میں پہلی بار میں نے اسے استاد کی گرم آنکھوں سے دیکھا وہ تیور پہچان گیا۔ اسی لئے جلدی سے کہنے لگا۔

’’مجھے معلوم تھا کہ آپ خفا ہو جائیں گے...... میں معذرت چاہوں گا لیکن اتنا ضرور عرض کروں گا کہ جو کچھ آپ مار مار کر پڑھاتے تھے وہ عقبیٰ کے لئے تو مناسب ہے لیکن دنیا کے لئے ضرر رساں ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ جھوٹ نہ بولو۔ دھوکا نہ دو۔ دوسرے کے مال کو نہ تکو۔ برائی میں کسی کا ساتھ نہ دو۔ لیکن یہ ساری تعلیم اس لئے ناکارہ ہے کہ زمانہ مادیت کا ہے۔ کم از کم بازار کا حال یہی ہے۔ اب بتایئے کہ جعل ،فریب، مکاری، دھوکا اور جھوٹ نہ بولوں تو تجارت کیسے کروں؟ آپ ہمیں اسکول میں پڑھاتے ہیں مگر جب ہم اسکول سے باہر آتے ہیں تو پرانے زنگ آلود خالی ڈبوں کی

برائی...... برائی ہے
وہ کبھی نہیں پنپتی ہمیشہ عارضی ہوتی ہے۔

طرح ہمیں کوڑے پر پھینک دیا جاتا ہے۔ کوئی ہمیں نہیں پوچھتا، نہ ہماری کوئی قیمت ہوتی ہے۔! اچھا ہی ہوا کہ میں نے نہیں پڑھا......زندگی کی دوڑ میں فیل ہو جاتا......!‘‘

وہ جو کچھ کہہ رہا تھا غلط نہیں تھا۔ اسکول اور بازار کے ماحول میں جس تضاد کی طرف اس نے اشارہ کیا تھا وہ بالکل صحیح تھا۔ لیکن پھر بھی علاج یہ نہیں تھا کہ جھوٹ کو فروغ دے کر سچ سے توبہ کرلی جائے۔ یا فریب کی چکا چوند سے متاثر ہو کر سچائی کا منہ کالا کر دیا جائے۔ اخلاق احمد نے غلط نہیں کہا تھا .... لیکن اس سے زیادہ سچ اور حق یہ تھا کہ آج اگر بازاروں میں سیاہ آندھیاں چل رہی ہیں تو کل یہ آندھیاں ختم ہو جائیں گی۔ اگر آج شیطان جیت رہا ہے تو کل اسے شکست بھی ہوگی اور حق، انصاف اور سچائی کا بول بالا ہوگا۔

’’تم غلط رستے پر دوڑ رہے ہو۔‘‘

’’کیوں سر؟‘‘

’’تمہارے تجزیئے سے پتہ چلا کہ تم بزنس میں جن طریقوں سے کامیاب ہوئے ہو وہ دیرپا اور مستقل نہیں ہیں......‘‘

وہ قدرے بلند آواز سے ہنسا اور کہنے لگا۔

’’آپ جس دنیا کی بات کر رہے ہیں وہ عملی نہیں ہے۔‘‘

میں ہنس دیا...... میرا شاگرد اخلاق احمد آج بھی نہیں سنبھلا تھا۔ مانا کہ اقتصادی طور پر وہ مستحکم تھا اور شاید اسی استحکام کو دکھانے کے لئے وہ مجھے یہاں لایا تھا۔ لیکن وہ پھر بھی ناکام ہی رہا کیونکہ میں یہ تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں تھا اور نہ ہو سکتا تھا کہ آج جو کچھ ہو رہا ہے وہ حق ہے۔

میں نے اس سے پوچھا۔

''تم اسمگلنگ پر یقین رکھتے ہو؟''

''جی؟''

اس نے چونک کر کہا

''کیا ذخیرہ اندوزی...... بلیک مارکٹنگ تو نہیں کرتے؟''

اس نے جو جواب دیا وہ یہ تھا،

''اس کے بغیر چار سال میں میرے پاس کئی کاریں کیسے ہو سکتی تھیں اور لاکھوں کا بزنس کیسے ممکن تھا......!''

''تم اپنی عاقبت ہی نہیں خراب کر رہے ہو اخلاق احمد!'' میں نے کہا'' بلکہ قوم کو برباد اور ملک کو تباہ بھی کر رہے ہو......!''

اس نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔

''سر! سب یہی کر رہے ہیں۔ میرا کیا قصور ہے؟''

''سب سے مجھے واسطہ نہیں بلکہ مجھے تم سے سروکار ہے......!''

میں نے کہا'' تم میرے شاگرد رہے ہو۔ تمہاری غلط کاری کی ذمہ داری مجھ پر بھی آتی ہے کیونکہ تمہیں میں نے تعلیم دی ہے بدنامی کا سوال ہے تم سنبھل جاؤ۔ تجارت کو ایمان اور صاف ستھرے اصولوں پر چلاؤ جس سے نہ صرف تمہیں فیض پہنچے بلکہ ملک و قوم کا بھی فائدہ ہو۔ اور دنیا کا بھی بھلا ہو۔ اس لئے کہ برائی...... برائی ہے اور وہ کبھی نہیں پنپتی ہمیشہ عارضی ہوتی ہے!''

''جی ہاں!'' اس نے بڑے طنزیہ انداز میں کہا۔'' جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ دو دو پیسے کی دن بھر پڑیاں باندھا کرتے ہیں۔''

''برکت، خوشی اور عاقبت کا راستہ یہی ہے۔''

''صرف کتابوں تک سر''

اس نے ہنستے ہوئے کہا......اور معاً یہ خیال ہوا کہ مجھے اخلاق احمد کے ساتھ یہاں ریستوران میں نہیں آنا چاہئے تھا۔

میں نے پھر پوچھا۔

''اخلاق احمد سیکنڈ کہاں ہے...... کیا کرتا ہے؟''

اس نے بڑے نوکیلے انداز سے کہا۔

''کلرکی کرتا ہے وہ...... جلد ہی اسے دق ہو جائے گی۔ اس لئے کہ جو کچھ اس نے پڑھا تھا اس کو حفظ بھی کر لیا تھا جس نے اس کی زندگی برباد کر دی......''

جب میں رخصت ہوا تو اخلاق احمد بڑے اخلاق سے ملا۔ حالانکہ میں سمجھ رہا تھا کہ وہ دل ہی دل میں تمسخر کر رہا ہے۔ اس لئے کہ اس کی نظر میں میری وقعت اس سے زائد نہیں تھی کہ میں زنگ آلود خالی

ڈبے بناتا ہوں......!

رات گئے تک آج کی غلط ملاقات کے اثرات مجھے بے چین کرتے رہے۔ بقول اخلاق احمد کے میں قوم کو بزدل، ناکارہ اور مفلس بنانے کا کام انجام دے رہا تھا۔ جو تعلیم میں دے رہا تھا وہ بازار اور کشاکش زندگی کے لئے محض بیکار تھی اور آج کی دنیا کو کسی طرح سے بھی فتح کرنے میں مددگار معاون نہیں تھی۔ میں یہ سوچ کر بے چین تھا کہ اس تضاد کو کیسے ختم کیا جائے۔

دوسرے دن جب میں تدریس میں مشغول تھا تو سوچ رہا تھا کہ جو تعلیم اپنے شاگردوں کو دے رہا ہوں۔ کیا وہ ان کے لئے مفید ہوگی؟ کیا جہاد زندگانی میں یہ تعلیم ان کے لئے ''مردوں کی شمشیر'' ثابت ہوگی......؟ اور اس وقت عقل سوال کرتی...... ''اگر یہ تعلیم نہیں دو گے تو پھر کیا یہ نصیحت کرو گے کہ جھوٹ بولو، مکاری سیکھو، دغا اور فریب کی اہلیت پیدا کرو، اسمگلنگ کرو، بلیک کرو...... کیونکہ کوٹھی، موٹر اور بنک بیلنس اسی طرح ہوسکتا ہے......؟'' اور اس طرح عقل مجھے سنبھالا دیتی اور میں اپنے اصولوں میں نئی روشنی محسوس کرتا تھا۔ پاکستانی زندگی کے ہر رخ کو سنورنا ہوگا۔ زندہ رہنے اور ترقی کرنے کے لئے زندہ جاوید اصولوں کو اپنانا ہوگا۔ یہ اندھیرا جو آج ہے کل چھٹ جائے گا اور معاشرہ یقیناً نئے حیات بخش سانچے میں ڈھل جائے گا اور اخلاق احمد کو احساس ہی نہیں ہوگا بلکہ اپنی غلطی کا اعتراف بھی کرنا ہوگا! لیکن یہ سب کب ہوگا......؟

اس وقت مسکراتا اور خاموش ہوجاتا تھا

لیکن وہ وقت آ گیا، آیا تو طوفان بن کر......

اللہ کی لاٹھی حرکت میں آ گئی مارشل لاء نے شمشیر کو خون آلود نہیں کیا۔ بلکہ اسے ایٹمی جھاڑو بنا کر معاشرہ کی گندگیوں کو صاف کرنے لگا اور دیکھتے ہی دیکھتے دنیا بدل گئی۔

میں نے اخلاق احمد کو تلاش کیا۔ میں پوچھنا چاہتا تھا کہ اب اس کا کیا خیال ہے؟ لیکن وہ مجھے نہیں ملا۔ میری تمنا یہ بھی تھی کہ میں اپنے نالائق شاگرد کو نئے ماحول میں بدلا ہوا دیکھوں اور مسرور ہوں۔ لیکن وہ لاپتہ تھا۔

ایک دن اخلاق احمد سیکنڈ مل گیا۔ اس نے بتایا کہ اخلاق احمد فرسٹ جیل میں ہے۔ اسکول رجسٹر میں بھی وہ فرسٹ تھا۔ بازار میں بھی فرسٹ رہا اور جیل جانے میں بھی فرسٹ ہی رہا۔ ملک و قوم کو لوٹنے کھسوٹنے کے الزام میں جہاں اور لوگ جیل گئے۔ وہیں اخلاق فرسٹ بھی تھا۔ رنج صرف یہ تھا کہ وہ میرا شاگرد تھا اور نالائق شاگرد۔

اس کی جائیداد ضبط ہو چکی تھی۔ دولت چھن گئی تھی۔ اور کاریں نیلام ہوچکی تھیں۔ اس لئے کہ یہ سب کچھ ناجائز طور پر حاصل کی گئی تھیں جائز طریقوں کو پامال کر کے، اصولوں کو مٹا کر۔ سوال ایک فرد کا نہیں پوری قوم کا تھا۔ ملک کا تھا۔ معاشرے کا تھا۔ اس لئے میرا دل بھی مطمئن تھا۔ بس کسک تھی تو صرف یہی کہ کاش اخلاق احمد میرا شاگرد نہ ہوتا۔

☆☆☆

اللہ کے دوست اولیاء اللہ سے کرامات صادر ہوتی ہیں

شہنشاہ ہفت اقلیم حضرت

بابا تاج الدین ناگپوریؒ

خواتین و حضرات اولیاء اللہ کی تعلیم و تربیت سے رسول اللہ ﷺ کے مشن کے فروغ کا سلسلہ جاری ہے۔ ادارہ ''ماہنامہ قلندر شعور'' اولیاء اللہ کی کرامات قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ اس مضمون میں وضاحت کی جائیگی کہ کرامات کے پس منظر میں کون سے حقائق کارفرما ہوتے ہیں۔

لفظ معجزہ کا ماخذ ''عجز'' ہے، مفہوم یہ ہے کہ کوئی کام کرنے سے عاجز ہونا۔ نبوت کی صداقت کے لئے خرقِ عادت کا ظاہر ہونا معجزہ ہے۔ خرق عادت کا اظہار اولیاء سے ہو تو اسے کرامت کہتے ہیں۔ خرقِ عادات انبیاء کرام کے علاوہ نوعِ انسانی کے دیگر افراد سے بھی صادر ہوئی ہیں۔ انبیاء اور روحانی طاقت رکھنے والے انسانوں کے کتنے ہی واقعات اس کے شاہد ہیں۔ پاک طینت حضرات سے خرقِ عادات کا اظہار رشد و ہدایت اور تنبیہہ کے لئے ہوتا ہے۔ روحانی سائنس کی پہلی کتاب ''لوح و قلم'' میں ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاءؒ لکھتے ہیں۔ تصرف کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ معجزہ
۲۔ کرامت
۳۔ استدارج

استدراج وہ علم ہے جو اعراف کی بری روحوں یا شیطان پرست جنات کے زیرِ سایہ کسی آدمی میں خاص وجوہات کی بناء پر پرورش پا جاتا ہے۔ صاحبِ استدراج کو اللہ کی معرفت حاصل نہیں ہوتی۔ استدارج اور علمِ نبوت میں یہ فرق ہے کہ استدراج کا علم بھی ماورائی حواس سے متعلق ہے لیکن عارضی ہوتا ہے۔

علمِ نبوت غیب بینی کی حدوں سے گزار کر اللہ کی معرفت تک پہنچا دیتا ہے۔

علمِ نبوت کے زیرِ اثر جب کوئی خارق عادت نبی سے صادر ہوتی ہے تو اس کو معجزہ کہتے ہیں۔ معجزے صادر نہیں ہوتے البتہ پیغمبروں کے وراثت یافتہ علمائے حق سے خرق عادت (کرامات) ظاہر ہوسکتی ہیں۔ اولیاء اللہ سے صادر ہونے والی خارقِ عادت کرامت ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دور میں صاف ابن صیاد مدینے کے مضافات میں رہتا تھا۔ موقع پا کر شیطان کے شاگردوں نے اسے اچک لیا اور اس کی چھٹی حس کو بیدار کر دیا۔ وہ چادر اوڑھ کر آنکھیں بند

کر لیتا اور ملائکہ کی سرگرمیوں کو دیکھتا اور سنتا رہتا۔ وہ سرگرمیاں عوام میں بیان کر دیتا۔

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی شہرت سنی تو ایک روز حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا:

''آؤ! ذرا ابن صیاد کو دیکھیں۔''

اس وقت وہ مدینے کے قریب ایک سرخ ٹیلے پر کھیل رہا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سے پوچھا۔

''میں کون ہوں؟''

ابن صیاد تھوڑی دیر خاموش رہا، پھر بولا۔

''آپ امیوں کے رسول ہیں لیکن آپ کہتے ہیں کہ میں خدا کا رسول ہوں۔''

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

''تیرا علم ناقص ہے، تو شک میں پڑ گیا۔ اچھا بتا!...... میرے دل میں کیا ہے؟

اس نے کہا۔

''دخ (ایمان نہ لانے والا) ہے۔'' آپؐ میرے متعلق یہ سمجھتے ہیں کہ میں ایمان نہ لاؤں گا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

''پھر تیرا علم محدود ہے۔ تو ترقی نہیں کر سکتا۔ تو اس بات کو نہیں جانتا کہ ایسا کیوں ہے۔''

حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

''یا رسول اللہ ﷺ! اگر آپ اجازت دیں تو میں اسے قتل کر دوں۔''

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

''اے عمر! اگر یہ دجال ہے تو اس پر تم قابو نہیں پا سکو گے اور اگر دجال نہیں ہے تو اس کا قتل زائد ہے۔ اس کو چھوڑ دو۔''

ابن صیاد کی طرح کسی بھی صاحب استدراج (جادو کرنے والے) کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل نہیں ہوتی۔

قرآنِ حکیم نے معجزات کو اللہ کی نشانیاں فرمایا ہے۔

''پھر بچا دیا ہم نے اس کو، اور جہاز والوں کو اور رکھا ہم نے جہاز کو نشانی جہان والوں کے لئے'' (عنکبوت۔۱۵)

''اللہ کی اونٹنی تمہارے واسطے نشانی ہے'' (اعراف۔۷۳)

سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب نبوت کا اعلان فرمایا تو کفار نے مطالبہ کیا کہ آپ ﷺ کوئی معجزہ دکھائیں۔ قرآن نے مکہ کے منکرین کا مطالبہ ان الفاظ میں دہرایا ہے۔

''وہ (محمد رسول اللہ ﷺ) ہمارے پاس اپنے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں لائے ہیں'' (طہ۔۱۳۳)

''اس پر اس کے رب کی جانب سے نشانیاں کیوں نہیں اتاری جاتیں؟'' (عنکبوت۔۵۰)

''تو نہیں چاہیئے کہ ہمارے پاس کوئی نشانی لائیں جیسے پہلے انبیاء بھیجے گئے تھے'' (الانبیاء۔۵)

نبی سے ظاہر ہونے والی واضح دلیل کو انبیاء کی تعلیمات کو جھٹلانے والے جادو کہتے تھے۔ قرآن نے خارقِ عادت کے مطالبے کے جواب میں فرمایا:

''اگر یہ کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں۔

اور کہتے ہیں کہ یہ جادو تو ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے'' (القمر۔۲)

حضرت صالحؑ کی قوم پتھر سے زندہ سلامت اونٹنی نکلنے کا معجزہ دیکھ کر بھی راہِ راست پر نہیں آئی اور انہیں قانون قدرت نے پکڑ لیا۔

حضرت عیسیٰؑ کے معجزات دیکھ کر صرف گنتی کے چند لوگ ایمان لائے۔ محمد رسول اللہؐ کے معجزات دیکھ کر بھی کفارِ مکہ کے دلوں میں ایمان کی روشنی داخل نہیں ہوئی۔ جب آپؐ کو ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں ضیاء پاشی کا حکم ہوا تو کفارِ مکہ کے حصے میں رسوائی اور بدبختی آئی۔ آپؐ اور آپؐ پر ایمان لانے والے غالب اور فاتح بن کر دوبارہ مکہ میں داخل ہوئے۔

پاک باطن نفوس کے لئے سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ اقدس معجزہ ہے۔ انہیں ایمان سے سرفراز ہونے کے لئے کسی مافوق الفطرت واقعہ کی تلاش نہیں ہوتی۔ حضرت خدیجہ الکبریٰؓ، حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علیؓ اور دوسرے نامور صحابی معجزہ دیکھے بغیر ایمان لائے۔

ایک مومن بننے کے لئے ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابۂ کرام، تابعین، تبع تابعین اور پھر اولیائے کرام ہدایت اور رہبری کا ذریعہ رہے ہیں۔ حضرت اویس قرنیؒ (۳۷ھ) کے بعد حضرت علی ہجویری المعروف داتا گنج بخشؒ (۴۶۵ھ)، سیدنا شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ (۵۶۱ھ)، حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ (۶۳۲ھ)، حضرت بابا فرید گنج شکرؒ (۶۶۴ھ)، حضرت لعل شہباز قلندرؒ (۶۷۳ھ)، حضرت علاء الدین صابر کلیریؒ (۶۹۰ھ)، حضرت بوعلی شاہ قلندرؒ (۷۲۴ھ)، حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ (۷۲۵ھ)، حضرت صاحبزادہ شیخ احمد سرہندی فاروقی مجدد الف ثانیؒ (۱۰۳۴ھ)، حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ (۱۱۶۵ھ)، حضرت سچل سرمستؒ (۱۲۴۲ھ)، اور دوسرے ایسے تمام بزرگانِ کرام جو عوام کیلئے فیض عام رہے ہیں۔ ان اولیاء کرام کی جسمانی، دینی، ملکی، ملی اور روحانی خدمات وقت کے ساتھ ساتھ اور زیادہ روشن تر ہوتی چلی جارہی ہیں۔ ان بزرگوں کا روحانی مشن مذہب اور ملت اور عقیدے کی حد بندیوں سے بلند ہے۔ ان بزرگوں کو اس دنیا سے جدا ہوئے اگرچہ صدیاں گزر گئی ہیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وہ زندہ ہیں۔ تاریخ کے اوراق پر اور لوگوں کے دلوں میں ان کی یادیں زندہ ہیں۔

ان پاکیزہ ہستیوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص نسبت ہوتی ہے اس لئے ان کی ذات سے ایسے ایسے واقعات منظر عام پر آتے ہیں جن کی عقلی تشریح ممکن نہیں۔

آخری الہامی کتاب قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمانؑ کا قصہ بیان فرمایا ہے۔ اس قصہ میں ہمیں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ علم کے سلسلے میں انسان کی رسائی جنات سے بہت زیادہ ہے کیونکہ وہ ''کتاب کا

علم'' رکھتا ہے ایسا ہی ایک انسان ملکہ کا تخت ایک آن میں حضرت سلیمانؑ کے دربار میں لے آیا۔

آسمانی کتابوں میں وہ علم موجود ہے جس سے نوع انسانی ہرطرح کا استفادہ کرسکتی ہے اس میں نبی ہونے کی کوئی شرط نہیں بلکہ ہر بندے کے اندر یہ صلاحیت موجود ہے کہ کتاب کا علم (علم الاسماء) سیکھ کر ایسی مسند پر براجمان ہوجاتا ہے جہاں اسے کائنات میں تصرف کرنے کی صلاحیت ودیعت کردی جاتی ہے اور زمان و مکان اس کے لئے مسخر ہوجاتے ہیں۔ وہ بندہ ٹائم کی نفی کرسکتا ہے اور اسپیس اس کے حکم سے سمٹ جاتی ہے۔

☆☆☆

سلسلہ عظیمیہ کے بانی ابدال حق قلندر بابا اولیاءؒ کا ارشاد ہے کہ......

''نانا تاج الدین جیسی برگزیدہ ہستی ساڑے تین ہزار سال کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے پیدا کرتا ہے۔ یہ ساری کائنات چار نورانی آبشاروں پر قائم ہے۔ نانا تاج الدینؒ کی عظمت کا حال یہ ہے کہ نور اور تجلیات کی ان چار آبشاروں کو اپنے اندر اس طرح جذب کر لیتے ہیں کہ ایک قطرہ بھی ادھر ادھر نہیں ہوتا۔

بابا تاج الدین ناگپوریؒ کے علم وعرفان اور غیب وشہود کے وارث قلندر بابا اولیاءؒ نے ''تذکرہ تاج الدین باباؒ'' کے نام سے ایک کتاب تصنیف فرمائی۔ روحانی دنیا میں یہ پہلی کتاب ہے جس میں کشف وکرامات کی علمی توجیہہ بیان کی گئی اور بابا تاج الدین کے ان علوم کا ذکر کیا گیا ہے جن علوم کا تعلق براہ راست ان چار نورانی آبشاروں سے ہے جو بابا تاج الدینؒ کی روح کے اندر ہمہ وقت تسلسل اور تواتر کے ساتھ جذب ہوتی رہتی ہیں۔

بابا تاج الدینؒ بعض اوقات اشاروں اشاروں میں ایسی بات فرما دیتے تھے جس میں کرامتوں کی علمی توجیہہ ہوتی اور سننے والوں کی آنکھوں کے سامنے یکبارگی کرامات کے اصولوں کا نقشہ آجاتا کبھی کبھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ذہن سے تسلسل کے ساتھ سننے والوں کے ذہن میں روشنی کی لہریں منتقل ہورہی ہیں اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ بالکل خاموش بیٹھے ہیں اور حاضرین من وعن ہر وہ بات اپنے ذہن میں سمجھتے اور محسوس کرتے چلے جاتے ہیں جو نانا رحمتہ اللہ علیہ کے ذہن میں اس وقت گشت کررہی ہے۔ بغیر توجہ دیئے بھی ان کی غیر ارادی توجہ لوگوں کے اوپر عمل کرتی رہتی تھی۔ بعض لوگ کہتے تھے کہ ہم نے باباصاحب کے اس طرز ذہن سے بہت فیضان حاصل کیا ہے۔ یہ بات تو بالکل ہی عام تھی کہ چند آدمیوں کے ذہن میں کوئی بات آئی اور یکایک نانا رحمتہ اللہ علیہ نے اس کا جواب دے دیا۔ اردو بولنے میں انہیں اگرچہ سوچنا پڑتا پھر بھی الفاظ میں کچھ ایسا زور ہوتا کہ سامعین ان کا مافی الضمیر فوراً سمجھ جاتے۔

گوالا زندہ ہوگیا:

گلاب سنگھ نے نانا تاج الدین کی چائے کے لئے

ایک بھینس کا دودھ وقف کر رکھا تھا اکثر خود ہی دودھ لیکر آتا اور جوش کرنے کے لئے رکھ جاتا۔ وہ سن گیارہ سے یہ خدمت انجام دیتا تھا۔ سن سترہ کی برسات میں ایک صبح دودھ نہیں آیا۔

نانا نے دن چڑھے تک انتظار کرنے کے بعد حیات خاں سے کہا۔ ''کیا آج چائے نہیں ملے گی؟''

حیات خاں نے ڈرتے ڈرتے جواب دیا ''میں تو بہت سویرے سے گلاب سنگھ کا انتظار کر رہا ہوں ۔ معلوم نہیں کیا بپتا پڑ گئی ابھی تک دودھ نہیں لایا حکم ہو تو بازار سے لے آؤں۔''

نانا بگڑ کر بولے۔ ''پھر تو نے اس کی خبر کیوں نہیں لی، جا لے آ۔''

حیات خاں گاؤں کی طرف دوڑا۔ گاؤں میں داخل ہوتے ہی اس کی نظر گلاب سنگھ کی ارتھی پر پڑی۔ لوگ کریا کرم کے بندوبست میں لگے ہوئے تھے اس نے ایک آواز سنی۔ ''بابا صاحب کا گوالا مر گیا۔''

حیات خاں پریشان ہو کر الٹے پاؤں دوڑا۔

نانا تاج الدین راستہ میں اس کا انتظار کر رہے تھے۔ انہیں دیکھ کر گلوگیر آواز میں بولا۔ ''گلاب سنگھ مر گیا۔''

نانا یہ سن کر گاؤں کی طرف چل پڑے۔ حیات خاں اور چند آدمی ان کے ساتھ تھے۔ آنکھوں سے جلال برس رہا تھا۔ ارتھی کے قریب پہنچ کر انہوں نے پکارنا شروع کیا۔ گلاب سنگھ۔ گلاب سنگھ۔

بہت غصہ میں ہجوم سے بولے۔ ''اسے کھول دو...... یہ زندہ ہے۔''

اس کے بھائی نے دوڑ کر ارتھی کی دوڑیاں کاٹ ڈالیں۔ آن کی آن میں گلاب سنگھ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

دوسرے دن گلاب سنگھ حسب معمول دودھ لیکر آیا تو لوگوں نے اسے گھیر لیا اور سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔

اب سنئے گلاب سنگھ کی کہانی......اس کی اپنی زبانی،

''بوندوں میں بھیگنے سے مجھے تپ چڑھ گئی بدن جلنے لگا کچھ لوگ اڑتے ہوئے آئے اور مجھے اس دنیا سے دوسری دنیا میں لے گئے۔ میں کئی گھنٹے تک ایک ہرے بھرے میدان میں گھومتا رہا اس کے دو راستے تھے ایک راستہ کانٹے دار جنگل میں گم ہو گیا اور دوسرے راستے میں آبادیاں تھیں۔ چلتے چلتے میں ایسی جگہ پہنچا جہاں بہت سی عدالتیں لوگوں سے بھری پڑی تھیں۔ ان ہی عدالتوں میں اونچی کرسی کی ایک عمارت دیکھنے میں آئی جس کے دروازے بڑے بڑے تھے۔''

میں نے دیکھا ایک دروازے پر کھڑے بابا صاحب کچھ سوچ رہے ہیں۔

پھر وہ محراب کی طرف بڑھے یہاں تخت پر دو جگ کے تاج دار، انبیاء کے سردار ﷺ تشریف رکھتے تھے ۔ بابا صاحب تخت کے سامنے ٹھہر گئے اور سر جھکا کر درخواست کی۔

''میرے آقا! گلاب سنگھ کی واپسی کا حکم دیا جائے۔''

فرمایا: ''گلاب سنگھ! تم جا سکتے ہو۔''

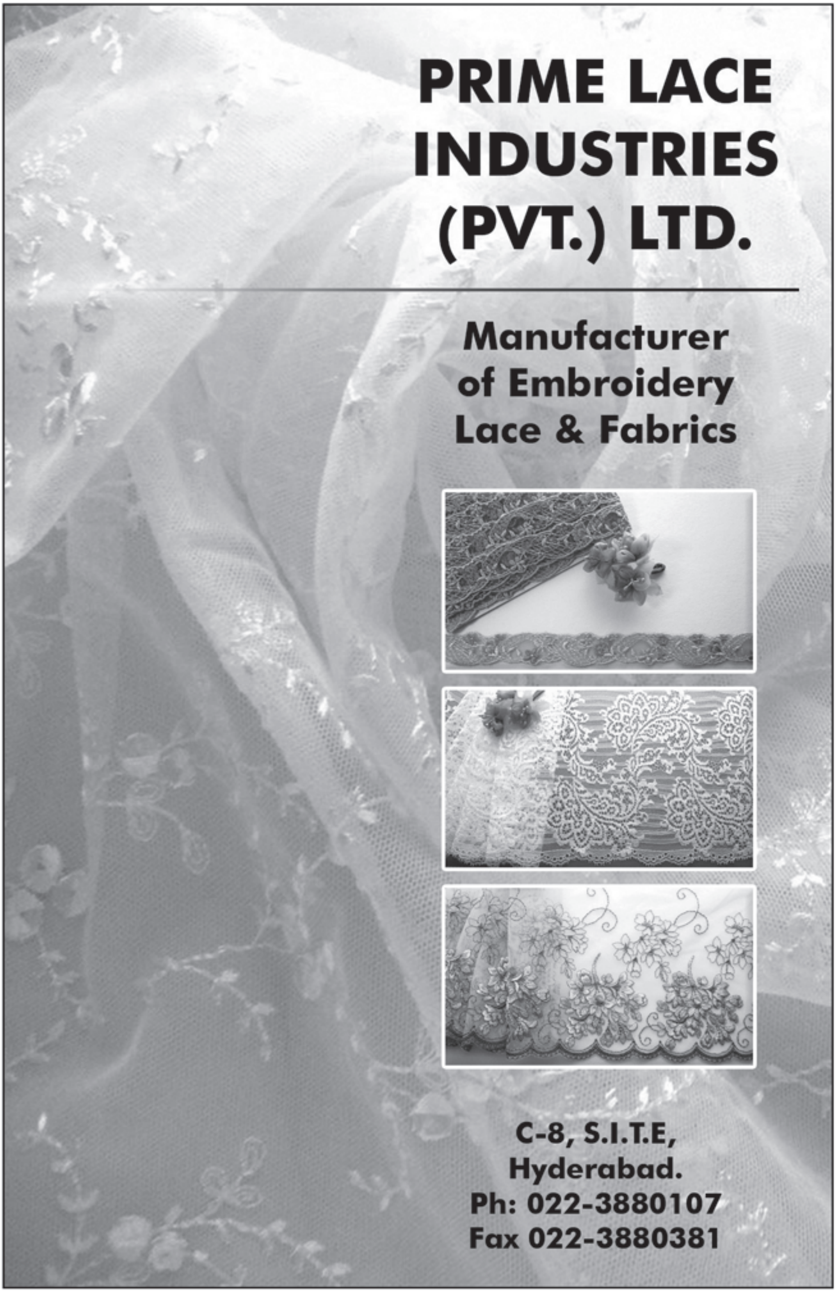
PRIME LACE
INDUSTRIES
(PVT.) LTD.
Manufacturer
of Embroidery
Lace & Fabrics
C-8, S.I.T.E,
Hyderabad.
Ph: 022-3880107
Fax 022-3880381

موجودہ علمی دور میں یہ سوال بڑی اہمیت اختیار کر گیا ہے کہ آدمی کیا ہے اور اس کی صلاحیتوں کی حد کہاں تک ہے؟ تخلیقی فارمولوں کا علم بتاتا ہے کہ آدم زاد کے ہزاروں روپ ہیں، بظاہر وہ خاک کا پتلا ہے، میکانیکی حرکات پر مبنی گوشت پوست، خون اور ہڈیوں کا ایک پیکر ہے۔ اس کے اندر ایک پوری کیمیائی دنیا آباد ہے۔ اطلاعات و پیغامات پر آدمی کی زندگی رواں دواں ہے۔ آدمی خیال و تصور کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ اس کی ہر حرکت خیال اور تصور کے تابع ہے۔ دنیائے انسانیت کے تمام کارنامے خیال، تصور اور تخیل کی غیر مرئی طاقت کے گرد گھوم رہے ہیں۔ آدم زاد خیال کے اندر مختلف معانی پہنا کر نئی نئی جلوہ سامانیاں ظہور میں لے آتا ہے۔ آدمی کے شعور نے ایک بچہ کی طرح نشو ونما پائی ہے۔ جب بچہ اس دنیا میں آنکھیں کھولتا ہے تو دنیاوی اعتبار سے اس کی شعوری استطاعت ناقابل ذکر ہوتی ہے۔ پھر وہ صغرسنی اور طفولیت 1* کا زمانہ گزار کر لڑکپن میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس کی دماغی صلاحیت پہلے کی نسبت زیادہ ہوتی ہے۔ طبعی اعتبار سے جب وہ جوان ہوتا ہے تو اس کی ذہنی اور جسمانی صلاحیتیں عروج پر ہوتی ہیں۔ اسی طرح نوع آدم کا شعور بھی آہستہ آہستہ ترقی کر کے موجودہ دنیا تک پہنچا ہے۔ دنیا میں جتنی بھی ترقی ہو چکی ہے اس کے پیش نظر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ دور علم و فن اور تسخیر کائنات کے شباب کا دور ہے۔ انسانی ذہن میں ایک لامتناہی وسعت ہے جو ہر لمحہ اسے آگے بڑھنے پر مجبور کر رہی ہے۔ تخلیق و تسخیر کا ایک عظیم الشان ذخیرہ ابھی مخفی 2* ہے۔ صلاحیتوں کا ایک حصہ منصۂ شہود 3* پر آچکا ہے۔ لیکن انسانی انا کی ان گنت صلاحیتیں اور صفات ایسی ہیں جو ابھی مظہر 4* خفی سے مظہر جلی میں آنے کے لئے بے قرار ہیں۔

تمام تجربات، مشاہدات اور محسوسات کا ماخذ ذہن ہے۔ جتنی ایجادات انسان سے صادر ہوتی ہیں ان کو بھی ذہن کی کارفرمائی سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ جب انسان غور و فکر کرتا ہے تو ذہن میں وسعت پیدا ہوتی ہے اور کسی کلیے یا کسی نئے علم کا انکشاف ہو جاتا ہے۔

انسانی ذہن ہزاروں سال پہلے بھی ایک معمہ تھا اور آج کے سائنسی دور میں بھی ایک معمہ ہے۔ آج ہمارے پاس پہلے سے کہیں زیادہ علمی اور تجرباتی ذرائع

1* بچپن، 2* چھپا ہوا، 3* منظر کشی، 4* غیب سے ظاہر

موجود ہیں جن کی مدد سے نئی نئی وضاحتیں دانشوروں کے سامنے آرہی ہیں۔

ایک پرت کی ادھیڑ بن کی جاتی ہے تو دوسرا پرت سامنے آ جاتا ہے۔ دوسرے پرت کو اچھی طرح نہیں دیکھ پاتے کہ ایک نیا زون کھل جاتا ہے۔ سائنس دانوں اور علم النفس کے ماہرین کا اندازہ ہے کہ انسان ابھی تک اپنی صلاحیتوں کا پانچ سے دس فیصد بھی استعمال کرنے پر قادر نہیں ہو سکا۔ باقی قوتیں اس کے اندر خوابیدہ 5* ہیں۔ گویا نوع انسان نے اب تک جو ترقی کی ہے وہ صرف پانچ سے دس فیصد صلاحیتوں کے استعمال کا ثمرہ ہے۔

ان معروضات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ موجودہ دور کی علمی کامیابیاں جن میں علم طب، علم حیوانات و نباتات، جینیات، طبیعیات، کیمیا، برقیات، تغیرات، سائیکلوجی، پیراسائیکلوجی اور دیگر علوم و فنون شامل ہیں، یہ سب انسانی صلاحیتوں کے عکس ہیں۔ لیکن جب ہم ان علمی و فنی کامیابیوں کو دیکھتے ہیں تو یہ بات ہمارے ذہن میں بہت کم آتی ہے کہ یہ ہماری ذہنی قوتوں کے مظاہر ہیں جو قدرت نے ہمارے اندر محفوظ کر رکھی ہیں۔

نفس و دماغ سے متعلق روز افزوں انکشافات سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ انسان کا وجود دو حصوں میں منقسم ہے۔ ایک حصہ اس کی خارجی دنیا ہے اور دوسرا حصہ اس کے داخل میں واقع ہونے والی تحریکات ہیں۔ انسانی نفس کے یہ دونوں حصے ایک دوسرے سے گہرا رشتہ رکھتے ہیں۔ ہر دور میں یہ بات کسی نہ کسی صورت میں سامنے آتی رہی ہے کہ انسان صرف جسمانی حرکات اور خارجی کیفیات کا نام نہیں ہے۔ انسان کے اندر ایک دائرہ مادی تحریکات سے آزاد ہے اور اسی دائرے سے تمام خیالات و افکار مادی دائرے کو ملتے ہیں۔ یہ دائرہ اصل انسان ہے اور اسے عرف عام میں ''روح'' کہا گیا ہے۔ اہل روحانیت نے اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ اگر آدمی اپنے قلب، اپنے من کے اندر سفر کرے تو اس کے اوپر روح کی قوتوں کا انکشاف ہو جاتا ہے۔

تمام آسمانی صحائف نے انسان کی غیر معمولی صفات کا تذکرہ کیا ہے۔ کتب سماوی 6* کے مطابق انسان بظاہر گوشت پوست سے مرکب ہے۔ لیکن اس کے اندر ایسی انرجی، یا ایسا جوہر کام کر رہا ہے جو خالق کی صفات کا عکس ہے۔ اس جوہر کو روح کا نام دیا گیا ہے اور اسی روح کے ذریعے انسان کو کائناتی علوم حاصل ہیں۔

آسمانی کتابوں نے انسان کی تمام حسیات اور واردات کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے اور انہیں آفاق و انفس کہا ہے۔ آفاق ان مادی مظاہرات کا نام ہے جو خارج میں نظر آتے ہیں جب کہ انفس ان خدوخال کا مجموعہ ہے جو کائنات کی داخلی زندگی ہے۔ انفس کے

5* سوئی ہوئی، 6* آسمانی کتابوں

بارے میں انسانی علم ابھی تکمیل و ترقی کے ابتدائی مراحل میں ہے۔ چند سو سال پہلے علوم طبعی کے انکشافات و تجربات سحر و طلسم کی حیثیت رکھتے تھے اور ان پر بے یقینی اور پراسراریت کے پردے پڑے ہوئے تھے لیکن آج ہم ان علوم سے حقیقت ثابتہ کی طرح روشناس ہیں۔ فی زمانہ یہی حال روح یا نفس کے علوم و حقائق کا ہے۔

انسان کے اندر پانچ حواس بصارت، سماعت، گفتار، شامہ اور لمس کام کرتے ہیں۔ ان میں سے ہر حس کی ایک تعریف اور ایک دائرہ عمل ہے۔ کوئی حس ایک حد سے باہر عمل نہیں کرسکتی۔ مثلاً ہم آنکھوں سے چند میل زیادہ دور نہیں دیکھ سکتے، کانوں سے ایک خاص طول موج سے کم یا زیادہ کی آوازیں نہیں سن سکتے۔ کسی چیز کے قریب جائے بغیر اسے چھو نہیں سکتے۔

انسان کے یہ پانچوں حواس مادی رخ میں محدود ہیں لیکن روحانی دائرے میں لامحدود ہیں۔ حواس کا روحانی دائرہ عام طور پر مخفی رہتا ہے۔ اس دائرہ میں بصارت، فاصلے کی پابندی سے آزاد ہو جاتی ہے۔ کان ہر طول موج کی آوازیں سن سکتے ہیں۔ قوت بیان الفاظ کی محتاج نہیں رہتی۔ انسان گفتگو کئے بغیر کسی کے خیالات جان سکتا ہے اور اپنے خیالات اس تک پہنچا سکتا ہے۔

انسانی صلاحیتوں کا اصل رخ اس وقت حرکت میں آتا ہے جب روحانی حواس متحرک ہو جاتے ہیں۔ یہ حواس ادراک و مشاہدات کے دروازے کھولتے ہیں جو عام طور سے بند رہتے ہیں۔ انہی حواس سے انسان آسمانوں اور کہکشانی نظاموں میں داخل ہوتا ہے۔ غیبی مخلوقات اور فرشتوں سے اس کی ملاقات ہوتی ہے۔

انسان کی مادی زندگی میں بے شمار صلاحیتیں کام کرتی ہیں۔ یہ سب شعوری صلاحیتیں ہیں۔ مثلاً محسوس کرنا، سننا، سونگھنا، دیکھنا، چکھنا، بولنا، چھونا، پکڑنا، چلنا، سونا اور بیدار ہونا وغیرہ۔ اس ضمن میں بہت سے علوم وفنون بھی آجاتے ہیں مثلاً مصوری، کتابت، طباعت، تکنیکی علوم، موسیقی، ادب، شعر و شاعری، تاریخ، سائنس اور دھات سازی وغیرہ۔

جب کوئی شخص کسی صلاحیت کو حاصل کرنا چاہتا ہے تو وہ اس صلاحیت سے ناواقف ہوتا ہے لیکن جب وہ صلاحیت سے استفادہ کرنے کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو ذوق و شوق اور استعداد کے مطابق اس کے اندر صلاحیت بیدار اور متحرک ہوجاتی ہے۔

صلاحیت کو متحرک کرنے میں توجہ بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ اگر ایک شخص کسی صلاحیت کو بیدار کرنے کی طرف متوجہ نہ ہو تو وہ کامیابی حاصل نہیں کرسکتا۔ توجہ ارادی ہو یا غیر ارادی اس کا موجود ہونا ضروری ہے۔ کسی علم یا کسی صلاحیت کو حاصل کرنے کے لئے جو کوشش کی جاتی ہے فی الواقع اس کا کام بھی توجہ کو اپنے ہدف پر قائم رکھنا ہے۔

توجہ کے اصول کا اطلاق روحانی صلاحیتوں پر بھی ہوتا ہے۔ چونکہ ہم روحانی صلاحیتوں سے ناواقف ہیں اس لئے اس طرف متوجہ ہی نہیں ہوتے اور جب تک کوئی شخص اپنی روحانی قوتوں کو بیدار کرنے کے لئے اندرونی تحریکات کی طرف ذہن نہ لگائے اس کی روحانی صلاحیتیں حرکت میں نہیں آتیں۔

یہ بات سب جانتے ہیں کہ جب تک ذہنی یکسوئی کے ساتھ کام نہ کیا جائے صحیح نتیجہ مرتب نہیں ہوتا۔ چاہے وہ دنیاوی کام ہو یا دینی اور روحانی علوم کا حصول ہو۔ علم کی تحصیل کے لئے ایسا ماحول ضروری ہے جس میں ذہنی انتشار کم سے کم ہو۔ جب ہم کامل توجہ کے ساتھ تحصیل علم میں مصروف ہوتے ہیں تو اچھے نتائج سامنے آتے ہیں۔ اگر ایسے حالات کا سامنا ہو جن سے ذہن بار بار بھٹکتا رہے تو صلاحیت ہونے کے باوجود بحسن وخوبی علوم کی تکمیل نہیں ہوتی۔

ارتکاز توجہ 7* ذہن کو ایک مرکز پر لانے کا نام ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ دیر تک توجہ ایک نقطہ پر یا ایک خیال پر قائم رہے۔ ارتکاز توجہ کے ذریعے ذہن کے اندر کی بکھری ہوئی قوتیں جمع ہو کر باہر آ جاتی ہیں۔ روح کے لاشمار عکس، ان گنت قوتیں اس لئے خوابیدہ 8* رہتی ہیں کہ ارتکاز توجہ کی طاقت ماورائی صلاحیتوں کو بیدار کرنے میں استعمال نہیں ہوتی۔

جذبات، خیالات اور تقاضوں کے زیر اثر ذہن ایک حالت سے دوسری حالت اور ایک کیفیت سے دوسری کیفیت میں منتقل ہوتا رہتا ہے۔ وہ کسی ایک چیز پر ٹھہرتا نہیں ہے۔ خیالات کی یلغار سے انسان کو ان مقامات کا ادراک نہیں ہوتا، جو اس کی اصل ہیں۔

مثال:

ریڈیو اسٹیشن سے نشریات لہروں کے ذریعے فضا میں منتقل ہو جاتی ہے۔ ان لہروں کی مخصوص فریکونسی ہوتی ہے۔ مختلف جگہوں پر ریڈیو سیٹ جو دراصل ریسیور ہیں، ان لہروں کو وصول کرتے ہیں، وصول کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ریڈیو سرکٹ کی فریکونسی وہی ہو جو نشریاتی لہروں کی ہے۔ جب دونوں فریکونسی یکساں ہو جاتی ہیں تو ریسیور آواز کو پکڑ لیتا ہے۔

دنیا کے مختلف اسٹیشن اپنے پروگرام الگ الگ فریکونسی پر نشر کرتے ہیں۔ ہم جس اسٹیشن کی نشریات سننا چاہتے ہیں۔ اس کی فریکونسی کو سیٹ کر کے سن لیتے ہیں۔ اگر فریکونسی میں یکسانیت نہ ہو تو آواز موصول نہیں ہوتی۔ اسی طرح اگر درمیان میں رکاوٹیں یا مزاحمت ہو تو بھی آواز صاف سنائی نہیں دیتی۔

ٹی وی میں آواز کے ساتھ تصویر بھی نشر ہوتی ہے۔ مختلف چینل پر ہم نشریات کو نہ صرف سنتے ہیں بلکہ اسکرین پر تصویری صورت میں دیکھتے بھی ہیں۔

آدمی کا شعور دراصل ریسیور ہے۔ ذہن کی انتہائی گہرائی میں موجود مرکز یا منبع کی اطلاعات مختلف صورتوں

7* ذہنی یکسوئی، 8* سوئی ہوئی

میں شعور کی اسکرین پر نشر ہوتی ہیں۔ بعض اطلاعات مناظر کی شکل میں ڈسپلے ہوتی ہیں، کچھ تصور کی ہیئت میں اور بعض خیال کی نوعیت میں سامنے آتی ہیں، دیگر آواز کے ذریعے حاصل ہوتی ہیں۔

یہ بات ہم سب کے تجربے میں ہے کہ خیالات ہمارے اختیار کے بغیر ذہن میں وارد ہوتے رہتے ہیں۔ کوئی لمحہ ایسا نہیں گزرتا جب ذہن میں کوئی خیال نہ ہو۔ بھوک پیاس کا تقاضہ بھی خیال ہے۔ سونے جاگنے کا رجحان بھی خیال ہے۔ خوشی، غم اور دیگر جذبات بھی خیالات ہیں۔ نہ صرف خیالات وتصورات بلکہ سماعت، بصارت، شامہ اور لمس بھی اطلاع کے علاوہ کچھ نہیں ہیں۔ ہماری پوری زندگی خیالات کے گرد گھوم رہی ہے اور جب دماغ میں خیالات کی تشکیل کا عمل ختم ہو جاتا ہے تو جسم پر موت وارد ہو جاتی ہے۔

جب تک ہمارے شعور میں دفتر جانے کا خیال وارد نہ ہو ہم دفتر کی طرف قدم نہیں بڑھا سکتے۔ کوئی شخص مکان تعمیر کرنا چاہتا ہے تو سب سے پہلے اس کے ذہن میں یہ خیال وارد ہوتا ہے کہ مجھے مکان بنانا چاہئے۔ اس خیال میں جب حرکت پیدا ہوتی ہے تو وہ کوشش شروع کرتا ہے۔ سرمایہ اکٹھا کرتا ہے، ان لوگوں سے رجوع کرتا ہے جو مکان بنانے کا علم رکھتے ہیں۔ جب ہماری فکر یکسوئی کے ساتھ اپنے نقطہ ذات یا منبع اطلاعات کی طرف صعود کرتی ہے تو درجہ بدرجہ اسے ایسی

اِرتکازِ توجّہ

یہ بات سب جانتے ہیں کہ جب تک ذہنی یکسوئی کے ساتھ کام نہ کیا جائے صحیح نتیجہ مرتب نہیں ہوتا۔ چاہے وہ دنیاوی کام ہو یا دینی اور روحانی علوم کا حصول ہو۔ ارتکاز توجہ ذہن کو ایک مرکز پر لانے کا نام ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ دیر تک توجہ ایک نقطہ یا ایک خیال پر قائم رہے۔

اطلاعات کا مشاہدہ ہوتا ہے جو عام طور پر حواس کی گرفت میں نہیں آتیں۔

یہ انکشاف ایک نئی اطلاع ہوتی ہے۔ سائنسدان یا موجد جب تک لاشعور میں داخل نہ ہو تو اسے کوئی نئی بات معلوم نہیں ہوتی۔ پہلے موجد کے ذہن میں کسی ایجاد سے متعلق کوئی خیال آتا ہے اور اسکا ذہن اس خیال میں مرکوز ہو جاتا ہے۔ جوں جوں ذہن خیال کی گہرائی میں سفر کرتا ہے اسی مناسبت سے خیال میں وسعت پیدا ہوتی رہتی ہے خیال اور نقش ونگار کی داغ بیل پڑ جاتی ہے۔ نتیجے میں وہ چیز مظہر بن کر سامنے آجاتی ہے مثلاً انسان کے ذہن میں پرندے کو اڑتا دیکھ کر یہ خیال آیا کہ اسے بھی فضا میں پرواز کرنی چاہئے۔ سائنسدان نے پہلے پہل پرندے کے پر جوڑ کر بازو پر باندھے اور اڑنے کی کوشش کی لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ رفتہ رفتہ پرواز کے قوانین منکشف ہونے لگے۔ وہ ایسی مشین

بنانے میں کامیاب ہوگیا جو فضا میں پرواز کرتی ہے۔

بچے کا شعور بالغ شخص کے شعور سے الگ ہوتا ہے۔

بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو وہ اپنے ماحول کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔ اس کی بصارت کسی شئے پر ٹھہرتی ہے اور نہ سماعت ماحول کی آوازوں میں معانی پہنا سکتی ہے۔ وہ بول سکتا ہے اور نہ ہی فاصلے اور وقت کے احساسات اس کے اندر کارفرما ہوتے ہیں۔ آہستہ آہستہ بچہ وہ سب کچھ سیکھ جاتا ہے جو اس کے ماحول میں رائج ہے۔

لیکن ایک بڑا حصہ وہ علم ہے جو ماحول کے افراد سے غیر ارادی طور پر اس کے اندر منتقل ہو جاتا ہے۔ بچہ مادری زبان بغیر کسی تعلیم کے سمجھنے اور بولنے لگتا ہے۔ اسی طرح وہ ماحول میں موجود اشیاء کے معانی اور ان کا استعمال بھی سمجھنے لگتا ہے۔ انتہا یہ کہ ایک بچہ کم و بیش وہی کچھ دیکھتا، سمجھتا اور محسوس کرتا ہے جو اس کے بزرگوں کا علم اور شعور ہے۔

شعور کو آئینے سے تشبیہ دی جا سکتی ہے جس پر روشنیوں کا عکس پڑتا ہے اور شعور اپنے علم و دلچسپی کی بدولت مخصوص روشنیوں کو جذب کر لیتا ہے۔ جن روشنیوں کو شعور جذب کرتا ہے وہ شعور کے پردے پر رک جاتی ہیں۔ آدمی انہیں دیکھتا اور محسوس کرتا ہے۔ لیکن جو روشنیاں شعور کے پردے میں سے گزر جاتی ہیں آدمی انہیں نہیں دیکھتا۔

☆☆☆

وقار دواخانہ

عظیمی دواخانہ،
عظیمی لیبارٹریز (کراچی)
کی سربمہر ہربل پروڈکٹس
(ادویات) اور خالص شہد
دستیاب ہے۔

•

رنگ و روشنی سے تیار کردہ تیل،
شیمپو اور ایمپیول دستیاب ہیں۔

•

نیز رنگ و روشنی سے پانی تیار کرنے
کیلئے رنگین بوتلیں بھی دستیاب ہیں۔

حکیم محمود

C-687 ملت ٹاؤن، فیصل آباد
برائے رابطہ:
0321-6696746
0313-8766190
0300-2827867

رنگ و روشنی سے علاج کا ارتقائی جائزہ

کروموتھراپی ایک ایسا طریقہ علاج ہے جس میں برقی مقناطیسی شعاعوں کے رنگ دار حصّے کی مختلف طول موج (Wave length) کو بیماری کے علاج کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ صدیوں پرانا نظریہ ہے اس مضمون میں ہم نے اس بات پر توجہ مرکوز کی ہے کہ ماضی میں اس طریقہ علاج سے کس طرح فائدہ اٹھایا جاتا رہا ہے اور مزید یہ کہ اس کی پرانی طرزوں کو سامنے رکھتے ہوئے، تمام تخلیقی زاویوں کو پرکھتے ہوئے موجودہ دور کی تحقیق سے ملایا جائے۔ اس study میں چارج کوانٹائزیشن (Charge quantization) کی ایک نئی تھیوری بھی پیش کی گئی ہے جس کی رَو سے پانی میں رنگوں کے انجذاب کو کوانٹم فزکس کے اصولوں پر سمجھنے میں مدد ملتی ہے اور ایک ایسی تھیوری کی بنیاد پر ایک Recursine relationship بھی واضع کیا گیا جو مستقبل کے سائنسدانوں کو ایک نئی جہت فراہم کرتا ہے۔

مفروضہ:

نیوٹن کے نظریات سے ہمیں ٹھوس مادّے اور چلتے ہوئے انسان جو کہ زمینی کششِ ثقل کے زیرِ اثر ہیں، سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ آئن سٹائن نے بھی اپنی مشہورِ زمانہ توانائی کی مساوات E=mc(2) سے ثابت کیا ہے کہ مادّہ اور توانائی ایک دوسرے سے باہم مطابق ہیں۔ اس بات کو سمجھنے کے لئے ہمیں یہ بات بھی سمجھنا ہو گی کہ اصل میں روشنی کیا ہے۔ روشنی سائنسی زبان میں دراصل ایسی برقی مقناطیسی شعاعیں ہیں جو کہ کائنات میں موجود برقی اور مقناطیسی فیلڈ کے ارتعاش سے وجود میں آتی ہیں۔ مزید یہ کہ روشنی توانائی ہے اور رنگ، روشنی اور مادّے کے ٹکراؤ سے وجود میں آتے ہیں۔ ہر رنگ کی ایک مخصوص فریکوئنسی طول موج (Wave length) اور معیّن توانائی کی مقدار ہوتی ہے۔ انسانی آنکھ تقریباً 380nm سے 780nm کی طول موج کو پہچان اور دیکھ سکتی ہے۔ یہ محدود رینج ہی رنگ کہلاتی ہے۔

نیوٹن کے مادّی نظریہ کا اطلاق جدید طب پر بھی کیا گیا ہے جس کی رو سے ظاہری جزو کے ذریعے کُل کو سمجھا جاسکتا ہے اور علاج کیا جاسکتا ہے۔ آئن سٹائن کے خیالات اور نظریات جسمِ انسانی کو کیمیائی طور پر علیحدہ علیحدہ سمجھنے کی بجائے ایک مربوط نظام کے تحت کائناتی توانائی سے منسلک کرتے ہیں، اگر ہم کروموتھراپی یا ارتعاشی طریقہ علاج کو سمجھنا چاہیں تو ہمیں توانائی کی

مختلف فیلڈز (جو کہ اپنے اطراف کی توانائی کے ساتھ ساتھ سیلولر عناصر اور غیر ماڈی توانائیوں کے ساتھ بھی ایک مربوط تعلق رکھتی ہیں) پر انحصار کرنا ہوگا۔

نظریہ رنگ ونور کے مطابق ہر تخلیق روشنی کے غلاف میں بند ہے جو اس کی طبعی حالت پر اثرا نداز ہوتی ہے۔کروموتھراپی کے قانون کے مطابق انسانی جسم دراصل رنگوں کا مجموعہ ہے۔ یہ رنگوں سے متاثر ہوتا ہے اور رنگ ہی جسم کے درست افعال کے ذمہ دار ہیں۔تمام اعضاء اور توانائی کے مراکز اپنی مخصوص فریکوئنسی پر ارتعاش کرتے ہیں۔جب جسم کے مختلف اعضاء ان مخصوص فریکوئنسی پر ارتعاش نہیں کرتے تو جسمِ انسانی میں بیماری ظاہر ہونا شروع ہوتی ہے۔یا کم از کم جسم اپنی روٹین سے ہٹ جاتا ہے۔ رنگ بیمار خلیوں کے لئے اکسیر کا درجہ رکھتے ہیں۔

رنگ برقی مقناطیسی لہروں کا ایک مخصوص اور محدود حصہ ہیں جن کو ظاہری نگاہ دیکھ سکتی ہے۔رنگ برقی اور مقناطیسی لہر پیدا کرتے ہیں جو کہ بنیادی طور پر جسم میں بائیو کیمیکل یا ہارمونز کے کام کرنے کے طریقہ کار کی شروعات میں مدد دیتے ہیں۔ یہ جسم کا نظام تیز کرنے یا دھیما کرنے میں بھی مدد دیتے ہیں۔

کروموتھراپی کی تاریخ (ماڈی نظریہ):

کروموتھراپی صدیوں پرانا طریقہ علاج ہے۔روشنی سے علاج کا طریقہ یعنی فوٹوتھراپی قدیم یونان، چین اور انڈیا میں بھی رائج تھا،قدیم مصر میں سورج کو بیماری سے علاج کے لئے شفاء بخش مانا جاتا تھا رنگوں کو دوا کے طور پر قریباً 200 سال قبلِ مسیح مفید بتایا گیا ہے۔لیکن سائنس اس دور میں رنگوں کی شفاء بخش تاثیر کے بارے میں مکمل خاموش ہے۔

قدیم یونانی طریقہ علاج کے مطابق کروموتھراپی (God Thoth) کا دریافت کردہ طریقہ علاج تھا۔قدیم یونانی طبّی علاج کا ماہر چراکا (تقریباً چھٹی صدی قبل مسیح) نے بھی سورج سے علاج کو تجویز کیا تھا۔قدیم یونان (Greece) میں بھی رنگ کا ظاہری کردار غالب رہا۔مختلف آئل، رنگین پتھر، مرہم وغیرہ ان کے استعمال میں رہے۔ یہ لوگ رنگوں سے پیدا شدہ کیمیائی تبدیلیوں سے ناواقف تھے۔تاہم ان کو رنگوں کی شفاء بخش تاثیر پر پختہ یقین تھا۔ یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ اس زمانے میں بھی وہ رنگوں کے دونوں طریقہ علاج یعنی بالواسطہ اور بلاواسطہ طریقہ علاج سے واقفیت رکھتے تھے، بالواسطہ طریقہ علاج میں وہ پلاسٹیسین (Plastseen)، آئنٹمنٹ (Ointment) یا جیل (Gel) وغیرہ اور رنگین پتھر استعمال کرتے تھے جبکہ بلاواسطہ طریقہ علاج میں سورج سے روشنی براہِ راست جسم پر ڈالی جاتی تھی۔لیکن ان کے طریقہ علاج میں پانی کا بطور میڈیم تذکرہ نہیں ملتا۔جبکہ بعد کے ادوار میں اس طریقہ کو جس میں پانی بطور میڈیم

استعمال ہوا کافی مفید پایا گیا Avicenna نے (980 AD) میں اس طریقہ علاج کو کافی ترقی دی۔ اس نے ایک چارٹ ترتیب دیا جس میں رنگ کو درجہ حرارت اور جسم کے مادّی نظام سے جوڑا گیا تھا۔

انیسویں صدی کے نظریات اور پریکٹس:

(Pleasenten) پلیسنٹن نے 1876 میں صرف نیلا رنگ بطور علاج استعمال کیا اور بتایا کہ نیلے رنگ میں ابتدائی طبی امداد کی خوبیاں موجود ہیں۔اس نے اس رنگ کو زخموں، جلے ہوئے حصّوں اور درد میں استعمال کیا۔اس نے نہ صرف انسانوں پر تجربات کئے بلکہ پودوں اور جانوروں کو بھی تجربات میں شامل کیا۔اس نے جانوروں میں پیدائش (Fertility) بڑھانے کے لئے بھی نیلا رنگ استعمال کیا۔

Edwin Babbit 1862-1939 عیسوی نے پچھلے ادوار میں کئے گئے کاموں کے تسلسل کو جاری رکھا بلکہ مزید سائنسی طریقوں پر آگے بڑھایا۔

اس نے مزید واضح کیا کہ تمام جسمانی اعضاء جلد سے خون کی نالیوں، کیپلریز اور وریدوں کے ذریعے براہِ راست تعلق رکھتے ہیں اور مختلف رنگ خون میں موجود فاسد مواد کے اخراج اور سرکولیشن کے ذریعے ان اعضاء کو براہِ راست متاثر کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ Babbit نے مخصوص آلات بنائے جن میں سب سے زیادہ شہرت ایک سپیشل کیبنٹ جس کو Thermolume کا نام دیا گیا کو ملی جسکے ذریعے مختلف رنگوں اور روشنی کے ذریعے مختلف Filters کی مدد سے جسم کے مختلف حصّوں پر براہِ راست روشنی ڈالی جاتی Babbit نے پانی کو بطور میڈیم بھی استعمال کیا۔

بیسویں صدی اور رنگوں کی تھیوری:

1927 میں غریالی نے رنگوں کے طریقہ علاج کے سائنسی اصول دریافت کئے کہ کس طرح اور کیسے مختلف رنگوں سے مختلف بیماریوں کا علاج ممکن ہے اس کی کتاب Spectrochrome encyclopedia میں یہ اصول مفصل درج کئے گئے۔

رائج الوقت سائنسی نظریہ جس میں عنصر کو ایک وحدت کے طور پر مانا جاتا ہے غریالی نے اس نظریہ کے دوسرے زاویے (یعنی کیمیائی عناصر دراصل رنگ ہیں) پر زیادہ زور دیا۔اس نظریہ کی رو سے ہر بیماری جسمِ انسانی میں رنگوں کے غیر متوازن ہونے کا نام ہے۔اگر کسی بیماری میں مخصوص رنگ کی کمی یا زیادتی کو پورا کرلیا جائے تو جسمِ انسانی دوبارہ فعال کردار ادا کرنے کے قابل ہوجاتا ہے۔

کلاشے (clatche) نے اسی کام کو بڑھاتے ہوئے کہا کہ رنگ ہی دراصل ایسے کیمیکل عناصر ہیں جو کہ Non-toxic طریقہ سے جسم میں بائیو کیمیکل ضروریات پوری کر سکتے ہیں۔انیسویں صدی کے دوران سائنس کا زاویہ فکر زیادہ تر توانائی کے بجائے

ماڈے میں تحقیق پر رہا۔ جیسے ہی طبی طریقہ علاج سائنسی زمرے میں آنے لگے اور جسم انسانی کے علاج میں ترقی ہونے لگی اور سرجری اور جراثیم کش ادویات کے بارے میں زیادہ آگاہی ہوئی اسی مناسبت سے رنگ اور اس کی افادیت میں سائنسدانوں کی دلچسپی کم سے کم ہوگئی۔

کروموتھراپی کے مزید نظریات:

کلاشے (clatche) نے کروموتھراپی پر مفصل بحث کرتے ہوئے اسے مختلف بیماریوں میں استعمال کیا۔ اس نے ''یک رنگ'' اور رنگوں کے مجموعے سے بھی علاج کئے۔ اس نے آئن اسٹائن کے ماڈہ اور توانائی کی مشہور زمانہ مساوات E=mc (2) کو رنگوں سے براہِ راست منسلک کیا۔ جس کی مدد سے اس نے ثابت کیا کہ ماڈی وجود کے اوپر روشنیوں کا جسمِ مثالی اورا'' Aura ہی توانائی کا مرکز ہے۔ کلاشے کے یہاں بھی پانی کروموٹائیز ہوتا رہا لیکن کلاشے (clatche) کے پانی بنانے کے طریقے میں پانی کے اندر چارج محفوظ نہیں رہتے تھے۔

جناب خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب کی معرکتہ الآرا کتاب ''کلر تھراپی'' میں رنگ وروشنی سے علاج پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ بیماریوں کے علاج اور کلر تھراپی کے اصولوں کو مفصل بیان کیا گیا ہے۔

خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب کی کتاب کلر تھراپی میں رنگین پانی بنانے کا طریقہ کار سب سے موثر پایا گیا۔ اس ریسرچ کے دوران جو Sample تیار کئے گئے وہ انہی کی Methodology کو سامنے رکھتے ہوئے تیار کئے گئے اور پانی بنانے کے اس ہی طریقہ کار کی بنیاد پر ایک نئی تھیوری Theory of Charge Quantization پیش کی گئی۔ یہ کتاب بلاشبہ نئے آنے والے تحقیق دانوں کے لئے ایک مشعل راہ ہوگی۔

رنگوں کا غیر ماڈی پہلو:

Metaphysical View Of Colours

نظریہ رنگ ونور کے مطابق ہر تخلیق کے گرد برقی مقناطیسی توانائی کا ایک ہالہ ہوتا ہے جس کو اب سائنس دان ''اورا'' (Aura) کا نام دیتے ہیں۔ یہ ہمارے جسم کو صحت مند رکھنے کا ذمہ دار ہے، اس نظریے کی رو سے یہ بات درست نہیں کہ ماڈی جسم ہی اصل ہے بلکہ اس کو سنبھالنے والی روشنیاں ہی دراصل جسم میں صحت کا منظم نظام برقرار رکھے ہوئے ہیں۔

انڈین ریسرچر جے۔ ایم شاہ نے روسی سائنسدانوں کے ساتھ مل کر ''اورا'' (Aura) پر کافی کام کیا اور یہ بات واضح کی کہ بیماری دراصل سب سے پہلے ''اورا'' (Aura) میں تقریباً 6 سے 8 ماہ قبل ظاہر ہوتی ہے اور اس کے بعد ماڈی وجود اس سے متاثر ہوتا ہے۔ اگر کرلین فوٹوگرافی (Kirlian Photo Graphy) کی مدد سے انسانی جسم کی تصاویر لے لی جائیں تو بیماری کی بروقت تشخیص میں مدد مل سکتی ہے اور کرلین فوٹوگرافی

(Kirlian Photo Grapy) کی مدد سے بیماری کو براہِ راست ''اورا'' (Aura) میں بھی دور کیا جاسکتا ہے۔

جے۔ایم شاہ (J.M.Sha) نے آئن سٹائن کی یہ تحریر اپنے مضمون Divine healing میں اس طرح کی ہے کہ:

''اگر ہم مادّہ 'm' ہوں اور ہم انتہائی طاقتور برقی مقناطیسی توانائی کے ہالے میں موجود ہوں تو ہم بھی آہستہ آہستہ مادّہ سے توانائی میں منتقل ہوجائیں گے اور توانائی کی شکل میں ہم شعور کی رفعتوں کو پاسکتے ہیں اور ہم توانائی کے بہاؤ پر کنٹرول کرسکتے ہیں اس طرح ہم ٹائم اور اسپیس کی محدود وقید میں نہیں رہیں گے۔اس طرح ہم اپنے ماضی میں بھی سفر کرسکتے ہیں اور ہم دوبارہ توانائی سے ماڈی دنیا کی طرف بھی لوٹ سکیں گے۔ آئن سٹائن کی اسی منطقی بحث کے بعد تحقیق دانوں کے لئے برقی مقناطیسی توانائی کے ہالے کے زاویے پر نئی تحقیق کے دروازے کھلتے ہیں۔

یہ برقی مقناطیسی ہالہ بھی ایک مخصوص جیومیٹریکل پیٹرن کے ساتھ ہر تخلیق کے اردگرد موجود ہوتا ہے۔آج کے دور کے عظیم روحانی سائنسدان اور محقق نظریہ رنگ ونور جناب خواجہ شمس الدین عظیمیؔ صاحب نے بھی یہ بات فرمائی کہ ''ہر تخلیق پر روشنی کا ایک غلاف ہے اور یہ غلاف گراف کی شکل میں ہے یہ نظریہ ہمیں تفکر کی ایک نئی جہت میں داخل کرتا ہے۔

چارج کوانٹائزیشن کا نظریہ:

Theory of Charge Quantization

رنگوں پر کی گئی تحقیق کے مختصر جائزے کے بعد یہ بات سامنے آئی کہ رنگ وروشنی پر علاج صدیوں پرانا طریقہ علاج ہے اب ضرورت اس بات کی ہے کہ اس طریقہ علاج کو آج کے دور سے کیسے ہم آہنگ کیا جائے کہ یہ ایک متروک طریقہ علاج ہی نہ رہ جائے بلکہ اس میں سائنس کی روح پھونکی جائے تاکہ اس میں تحقیق کے نئے درواہوسکیں۔

اس کوشش کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور عظیم روحانی سائنسدان اور محقق نظریہ رنگ ونور خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب کی براہِ راست رہنمائی سے ایک تحقیقی مقالہ بعنوان:

"A QUANTITATIVE STUDY ON CHROMOTHERAPY"

سامنے آسکا جس میں رنگ وروشنی سے علاج کے اصولوں بالواسطہ اور بلاواسطہ دونوں سے کام کیا گیا ہے۔یعنی پانی کو اس طرزِ علاج میں بطور میڈیم لیا گیا اور اس کو کروموٹائیز کیا گیا، پھر اس کو کوانٹم فزکس کے اصولوں پر پرکھا اور جانچا گیا اور پانی کے مالیکیولز میں سورج کی روشنی کے انجذاب کے بعد ایک نیا نظریہ Theory of Charge Quantization پیش کیا گیا۔

اینزائمنر پر رنگوں کے اثرات:

دوران تحقیق مخصوص وقت کے لئے مختلف رنگوں سے مختلف اینزائمنر کے محلول کو Treat کر کے ان کا Absorption spectra لیا گیا۔اس کے نتائج سے یہ بات سامنے آئی کہ مختلف اینزائمنر مختلف رنگ جذب کرتے ہیں مثلاً گلوکوز آکسیڈیز جامنی رنگ کو زیادہ جذب کرتا ہے۔کولیسٹرول تقریباً کلاہٹ مائل جامنی رنگ کو جذب کرتا ہے۔لائپیز کے لئے 400nm کی ویولینگتھ استعمال کی گئی جو تیز جامنی رنگ سے ملتا جلتا ہوتا ہے۔اور سپر آکسائیڈ ڈسموئیز لال رنگ کو زیادہ جذب کرتا ہے۔ یہ اینزائم کینسر کے علاج میں بہت مفید پایا گیا ہے۔اس Study کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کینسر کے علاج میں لال رنگ کی روشنی بہت فائدہ دے گی۔

ہم نے رنگ اور روشنی کے اصول پر مکھی کے کاٹے سے ایک بیمار Leishmaniasis کا الحمداللہ 100% کامیاب علاج کیا۔ایک بچہ جسکی عمر دس سے بارہ سال کی تھی،اسکے والد کی رضامندی اور اسپتال کی انتظامیہ کی اجازت سے اس بچے کے Leishmania کے زخموں پر نیلی،سبز اور سرخ روشنی مختلف دنوں میں مختلف اوقات کے لئے ڈالی گئی ۔ الحمد للہ نتیجہ 100% رہا۔ اس کیس ہسٹری کی کامیابی کے بعد Leishmania ٹراپیکا کا protozoa لیا گیا اور اس کو میڈیم میں 10 روز کے لئے Shaker اور Incubator میں Grow کیا گیا اور مسلسل سات 7 رنگ کی روشنی میں یہ تمام عمل کیا گیا۔دس روز کے بعد مائیکروسکوپ کے ساتھ کیمرہ لگا کر ان کی تصاویر لی گئیں تو Leishmania کی Growth میں دلچسپ نتائج سامنے آئے نیلے رنگ سے Leishmania کا سائز بڑھا،نارنجی رنگ سے اس کے پیدا ہونے کی شرح میں مزید اضافہ ہوا جب کہ لال رنگ سے Leishmania کی Growth بہت کم ہوگئی۔سبز رنگ سے یہ پیدا تو ہوئے لیکن مرتے گئے۔

:Conclusion

رنگ اور روشنی سے علاج اپنے اندر سمندر کی سی وسعت لئے ہوئے ہے۔ضرورت اس بات کی ہے کہ سائنسی طور پر اس علاج کو سامنے لایا جائے۔

یہ تحقیق ایک بنیادی تحقیق ہے۔ یہ تحقیق رنگ اور روشنی کے علاج کو ایک مضبوط سائنسی بنیاد فراہم کرتی ہے لیکن مستقبل میں اس پر کام کی بہت گنجائش موجود ہے۔خاص طور پر اگر جین Gene ٹیکنالوجی میں رنگوں کو متعارف کروایا جائے تو بہت سے حقائق پر سے پردہ اٹھ سکتا ہے۔

:FUTURE WORK

رنگوں اور روشنی کی مدد سے مختلف ڈسپلنز مثلاً بائیوٹیکنالوجی،سائیکلوجی سائیکوتھراپی،ایگریکلچر،ویٹری سائنسز،مزید اینزایمز،میڈیکل سائنسز،مائیکروبائیلوجی وغیرہ میں مزید تحقیق کی بہت گنجائش موجود ہے۔

☆☆☆

حُقُوقُ العِبادُ

اللہ رب العزت سارے جہانوں کا پرورش کرنے والا، سب کی ضروریات کا کفیل اور سب کا نگہبان ہے۔ چنانچہ جب ہم انسانوں سے بھلائی سے پیش آتے ہیں، ان کی مدد کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔ قرآن پاک نے ہم پر حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد یعنی بندوں کے حقوق پورا کرنا لازم وملزوم کردیا ہے اور اس کی بہت تاکید کی ہے۔

حقوق العباد کی ادائیگی رشتہ داروں سے شروع ہوتی ہے جن میں والدین سب سے پہلے مستحق ہیں۔ ماں باپ کی خدمت اور ان کی اطاعت اولین فریضہ ہے۔ اہل وعیال کے لئے حلال رزق کا حصول اور بچوں کی اچھی تعلیم وتربیت بھی حقوق العباد میں سے ہے۔ اس کے بعد دوسرے رشتہ داروں اور پڑوسی کا نمبر آتا ہے۔ آخر میں تمام انسان حقوق العباد کے دائرۂ کار میں آتے ہیں۔

حقوق العباد میں مالی حق بھی ہے اور اخلاقی حق بھی۔ قرآن پاک نے جابجا اس کی حدود بیان کی ہیں اور اس کو ایمان کا جزو قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

نیکی یہ نہیں ہے کہ تم اپنا منہ مشرق اور مغرب کی طرف کرلو لیکن نیکی یہ ہے کہ کوئی شخص ایمان لائے اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور آسمانی کتابوں پر اور نبیوں پر اور مال دیتا ہو اللہ کی محبت میں رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور مسکینوں کو اور مسافروں کو اور سوال کرنے والوں کو اور گردن چھڑانے میں۔ (البقرۃ)

اگر ہم اس پوزیشن میں نہ ہوں کہ مالی لحاظ سے کسی کی مدد کرسکیں تو خدمت کے اور بھی ذرائع ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں مختلف صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ ہم ان کو لوگوں کے فائدے کے لئے استعمال کرسکتے ہیں۔

دین کا بنیادی جذبہ خیر خواہی ہے چنانچہ اگر ہم کسی کے لئے اچھائی نہیں کرسکتے تو اس کے لئے برائی کے مرتکب بھی نہ ہوں۔ خیر خواہی کے لئے محض مالی حالت کا اچھا ہونا ضروری نہیں ہے۔ لوگوں سے خوش اخلاقی سے پیش آنا، سلام میں پہل کرنا، کسی کی غیبت نہ کرنا اور نہ سننا، اللہ کی مخلوق سے حسن ظن رکھنا، لوگوں کے چھوٹے موٹے کام کردینا، کسی ضعیف یا بیمار کو سڑک پار کرادینا، بیمار کی مزاج پُرسی کرنا، سڑک پر پڑے ہوئے پتھر یا کانٹوں کو راہ سے ہٹا دینا حقوق العباد کے زمرے میں آتے ہیں۔

فوڈ زون ریسٹورنٹ

FOOD ZONE RESTAURANT

Shop 15, Building 22, ICAD Residential City, Mussafah,
P.O. Box: 38326, Abu Dhabi, United Arab. **Ph:** 02-55-02330
Mobile: +971-50-6411031, +971-55-1805523, +971-55-4979695
E-mail: foodzoneicad@yahoo.com:

حسن اخریٰ سید عظیم برخیا المعروف قلندر بابا اولیاءؒ نے پاکستان بننے کے بعد راولپنڈی میں قیام کیا کچھ عرصہ کے بعد کراچی تشریف لے آئے اور اردو ڈان میں معزز عہدوں پر فائز ہوئے۔ مختلف رسائل اور ہفت روزہ میں کہانیاں لکھیں۔ شعراء میں منفرد مقام تھا۔ ماہنامہ نقاد کراچی کے ادارہ میں شمولیت اختیار کی اس دوران سلسلہ وار کہانی شیطان کی سوانح عمری جناب ظفر نیازی کے نام سے شائع ہوئی۔

ماہنامہ نقاد عوام میں بے انتہا مقبول ماہنامہ تھا۔ مرشد کریم خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب بتاتے ہیں کہ اس زمانے میں نقاد کی اشاعت قابل رشک تھی۔

شیطان کی سوانح عمری دلچسپ اور حیرت انگیز ہے۔ پڑھنے کے بعد ذہن کے دریچے کھل جاتے ہیں اور قاری اپنے اندر علم کا سمندر موجزن دیکھتا ہے۔ برسوں کی تلاش کے بعد یہ کتاب ایک لائبریری میں ملی۔ نیاز مند نے اپنے اندر محسوس کیا کہ اس کتاب کو پڑھ کر لوگوں کی علمی استعداد میں اضافہ ہو گا۔ مرحوم محترم ظفر نیازی کے صاحبزادگان کے شکریہ کے ساتھ شیطان کی آپ بیتی پیش خدمت ہے۔

نثار احمد عظیمی

ہیلنگ سینٹر 45 بنیارڈ اسٹریٹ

چھیتم ہل مانچسٹر 8

اشاعت کا راز:

انسانوں کی ایک محفل میں گناہوں کا ذکر چھڑ گیا ایک بولا اگر دنیا میں شیطان کا وجود نہ ہوتا تو کوئی شخص گناہ نہ کرتا۔ دوسرے نے کہا۔ شیطان کو کیوں بدنام کرتے ہو، گناہ خود انسان کرتا ہے شیطان کا اس میں کیا قصور؟ بات کہیں سے کہیں پہنچ گئی سوال اُٹھا یہ شیطان ہے کیا بلا۔ کسی نے کہا فرشتہ تھا، کسی نے کہا جن تھا کوئی بولا فرشتوں کا استاد ہے۔ آدم کو جنت سے نکلوا دیا اور اب دنیا میں لوگوں سے گناہ کرا رہا ہے۔ یقین کے ساتھ شیطان کے متعلق کوئی کچھ نہ بتا سکا۔

دوستوں میں سے ایک بولا یار دنیا میں ہزاروں انسانوں نے اپنی سوانح عمریاں شائع کیں، فرشتوں کی

دنیا میں کسی کو یہ جرات نہ ہوئی۔کم سے کم یہ معلوم تو ہوتا کہ یہ لوگ کون ہیں۔اور یہ جوان کا استاد مشہور ہے آخر ایسی کیا بپتا پڑی کہ بیچارا اتنا بدنام ہو رہا ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کی دنیا اپنے اعمال نامے انسانوں کے سامنے بھیجتے ہوئے شرماتی ہے۔

شیطان بھی کہیں چھپا کھڑا تھا وہ ہنسا اور اس نے کہا ہم لوگ انسان کی طرح جھوٹ نہیں بولا کرتے اگر تم ہماری سوانح عمری ہی دیکھنا چاہتے ہو تو کل صبح اپنی میزوں پر ایک کتاب دیکھ لینا۔

اگلی صبح انسانوں کی دنیا میں ایک حیرت انگیز کتاب ''شیطان کی سوانح عمری'' بڑی دلچسپی سے پڑھی جارہی تھی۔لوگ انگشت بدنداں تھے اور کہیں دور سے شیطان کے قہقہوں کی آوازیں آرہی تھیں۔

شیطان نے خود اپنی سوانح عمری اس طرح شروع کی۔

گزارش:

کیوں صاحب! جب ہمارے ہاتھوں سے بنائے ہوئے مٹی کے کھلونے دنیا میں آکر اپنی سوانح عمریاں شائع کرتے ہیں تو فرشتوں اور ان کے ساتھیوں نے کسی کا بیل تھوڑی مارا ہے کہ زبان اور قلم پر تالا لگائے بیٹھے رہیں ہم کیوں نہ اپنی زندگی کے حالات لکھیں اور کیوں نہ اسے شائع کریں۔

آج تک کسی جن یا فرشتہ نے اپنی سوانح عمری شائع نہیں کی۔کیوں نہیں کی۔یہ ایک راز ہے یہ راز مصلحت کی بنا پر مخفی رکھا گیا ہے۔دنیا میں رہنے والے کم سمجھ انسان اسے نہیں جانتے اور نہیں جان سکتے۔خاک کی بنی ہوئی عقل کیا خاک سمجھے گی کہ یہ نوری اور ناری دنیا آج تک اپنی اپنی سوانح حیات لکھنے سے کیوں گریز کرتی رہی یہ موٹی عقل کے پتلے شاید یہ سمجھتے ہیں کہ جنوں اور فرشتوں کو لکھنا پڑھنا نہیں آتا یا انہیں لکھنے پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے لیکن یاد رہے کہ ہم نے مٹی کے پتلوں سے پہلے کھانا سیکھا ہے، پہلے بولنا سیکھا ہے۔اگر کسی کو یہ غرور ہے کہ دنیا کا بے بضاعت آدمی کسی معمولی سے معمولی فرشتے کا بھی مقابلہ کرسکتا ہے تو یہ اس کی لکھوکھا حماقتوں میں سے ایک اہم حماقت اور نادانی ہے۔

ہم بہت دن چپ رہے بہت دن تک انسان کی ہوائی تعلّیوں کو دیکھتے رہے اپنے منہ میاں مٹھو بننا سب کو آتا ہے سب بن سکتے ہیں لیکن کہنے اور کرنے میں بہت فرق ہے آدمی کہتا ہے کہ فرشتے ہماری برابری نہیں کرسکتے اور غرور کرتا ہے کہ انسان کو خدا نے اپنا خلیفہ بنا کر دنیا میں بھیجا ہے اشرف المخلوقات ٹھہرایا ہے افضل الکائنات فرمایا ہے، فرشتوں کا مسجود بنایا ہے۔

ابھی اگر قلعی کھول کر رکھ دوں تو ساری کرکری ہو جائے۔اللہ نے اپنی کریمی کے صدقہ میں اپنا خلیفہ بنا دیا تو کم ظرف انسان جامہ سے باہر ہوا جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات اور افضل الکائنات فرمادیا تو اس کی گردن میں ایک مستقل ہڈی پیدا ہوگئی جو گردن کو جھکنے

ہی نہیں دیتی۔ اللہ تعالیٰ نے مسجود بنادیا اب اس کی نظر میں ساری کائنات حقیر ہو رہی ہے۔

ارے واہ رے تیری کم ظرفی اتنی سی بات میں ابل پڑتا ہے دو آنکھیں ہوتے ہونے پر بھی تیری کورچشمی کی یہ حالت ہے، ہمیں دیکھ اور خود کو دیکھ، تو تین دن کی پیدائش ہے۔ ابھی تیرے منہ سے دودھ کی بو آ رہی ہے عالی ظرفی دیکھنی ہے تو کبھی فرشتوں کی دنیا میں آ...... اپنے ساتھ آنکھیں لا اور دیکھ کہ جنہیں قرب الٰہی میسر ہے، جنہیں دیدارِ خدواندی حاصل ہے، جنہیں عرش کی دربانی میسر ہے دیکھ اور اچھی طرح دیکھ کہ ان عالی مرتبوں کے باوجود وہ اپنا ایک ایک لمحہ عبادتِ خداوندی میں صرف کر رہے ہیں۔ ممنونیت کی معراج بھی دیکھ وہ خدا کے خلیفہ نہیں ہیں، اشرف المخلوقات بھی نہیں، اور جو کچھ تو ہے یا بزعم خود بنتا ہے وہ بھی وہ نہیں ہیں۔ لیکن اظہارِ ممنونیت دیکھ کچھ شرم کر یہ فرشتے آج سے نہیں ازل سے سجدے میں ہیں اور ابد تک سجدہ ہی میں رہیں گے انہیں ان کے خالق نے ایک دولت بخشی ہے اپنے قریب جگہ دی ہے اس ایک احسان پر انکی پیشانیاں اس چوکھٹ سے قیامت تک نہیں اٹھ سکتیں۔ اب ذرا اپنے گریبان میں منہ ڈال۔ ذرا تصور کر، تو آج اپنی ذات کو کیا کیا سمجھتا ہے۔ خود تجھے اعتراف ہے خدا نے تجھے سب کچھ بنایا ہے اور اب جھک کر میرے کان میں ہی کہہ دے کہ کبھی تو نے بھی اظہارِ ممنونیت کیلئے اصل سجدہ بندگی بھی کیا ہے .... یہ پیشانی خدا کے حضور میں اس لئے بھی جھکی ہے کہ تجھے خدا نے خلیفہ بنایا ہے۔ اشرف المخلوقات بنایا ہے اور نہ جانے کیا کیا بنایا ہے......؟ شرما جا جھوٹی انا سے باز رہنے کا عہد کر اور اعتراف کر لے کہ جو تو ہے وہ ظاہر نہیں ہے اور جو ظاہر ہے وہ تو نہیں ہے۔

ان فرشتوں کو دیکھ جو کچھ ہیں اور نہیں کہتے کہ کچھ ہیں۔ ان کے اعمال کو دیکھ سزا اور جزا کا خیال کئے بغیر وہ کر رہے ہیں جو انہیں کرنا چاہئے اور اپنی دنیا کو دیکھ، ان کے اعمال کو دیکھ وہ کس لئے دنیا میں آئے ہوئے ہیں؟ کیا کر رہے ہیں؟ اس پر بھی یہ دعویٰ کہ انسان فرشتے سے افضل ہے اور ساری کائنات سے افضل ہے۔

بڑا تیر مارا اگر دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں پانچ مرتبہ ماتھا جھکا لیا۔ گویا خدا پر کوئی بڑا احسان کر رہا ہے۔ کیا بتاؤں کوئی ایسا موقع نہیں آتا کہ انسان اور فرشتہ کا مقابلہ کیا جا سکے ورنہ ایک لمحہ میں بتا دیتا کہ تیری بساط کیا ہے اور تو کتنے پانی میں تیر رہا ہے۔

آج ہزاروں سال کے بعد اپنے سینے کا ایک دبا ہوا راز ظاہر کرنے کیلئے مجبور ہو رہا ہوں، وقت مجبور کر رہا ہے تاکہ تجھے بیداری کی نیند سے ہوشیار کر دوں تو جاگتے میں سو رہا ہے عالمِ ہوش میں بھی بے خبر ہے............ آج میں وہ راز افشا کرتا ہوں جسے میں نے بہت دن سے چھپا رکھا تھا۔ جی تو چاہتا تھا کہ تو اسی طرح سوتا رہے

اسی طرح بے خبری کی دنیامیں سانس پورے کرلےلیکن کیا کروں میری برادری پر الزام آرہا ہے ، میرے شیطان بھائی بندوں پر تہمتیں لگ رہی ہیں، میرے ساتھیوں کی بدنامی ہورہی ہے،میرے پرانے دوستوں پر تیرے تعصب اورغرور کے آرے چل رہے ہیں اب چپ نہیں رہا جاتا زبان اور دل قابو سے باہر ہوئے جارہے ہیں اوروہ ایک ایسی بات ظاہر کرنے والے ہیں جسے میں نے سینے کی انتہائی گہرائیوں میں چھپارکھاتھا۔

تجھے مدتیں ہوگئیں انسان اور انسانیت کے نام پر کاروبار کرتے ہوئے لیکن یہ سوچ کہ تو انسان بھی ہے یا نہیں............

تجھ میں انسانیت بھی ہے یانہیں!اے نادان آدمی بحث چھیڑنے سے پہلے ذرااپنے وجود سے بحث کرلی ہوتی ذرااپنی ذات کو پہچان لیا ہوتا،جس نام پرتو لڑرہا ہے،جس چیز کوتو فضیلت دے رہاہے وہ کہاں ہے؟کس کے پاس ہے ذرا اسے تو تلاش کر جب ہی تو میں کہتا ہوں کہ خاکی پتلے کی عقل بھی اندھی ہے اب عقل کا رونا بھی نہ رو بلکہ جاتے ہوئے احساس کا دامن تھام لے اگر یہ بھی نہ رہاتو تو بھی نہ رہے گا۔دیکھ تیرے احساس کی دھجیاں کیسی پراگندہ ہیں ......اب بھلا یہ تو سمجھ نادان جب تیرے احساس کا یہ عالم ہے تو تو کیا خاک سمجھ سکتا ہے اپنے وجود کی بساط کو اپنے تغیراورانقلاب کو جس انسانیت کے نام پر تیرامدارتھاوہ عرصہ ہواغروراورتکبر کے ریگستان میں دفن ہوگئی۔ جولوگ اسے تلاش کرنے نکلے تھےانہوں نےبھی اپنی عمر کاچڑھاوااس بےنشان مزار پرچڑھادیاہے۔اب توانسانیت کےمزار پررونے والوں کےعلاوہ کوئی نظرنہیں آتا۔

کیوں ؟سن لی ناراز کی بات۔ششدر کیوں رہ گیا۔دکھتی ہوئی رگ تکلیف ہی دیتی ہے۔تعجب نہ کر، جواب دینے کی کوشش نہ کر۔ یہ دنیاہےاس میں یہی ہوتا آیاہےاشرف المخلوقاتی کاتمغہ لگائے ندامت کی مسند پر بیٹھا رہ اور انقلاباتِ زمانہ دیکھتا جا۔ ناسمجھ انسان فرشتوں سے الجھ کرکیا کرے گا یہ دنیا کے انسان سے کہیں بالاتر ہیں ،یہ اپنے پرودگار کی نعمتوں کو پہچانتے ہیں انکی قدرومنزلت جانتے ہیں، جو کچھ انہیں ملا ہے، ان ہی کے پاس رہے گااور جو کچھ یہ ہیں یہی رہیں گے اسلئے کہ یہ شکر کرنا جانتے ہیں احساس رکھتے ہیں اور کبھی غرورنہیں کرتے۔تجھ نام نہاد انسان کی طرح ان کی گردن کبھی نہیں اکڑتی تیرے جیسی احسان فراموشیاں ان کےضمیر میں نہیں ہیں تیرے جیسا تعصب ان کے دل ودماغ پرسوارنہیں ہوسکتا۔تجھ جیساغرور کرنا یہ نہیں جانتے انہوں نے کبھی یہ نہیں کہا کہ ہم فرشتے انسانوں سے افضل ہیں ارے نادان انسان کیا تو کچھ ہے......

انہوں نے کسی حقیر مخلوق کوبھی اپنے سے برانہیں سمجھا اورنہ ہی کسی کی اچھائی یا برائی پرغور کرنے کاوقت ہے ان کوتو پروردگار کی نعمتوں کاشکریہ ادا کرنے ہی سے

فرصت نہیں ملتی کسی کی برائی بھلائی میں حصہ کیسے لیں............؟اور یہ بھی سن لے کہ اگر تیری لن ترانیاں حدود سے نہ بڑھتیں اور تو انسانیت سے باغی ہوکر مجھے لعن طعن نہ کرتا مجھے اپنے سے کمتر نہ سمجھتا تو قسم ہے مجھے اپنے پیدا کرنے والے کی کہ میں کبھی تجھے جواب نہ دیتا۔لیکن وقت استاد ہوتا ہے مجھے تیری ہوائی پرواز نے ہی مجبور کیا ہے کہ تجھے تیری صحیح بساط کا اندازہ کرادوں اور بتاؤں کہ آج تو انسانیت اور شرف کے نام پر دنیا میں ہوائی گولے چھوڑ رہا ہے۔ ہر لحاظ سے اور ہر طرح سے میری مٹھی میں سماسکتا ہے اس لئے کہ تیرے پاس وہ چیز ہی نہیں رہی جس کی بنا پر اور جس کے زور پر تو میرا مقابلہ کرسکتا اور ذرا اپنا کان قریب لا تجھے یہ بھی چپکے سے بتادوں کہ تو عرصہ سے میری مٹھی میں ہے ،میرے اشاروں پر ناچ رہا ہے، ناسمجھ بچے غرور نہ کر۔ذرا اپنے اندر دیکھ میں بول رہا ہوں تو تو ایک کاٹھ کے پتلے کی طرح رہ گیا ہے جسے مداری کے اشاروں پر ناچنا پڑتا ہے اب تیرے بال بال پر میری حکومت ہے اور تجھ کم ظرف کے وجود میں سما کر مجھ میں بھی غرور اور تکبر کا مادہ بڑھ گیا ہے۔اب میں بھی غرور کروں گا اپنے آپ کو ساری دنیا سے افضل سمجھوں گا اور اس بات کو سب سے منوانے کی کوشش بھی کروں گا۔

تیرا ایک نقصان تو یہ ضرور ہوا ہے کہ تجھ میں وہ چیز جاتی رہی جو تیری زندگی کا سرمایہ تھی وہ علم جو تیرے پروردگار نے صرف تجھی کو سکھایا تھا اور جو تیری نجات کا ذریعہ ہوسکتا تھا۔لیکن اب تجھے میرا احسان مند ہونا پڑے گا کہ تیری آئندہ زندگی اور اس کے عیب سب کچھ مجھ سے منسوب ہوجائیں گے۔دنیا والے تجھے سیدھا اور سچا کہیں گے، تیری خطائیں میرے نامۂ اعمال میں لکھانے کی کوشش ہوگی اور تیری بھلائیاں صرف تیرے ہی اعمال نامہ میں درج کرائی جائیں گی۔لیکن مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے یہ سب کچھ میں پہلے سے ہی جانتا ہوں جو کچھ ہوگا میرے علم میں ہے۔

اچھا یہ بات تو بتادے یہ جو تو اپنی سوانح عمریاں شائع کرتا ہے اس سے تیرا کیا مقصد ہے۔کیا سوانح عمری اسی کا نام ہے کہ اپنی زندگی سے ملتی جلتی کچھ جھوٹی سچی تعریفیں ایک جگہ جمع کر کے چھاپ دی جائیں یا کچھ اور بھی مدعا ہے آج کل ہر پیسے والا آدمی اپنی پوری زندگی کتاب کی شکل میں چھاپتا ہے اور دنیا میں پھیلا دیتا ہے آخر اس بات سے کیا منشاء ہے۔کیا یہ لوگ سب اپنی زندگی کے سچے واقعات لکھتے ہیں............؟اگر ایسا ہے تو میں نے آج تک کوئی سوانح عمری نہیں دیکھی جس میں کسی نے اپنی برائیاں اور اپنے گناہ بھی صاف صاف لکھے ہوں کیا اس بھری دنیا میں کوئی گناہ ہی نہیں کرتا اور اگر کرتا ہے تو ان لوگوں نے اپنی تعریفوں کے ساتھ ساتھ اپنے اپنے عیب کیوں نہ بتائے............؟

خیر!! اسے بھی جانے دو صرف یہی بتادے کہ پہلے

زمانے میں تو لوگ اپنے بڑوں کی سوانح عمریاں لکھا کرتے تھے اور اس میں یہ بھی ممکن تھا کہ دس بیس تعریف کے ساتھ ایک آدھ برائی بھی لکھ دیں۔ لیکن اب تو نئی ہوا چل رہی ہے۔ جسے دیکھو خود اپنی زندگی کے حالات چھاپتا ہے اور شائع کر دیتا ہے تو پھر وہ سوانح عمری ہی کیا ہوئی جس میں زندگی کے مکمل سوانح نہ ہوں۔

واہ رے انسان کی دنیا ہیٹھی میٹھی ہڑپ، کڑوی کڑوی تھو اور دعویٰ یہ کہ ہم انسان ہیں اشرف المخلوقات ہیں۔ خودغرض اور متعصب کہیں کے......!

ارے اگر سوانح عمری لکھو تو سب کچھ لکھو تا کہ دنیا والے تمہارے اچھے کاموں سے سبق لے سکیں اور تمہاری نادانیوں سے احتیاط اور گناہوں سے عبرت حاصل کریں۔ یہ کیا ہوا کہ چھانٹ چھانٹ کر تعریفیں لکھ ماریں اور گناہ تو گویا کئے ہی نہیں.........!

یہی وہ جذبہ ہے جس نے مجھے اپنی سوانح عمری لکھنے پر مجبور کیا ہے میں نے سالہا سال فرشتوں کو درس دیا ہے اور اب دنیا والوں کو بھی تعلیم دینا چاہتا ہوں، پڑھنے والوں کو میری زندگی سے مجبوراً سبق لینا پڑے گا۔ وہ دیکھیں گے کہ میں نے اپنی زندگی کے حالات لکھتے ہوئے نہ اپنی کسی تعریف کو نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے اور نہ کسی عیب پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے جو کچھ گزرا من وعن لکھ رہا ہوں خواہ وہ اچھی بات ہے یا بری۔ میرا مقصد اپنی زندگی کے واقعات لکھنا ہے اگر اس میں کوئی سبق مل سکے تو حاصل کر لینا اور اگر کوئی برائی کی بات ہو تو نظر انداز کر دینا۔ کیونکہ برائی کا انجام ہمیشہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔ اچھا ان باتوں کو چھوڑ، یہ میرے کہنے کی نہیں ہیں میرا مشن اس قسم کی گفتگو اور پند ونصائح کو جائز قرار نہیں دیتا۔ میں نے یہ جو کچھ بھی لکھا ہے، سچ جاننا بڑی زبردست قربانی کی ہے ایسی قربانی جسکی مثال دنیا میں نہیں مل سکتی دنیا والے مجھے اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔ بالفرض اگر یہ بات صحیح ہے تو انہیں تسلیم کرنا چاہیئے کہ کوئی دشمن ایسی کارآمد نصیحتیں اپنے مخالف کو نہیں کرتا............ یہ اخلاص یقیناً حیرت انگیز ہے جو مجھ سے سرزد ہوا ہے۔ بہر حال جو کچھ سمجھا جائے اس سے مجھے کوئی سروکار نہیں............اب تو مجھے صرف ایک ہی دھن ہے اور وہ یہ کہ میری سوانح عمری شائع ہو۔ میں فی الحال نہیں جانتا اور نہ جاننا چاہتا ہوں کہ میرے اس انوکھے اقدام سے مجھے یا میرے مشن کو کوئی فائدہ پہنچے گا یا نقصان۔ کیونکہ میں یہ سب کچھ تقلید کے جذبہ سے متاثر ہو کر کر رہا ہوں اور انسانی دنیا کو دکھانا چاہتا ہوں کہ سوانح عمری لکھنے والے کو خصوصاً اپنی سوانح عمری لکھنے میں نہایت ایماندار ہونا چاہیئے اور آزادی کے ساتھ وہ تمام واقعات سلسلہ وار لکھ دینا چاہئے۔ جن سے اس کو زندگی میں واسطہ پڑا ہو۔ یہ احتیاط غلط ہے کہ برائی کو نظر انداز کر کے تصویر کا ایک ہی رخ پیش کریں اس کے بعد یہ بھی غور کرنا چاہیئے کہ جس وجود کو انسان کے دربار سے

مردود بارگاہ اور شیطان اور لعین جیسے خطابات عطا ہو چکے ہیں وہ اظہار حقیقت میں ان لوگوں سے کتنا آگے ہے جو مقدس صورتیں لئے ہوئے بظاہر زاہدانہ زندگیوں کے مالک ہیں اور جنکے ہر ظاہری فعل سے تقدس کے سمندر میں طوفان آجاتا ہے اور جب دو چار پیسے کے نفع اور نقصان کی صورت آپڑتی ہے تو انکی زبان مختلف شاخوں میں تبدیل ہو جاتی ہے تصویر کے دونوں رخ سامنے ہیں ایک طرف شیطان ہے اور دوسری طرف تقدس کا ٹھیکیدار۔شیطان کیلئے انسان کی بارگاہ سے جو کچھ عطا ہوتا ہے اسے بھی ملحوظ رکھا جائے اور تقدس مآب مذہبی دانشوروں (میری مراد علماء حق نہیں) سے جتنی عقیدت ہے وہ بھی سامنے رہے اس کے بعد میری مذکورہ بالا تقریر پڑھی جائے اور غور کیا جائے کہ دونوں فریق اظہار حق میں کتنے فیاض یا بخیل ہیں۔اگر پڑھنے والے کے خیال میں مجھ شیطان کے نام دروغ گوئی کا قرعہ نکل آئے تو بسم اللہ نیاز مند حاضر ہے سابقہ القاب میں کچھ اور اضافہ فرما دیا جائے (ہر چہ از دوست می رسد نیکوست) اور اگر خدانخواستہ یہ خوش نصیبی تقدس مآب کے حصہ میں آئے تو صرف دل ہی دل میں ایک بار دہرالینا چاہیئے کہ ہم کیا سوچ رہے تھے بجائے اس کے کہ کسی پر ظاہر کیا جائے کہ ضمیر سے کیا آواز آرہی ہے............؟

میں اپنی سوانح عمری لکھنے سے پہلے یہ عرض کردینا چاہتا ہوں کہ میرے پاس فی الحال کوئی ایسا منشی نہیں ہے جو میرے بتائے ہوئے واقعات سلسلہ وار درج کرسکے اور ظاہر ہے کہ میں بیک وقت یہ دونوں کام انجام نہیں دے سکوں گا نہ میرے پاس اتنا وقت ہے اور نہ بظاہر اس کی کوئی ضرورت ہے، میرا مقصد زندگی کے واقعات اور سوانح حیات کو روشنی میں لانا ہے اور اس کیلئے ضروری نہیں ہے کہ تقدیم اور تاخیر کا خیال رکھا جائے پس میری زندگی کے واقعات پڑھنے والوں کو یہ خیال نظر انداز کردینا پڑیگا کہ میں نے تقدیم اور تاخیر کا سلسلہ کیوں قائم نہیں رکھا............؟

خاکسار

(ابلیس)

شجرہ:ابوالجنات طارہ نوس:

میری پیدائش کا زمانہ اور اس کے قبل کے حالات کچھ ایسے پیچیدہ ہیں کہ زمانے کے انسان کی ادھوری عقل ان کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتی۔اس واسطے مجھے اپنے نادان مخاطب کو سمجھانے کیلئے ان کی تفصیل بھی لکھنی پڑے گی کیونکہ انسان بیچارہ بہت ہی محدود عقل کا پتلا ہے اور جہاں تک اس کی عقل کام کرتی ہے اس سے زیادہ یقین کرنے کیلئے یہ کبھی تیار نہیں ہوتا چنانچہ اس ناسمجھ کو سمجھانے کیلئے مجھے وہ تمام واقعات بالتفصیل لکھنے پڑیں گے جو میری پیدائش سے پہلے تشکیل عالم کیلئے ظہور پذیر ہوئے اور دنیا موجودہ شکل میں آئی۔

سب سے پہلے تو مجھے یہ بتانا ہے کہ دنیا کس طرح اور

کیوں بنی............؟

کس طرح بنی؟ یہ تو میں خوب جانتا ہوں اور مجھے خوب بتایا گیا ہے۔لیکن کس لئے ؟اس کا جواب میرے پاس صرف ایک ہے اور اس میں اعتراض کرنے کی کسی کومجال ہی نہیں۔

خدا سے پوچھا گیا کہ پروردگار تخلیقِ کائنات سے تیرا کیا منشاء ہے یہ سب کھیل کیوں کھیلا ہے......؟

جواب ملا۔

میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا مجھے اچھا معلوم ہوا کہ میں پہچانا جاؤں لہٰذا میں نے کائنات بنادی۔

اب بتایئے اس میں کون دم مارسکتا ہے اور اس کے بعد سوال ہی کیا رہ جاتا ہے۔ جب بتانے والا خود یہ کہہ دے کہ مجھے اچھا معلوم ہوا کہ پہچانا جاؤں اس لئے دنیا بنادی۔توکسی کو کیا حق ہے کہ اس کے بعد دوسرا سوال کرسکے۔خیر چلو اچھا ہوا کہ دنیا بنانے کا جواب انہوں نے خود ہی دے دیا۔

اب رہا یہ سوال کہ دنیا کس طرح بنی یہ مجھ سے سن لیجئے مجھے بھی نہایت معتبر ذریعہ سے معلوم ہوا ہے اور صاف ہی کیوں نہ کہہ دوں کہ مجھے خود میرے پروردگار نے مختلف اوقات میں سمجھایا ہے۔کچھ خود بغیر دریافت کئے اور کچھ مختلف فرشتوں کی معرفت مجھے یہ تعلیم ملی ہے۔پس ضرورت ہے کہ اپنے حالات کی ابتدا کرنے سے پہلے یہ سمجھاؤں کہ دنیا کس طرح تشکیل میں آئی۔

ایک نور تھا جس کے متعلق مجھے بتایا گیا تھا کہ وہ پیغمبر آخرالزماں ﷺ کا نور ہے خود مجھے بھی بارہا انکی زیارت نصیب ہوئی ہے اس وقت میں آسمان پر گرفتار کرکے لایا گیا تھا۔ہاں تو یہ واقعات ہیں کہ اس وقت جبکہ کائنات میں کچھ بھی نہ تھا صرف نورِ خداوندی ہی ہر طرف جلوہ افروز تھا کہ پروردگار نے اپنے پہچاننے کیلئے تخلیقِ کائنات کا ارادہ کیا۔چنانچہ انہوں نے اس نور کو دو حصوں میں تقسیم فرمادیا۔پہلا حصہ جس میں ایک راز تھا اور جسے صرف پروردگار ہی جانتا تھا دوسرے حصہ سے زیادہ روشن تھا اس تقسیم کے بعد صانع مطلق نے پہلے حصہ کا نام نور

امام غزالی کی طالب علموں کو نصیحت

طالب علم کو عمدہ اخلاق کا مالک ہونا چاہئے ۔ اسے غصہ ، کینہ ، حسد تکبر اور خود پسندی جیسی بری عادت سے گریز کرنا چاہئے یہ سب ایسی تاریکیاں ہیں جو علم کے نور پر پردہ ڈال دیتی ہیں علم اس چیز کا نام نہیں کہ زیادہ سے زیادہ رٹ لیا جائے اور یادداشت میں زیادہ سے زیادہ باتیں محفوظ کرلی جائیں۔علم تو ایک نور بصیرت ہے جس کے ذریعے سے حق اور باطل میں امتیاز کا ملکہ حاصل ہوتا ہے اس سے مفید اور مضر، نیکی اور برائی ، ہدایت اور گمراہی میں فرق معلوم ہوتا ہے۔

رکھا اور بقیہ نصف جو صفاتِ نوریہ سے کم درجہ پر تھا اور جس میں سے ضیائے خاص علیحدہ کر لی گئی تھی اس کو بھی دوحصوں پر تقسیم فرمادیا۔ پہلے حصے کو دوسرے پر فضیلت دینے کیلئے اس میں مخصوص ترمیم فرمائی گئی۔ چنانچہ پہلے حصہ سے جس کا نام ''نار'' تجویز ہوا تھا قومِ جن تخلیق ہوئے اور بقیہ دوسرا حصہ (جس میں صفاتِ نوریہ معدوم ہوچکی تھیں) ارواحِ شیاطین اور ارواحِ خبیثہ کیلئے رہ گیا۔

چنانچہ اب یہ تقسیم اس طرح ہوئی کہ حصہ اول جو خالص نور تھا اور جس میں ضیائے خاص موجود تھی اس کو ارواحِ مقدسہ اور ملائکہ نیز اطباق وسماوات کیلئے مخصوص فرمایا۔ چنانچہ سب سے پہلے روح پاک پیغمبر آخر الزماںؐ تخلیق فرمائی گئی اس کے بعد لوح و قلم اور عقل اور کل اجسام کی تخلیق عمل میں آئی زمین و آسمان پیدا کئے گئے اور اس نورِ خاص کے بقیہ نصف سے جس میں سے ضیائے خاص علیحدہ ہونے کے بعد دو حصے ہوئے ان میں سے پہلے حصہ کو جو اپنے دوسرے نصف سے ممتاز تھا قومِ جن کی تخلیق کے واسطے رکھا گیا اور اس کے بقیہ دوسرے حصہ کو ارواحِ شیاطین کیلئے مخصوص کر دیا گیا۔

نورِ خاص:

سب سے پہلے جو تقسیم عمل میں آئی اس کے نصف بہتر سے جو مخلوق عالم وجود میں آئی اس کا فرضِ منصبی عبادت قرار پایا۔ کیونکہ وہ نور خاص سے پیدا کی گئی تھی۔ اسلئے اس کی سرشت میں عبادت داخل ہوئی اور معصوم رہی اور چونکہ خالص نور سے تخلیق ہوئی تھی اس واسطے اس مخلوق کا سایہ تک نہ پڑتا تھا۔ اس کے بعد حصہ دوم جو ضیائے خاص سے محروم تھا لیکن ایک حصہ نور تھا قوم جن کیلئے مخصوص ہوا۔ چنانچہ قوم جن کا سایہ بھی زمین پر نہیں پڑتا لیکن چونکہ اس کی تخلیق میں ''نار'' کا جز غالب ہے اور حصہ نوریہ کم۔ اس لئے زیادہ تر یہ قوم تباہی کی طرف دوڑتی رہی۔ کبھی کبھی اس قوم کے بعض افراد مائل بہ دین ہوئے اور اس کی وہی وجہ تھی کہ ان کی تخلیق میں کچھ کچھ نور کی جھلک ضرور تھی لیکن نار غالب تھی اس لئے تباہی و بربادی زیادہ ہوئی۔

خیر! یہ تشکیل دنیا کی کیفیت تھی جسے میں نے ضرورتاً بہت ہی مختصر بیان کیا اب میں باقی تمام صحیفے چھوڑ کر وہ حالات بیان کرتا ہوں جہاں سے میری زندگی کی ابتدا ہوئی دنیا کے بہت سے ناسمجھ انسان مجھے فرشتہ سمجھتے ہیں بڑے بڑے پڑھے لکھے میرے متعلق یہی رائے رکھتے ہیں بعض کا خیال ہے کہ میں ہیڈ فرشتہ ہوں اس واسطے فرشتوں کا استاد مشہور ہوں بہرحال یہ طے شدہ امر ہے کہ میرے متعلق دنیاوالے بہت کم جانتے ہیں کہ میں کون ہوں............ اس حالت میں کیسے آیا؟ چنانچہ میں انسان کی محدود معلومات اور ناقص عقل کا مرثیہ پڑھنے اور اس کی مخصوص فطرت اور مفسد ذہنیت کی قسم کھا کر صحیح واقعات لکھتا ہوں کہ جب میں پیدا ہوا تھا تو کائنات کو عالم وجود میں آئے ہوئے ایک لاکھ چوالیس ہزار سال گزر چکے تھے۔

(جاری ہے)

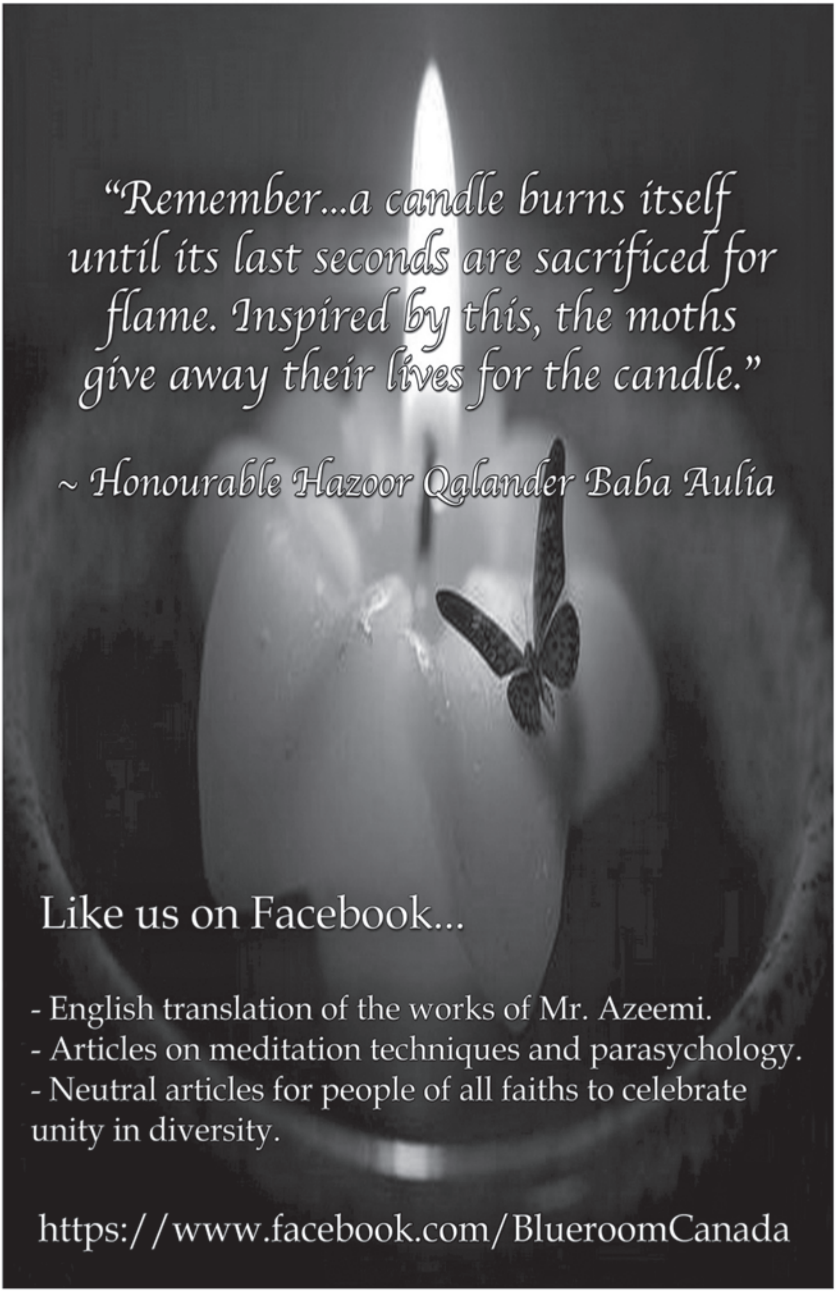
"Remember...a candle burns itself
until its last seconds are sacrificed for
flame. Inspired by this, the moths
give away their lives for the candle."
~ Honourable Hazoor Qalander Baba Aulia
Like us on Facebook...
- English translation of the works of Mr. Azeemi.
- Articles on meditation techniques and parasychology.
- Neutral articles for people of all faiths to celebrate
unity in diversity.
https://www.facebook.com/BlueroomCanada

۳۳ سال پہلے...

زمانہ کے نشیب وفراز جب ماضی میں گم ہوجاتے ہیں تواس کو ماہ وسال کہا جاتا ہے۔ان ماہ وسال کوشماریات میں بیان کیا جائے چوبیس ہزاردن اوررات گزرگئے جب چوبیس ہزارشب وروزگزرجاتے ہیں تو ہم اس کو ماضی کہتے ہیں یعنی پانچ لاکھ چھتیس ہزار گھنٹے گزرنے کے بعد جووقت حاصل ہوا وہ ماضی ہے...... ماضی میں دوست، پیر بھائی Head Examiner English فقیر محمد شیخ نے ایک تحریر لکھی تھی جو ۳۳ سال بعد آپ کی خدمت میں پیش ہے۔

مخدوم ومکرم قبلہ حضور قلندر بابا اولیاءؒ اس مادی دور کی تاریکیوں میں روشنی کا مینار اور مضطرب و پریشان دلوں کے لئے سرچشمۂ سکون وقرار تھے۔ وہ وقت زیادہ دور نہیں جب آپ کی تعلیمات و ہدایت کا بیش بہا خزانہ منظرعام پرآجائے گا اور دنیا کے بڑے بڑے دانشور اور حکمت و فلسفہ کے داعی یہ دیکھ کر انگشت بدنداں رہ جائیں گے کہ انہوں نے چاندستاروں پر کمند ڈالنے کی سعی ناتمام میں وقت اور دولت کا بے دریغ زیاں کیا مگر فطرت کے رازہائے سربستہ کے ایسے مایۂ افتخار محرم کے فیض سے محروم رہے جو ابھی کچھ عرصہ پہلے تک ان ہی کے درمیان جسدخاکی کے روپ میں جلوہ فگن تھا اور جس کے درحکمت و ہدایت سے متلاشی حق کو وہ سب کچھ مل سکتا تھا جس کی اُنہیں تلاش تھی۔ اس صورت حال کو مادی روشنی کے اندھیروں میں بھٹکنے والے انسان کی کم نصیبی کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا ہے۔

غنیمت ہے کہ اس پُر آشوب دور میں جبکہ مادی وسائل کی بہتات ہی زندگی کا معیار بنتی جارہی ہے، روحانی ڈائجسٹ تشنگان علومِ روحانی کیلئے سیرابی اور طمانیت کا سرچشمہ ہے۔ انشاء اللہ اس مقتدر جریدہ کی وساطت سے حضور بابا صاحبؒ کی تعلیمات اور انکی مقدس زندگی کے نادرالمعانی تجربات جستہ جستہ منظرعام پرآئینگے اور قدرت کی حکمت بالغہ کے رازہائے سربستہ بقدرمشیت ایزدی آشکارا ہوتے جائیں گے۔

مخدوم مکرم، مرشد معظم، حامل علم لدنی، وارث علومِ انبیاء، مقبول بارگاہ عزوجل اور منظورنظر سیدنا حضورعلیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت قلندر بابا اولیاءؒ کا ایک نہایت سلیس اور سادہ مگر حقائق و رموز فطرت سے بھرپور مضمون عامۃ الناس کے افادہ کی غرض سے پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہوں۔ اپنے مرشد ومخدوم کے ایک نہایت ہی حقیر قدم بوس کی حیثیت سے مجھے یہ فخر

حاصل ہے کہ اس بیش بہا خزانہ حکمت و ہدایت کو پیش کرنے کا شرف خود میرے ملجاء و ماویٰ مرشد مخدوم نے بخشا ہے۔ یہ مضمون عام فہم اور سلاست بیان کے باوصف دقت نظر اور پرسکون تفکر و تحقیق کا متقاضی ہے۔ مطالعہ و تفکر کے یہ لوازمات اگر صحیح معنوں میں بروئے کار لائے جائیں تو ایک قاری خود محسوس کرے گا کہ یہ روزمرہ مشاہدات میں آنے والے واقعات جنہیں ہم کوئی اہمیت نہیں دیتے اپنے دامن میں رموز و حقائق کے کتنے بیش قیمت گوہر سمیٹے ہوئے ہیں۔

ا۔ پانی کی ذاتی ایک حرکت ہے اور ہمہ وقت موجود ہے۔ پانی میں حرکت اور لہر کا خاصہ موجود ہے۔

۲۔ جب کنکر تہہ میں پہنچا تو پانی میں لہریں اٹھنا شروع ہوگئیں بشرطیکہ پانی کی وسعت اتنی ہو کہ وہ باطن کا مظاہرہ کر سکے۔

۳۔ کنکر کے تصادم سے پانی اپنا باطن یعنی حرکت نمایاں کرتا ہے۔

۴۔ جو چیز واقع ہوتی ہے وہ مظاہر قدرت کے باطن میں موجود ہے۔ اسی لئے واقع ہوتی ہے۔ البتہ اس کے واقع ہونے کا ایک محل ہے۔

۵۔ کنکر ارادہ کی جگہ ہے یا ارادہ کا مقام رکھتا ہے اور کنکر کا پانی سے تصادم ''توجہ'' کا قائم مقام ہے۔ دراصل کنکر ہی ارادہ کا تمثل ہے اور پانی میں حرکت پیدا ہونا توجہ کا تمثل ہے۔ یعنی جب ارادہ میں تکرار واقع ہوئی تو توجہ کا عمل شروع ہوگیا۔ ارادہ کی تکرار کو توجہ کہتے ہیں۔ اکثر ارادہ لاشعوری طور پر تکرار کرتا ہے اور وہ توجہ بالکل لاشعوری ہوتی ہے۔ لیکن اس کا نتیجہ لازم ہے۔ نتائج کی دونوں صورتوں میں اہمیت ہے۔ یکساں طور پر دونوں اثر انداز ہوتے ہیں۔ یعنی مظاہر کی دنیا میں دونوں کی حیثیت ایک ہے۔ دونوں کا اثر ایک ہے۔ خواب کی بھی یہی حالت ہے اور کیفیت بھی یہی معنی رکھتی ہے۔

۶۔ کنکر ہی جو لاشعوری ہے وہ کائناتی ذہن کا ارادہ ہے۔ یہی اللہ تعالیٰ کا ''امر'' ہے۔ ''امر'' میں یعنی کائناتی ذہن میں برابر تکرار ہوتی رہتی ہے یہ کبھی بغیر تکرار کے نہیں ہوتا۔ یہ کنکر یعنی ''امر'' کی تکرار ہی ''کتاب المبین'' ہے۔ ''کتاب المبین'' ہی کی تکرار سے مظاہر قدرت یا کائنات رونما ہوئی۔ ''تکرار'' ''کتاب المبین'' ہی میں واقع ہوتی ہے لیکن تکرار کے نتائج ''کتاب المرقوم'' کہلاتے ہیں۔ دراصل کائنات ''کتاب المرقوم'' ہے۔ تکرار کبھی ذہن کی اوپری سطح پر واقع نہیں ہوتی بلکہ ذہن کی گہرائی میں واقع ہوتی ہے۔ جب کنکر پانی کی گہرائی میں پہنچتا ہے تو لہریں اٹھنے لگتی ہیں۔ گویا پانی کا باطن مظاہر کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ یہ مظاہر پانی کے باطن میں موجود ہیں۔ لیکن تکرار واقع نہیں ہوئی تھی۔ وہ باطن جس میں تکرار واقع نہیں ہوئی، صرف مفرد حرکت ہے۔ اسی ہی کو ''غیب'' کہتے ہیں۔ اگر اس میں تکرار واقع ہو جائے تو مظاہر قدرت بن جائے گی۔ صوفی کی

توجہ اسی میں تکرار پیدا کرتی ہے اور جب صوفی توجہ کرتا ہے تو اس کی توجہ اس مطلوب کی شکل وصورت اختیار کرلیتی ہے جوصوفی کے ذہن میں ہے۔ پہلے سے جو شکل وصورت وہاں موجود تھی وہ سادہ، مفرد، بے رنگ شکل وصورت تھی۔ یہ شکل وصورت وہی ہے جو کائناتی ذہن کی ہے لیکن جب صوفی کی توجہ اس میں داخل ہوگئی تو وہ شکل وصورت بھی داخل ہوگئی جو صوفی کا مطلوب ہے۔ اگر عارف کی توجہ شامل نہیں ہوتی تو پانی کے اندر جوخواص موجود ہیں ان کا عمل ہوتا رہتا۔ اس سے کسی بھی مخلوق کا کوئی واسطہ یا تعلق ہوتا مگر خواص کی شکل و صورت اسی شخص سے بے نیاز ہوتی جس سے اس کا تعلق ہوتا۔ پانی کے خواص ایک شخص کو ڈوبنے کے اور دوسرے کو تیرنے کے اسباب پیدا کردیتے ہیں۔

۷۔ ارادہ کی تکرار ارادہ کی قوت ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ارادہ سوالاکھ بار ہی دہرایا جائے لیکن ارادہ میں اتنی قوت ہونی چاہئے جو سوالاکھ بار دہرانے سے پیدا ہوتی ہے۔ اگر وہ قوت موجود ہے تو ایک حرکت کافی ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے، اور زیادہ تر اس زمانے میں ۹۹۹ فی ہزار ایسا ہی ہوتا ہے کہ سوالاکھ مرتبہ دہرایا ہوا ارادہ بھی ایک بار کی قوت سے آگے نہیں بڑھتا۔ دراصل ارادہ دہرایا ہی نہیں جاتا کیونکہ جن الفاظ کے ذریعے ارادے کو دہرانے کی کوشش کی جاتی ہے وہ الفاظ دہرانے والے انسان کے ذہن میں اپنی کوئی تصویر یعنی معنی کے خدوخال پیدا نہیں کرتے۔

۸۔ ارادہ دراصل کوئی شکل وصورت رکھتا ہے۔ جس مطلب کا ارادہ ہو، مطلب اپنی پوری شکل وصورت کے ساتھ ارادہ میں مرکوز ہونا ضروری ہے۔ بغیر شکل و صورت کے کسی ارادہ کو ارادہ نہیں کہتے۔

انسان کا شعوری تجربہ

اولیائے کرامؒ اور عارف باللہ کشف اور الہام سے وابستہ ہوتے ہیں۔ مراقبہ کے ذریعے کشف اور الہام کی طرزیں ان کے ذہنوں میں اتنی مستحکم ہوجاتی ہیں کہ وہ مظاہر کے پس پردہ کام کرنیوالے حقائق سمجھنے لگتے ہیں اور ان کا ذہن مشیت الٰہیہ کے اسرار ورموز کو براہ راست دیکھتا اور سمجھتا ہے اور پھر وہ قدرت کے راز دار بن جاتے ہیں۔ ان روحانی مدارج کے دوران ایک مرحلہ ایسا آتا ہے کہ ان حضرات کا ذہن، ان کی زندگی اور زندگی کا ایک ایک عمل مشیت اور رضائے الٰہیہ کے تابع ہوجاتا ہے۔

ایسے بزرگوں کی گفتگو اسرار ورموز اور علم وعرفان سے پُر ہوتی ہے اور ان کی زبان سے نکلا ہوا کوئی لفظ معرفت وحکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ اُن کے ملفوظات اور واردات روحانیت کے راستے پر چلنے والے سالکین کے لئے مشعل راہ ہوتے ہیں۔ ان کی گفتگو اور ان کے الفاظ پر ذہنی مرکزیت کے ساتھ تفکر کیا جائے تو کائنات کی ایسی مخفی حقیقتیں منکشف ہوتی ہیں جن کا انکشاف اور مشاہدہ انسان کو اس امانت سے روشناس کردیتا ہے جس

کوسماوات، ارض، جبال نے یہ کہہ کر قبول کرنے سے انکار کردیا کہ ہم اس امانت کے متحمل نہیں ہوسکتے اس لئے کہ اس کے بار سے ہم ریزہ ریزہ ہوجائیں گے۔

مرشد مکرم، منبع رشد و ہدایت، شیخ طریقت، عالم علم لدنی، ابدال حق حسن اخریٰ سید محمد عظیم برخیاؔ المعروف حضور قلندر بابا اولیاءؒ کی ذات گرامی علم و عرفان کا ایسا سمندر ہے جس کے کنارے نور نبوت سے جا ملتے ہیں۔ آپ کی ہستی ایک ایسا ہیرا ہے جس کی تراش و خراش خاتم النبین حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فیض و کرم سے عمل میں آئی ہے۔ آپ کی شخصیت ایک ایسا آفتاب ہے جس کی ضیا پاشی نور الٰہی اور نور نبوت کے فیضان سے قائم و دوائم ہے۔

جن لوگوں نے حضور بابا صاحبؒ کو دیکھا ہے اور رموز و حکمت سے لبریز ان کے ارشادات سنے ہیں، ان پر یہ حقیقت روشن ہے کہ حضور بابا صاحبؒ قدرت کے معاملے میں کتنا دخل رکھتے تھے۔ اکثر اوقات گفتگو کے دوران وہ ایسے بنیادی نکات بیان کرجاتے تھے جو براہِ راست قوانین قدرت کی گہرائیوں سے متعلق ہیں اور جنہیں سن کر سننے والے کے ذہن میں کائنات میں جاری و ساری اصول و قوانین کا نقشہ آجاتا تھا۔ حضور قلندر بابا اولیاءؒ جب کسی موضوع پر تبصرہ فرمایا کرتے تو ایسا معلوم ہوتا جیسے ان کا ذہن ایک دریائے ناپیدا کنار اور ذخیرہ انوار ہے اور یہ انوار الفاظ کے سانچے میں ڈھل کر حضور بابا صاحبؒ کی زبان سے ادا ہورہے ہیں۔ حاضرین مجلس اکثر ان کی گفتگو سے مبہوت ہوجاتے تھے اور یہ کہا کرتے تھے کہ نظام کائنات سے متعلق قدرت کے قواعد وضوابط اور ان پر عمل درآمد کے قانون کو عام فہم زبان میں اس طرح بیان کرنا حضور بابا صاحبؒ جیسے عالم لدنی ہی کا وصف ہوسکتا ہے۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ کے ارشادات اور ملفوظات پیش کرنے کا مقصد اور منشا یہ ہے کہ حضور قلندر بابا اولیاءؒ کے ذہن، ان کی طرز فکر اور ان کی تعلیمات سے عوام متعارف ہوجائیں اور ان کے سامنے یہ بات آجائے کہ اولیاء اللہ کی طرز فکر کیا ہوتی ہے، وہ کس طرح سوچتے ہیں اور ان کے روز و شب کس طرح گزرتے ہیں۔

زمان ماضی ہے

ایک نشست میں حضور بابا صاحبؒ نے زمانیت اور مکانیت کی حقیقی طرزوں پر روحانی نقطۂ نظر سے روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا۔ ''ہر تخلیق دورُخوں کی شکل وصورت میں وجود رکھتی ہے۔ چنانچہ زندگی کے بھی دو رُخ ہیں۔ ایک وسیع تر رُخ (لاشعور) اور دوسرا محدود تر رُخ (شعور)۔

زندگی کا وسیع تر پہلو (لاشعور) زمان ہے جس کی حدود ازل تا ابد ہیں اور محدود تر پہلو (شعور) مکان ہے جو دراصل زمان (لاشعور) کا تقسیم شدہ جزو ہے۔ سوال یہ ہے کہ زمان فی الحقیقت ہے کیا؟ اور زمان کی تقسیم یعنی مکانیت کیا ہے اور کس طرح وجود میں آتی ہے؟''

فرمایا: عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ زمانہ گزرتا رہتا ہے حالانکہ فی الحقیقت زمان ریکارڈ (ماضی) ہے۔ حال اور مستقبل علیحدہ کوئی وجود نہیں رکھتے بلکہ ماضی کے اجزاء ہیں۔ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:

''جو کچھ ہونے والا ہے، قلم اس کو لکھ کر خشک ہوگیا۔''

یہاں تک گفتگو کے بعد حضور بابا صاحبؒ نے اس حدیث کی تشریح بیان کرتے ہوئے فرمایا:

ایک کتاب ہے جو لکھی جاچکی ہے یعنی ماضی (ریکارڈ) ہے۔ اب اس کتاب کو پڑھنے کی طرزیں مختلف ہیں۔ اگر کتاب شروع سے ترتیب وتسلسل سے پڑھی جائے یعنی ایک لفظ، پھر دوسرا لفظ، ایک سطر، پھر دوسری سطر، ایک صفحہ پھر، دوسرا صفحہ، پھر تیسرا صفحہ علیٰ ہذالقیاس اس طرح پوری کتاب کا مطالعہ کیا جائے۔ مطالعے کی یہ طرز وہ ہے جو بیداری (شعور) میں کام کرتی ہے۔ انسان کا شعوری تجربہ یہ ہے کہ ایک دن گزرتا ہے، پھر دوسرا، ایک ہفتہ گزرتا ہے، پھر دوسرا۔ اسی طرح ماہ وسال اور صدیاں اسی ترتیب اور اسی طرز سے یعنی ایک کے بعد ایک کر کے گزرتی رہتی ہیں۔ منگل کے بعد جمعرات کا دن اس وقت تک نہیں آسکتا جب تک بدھ کا دن نہیں گزر جاتا۔ اسی طرح شوال کا مہینہ اس وقت تک نہیں آسکتا جب تک کہ رمضان اور اس سے پہلے کے مہینے نہیں گزر جاتے۔ یہی طرز انسان کی شعوری طرز (بیداری) ہے۔ اس طرز کو روحانیت میں زمان متواتر یا زمان مسلسل (Serial Time) کہتے ہیں۔

☆☆☆

رباعیات
حضور قلندر بابا اولیاءؒ

یہ بود و نبود کیا ہے کس کو معلوم
افلاک کی جو ادا ہے کس کو معلوم
سب راز ہیں کہکشاں کی گردش کے عظیم
خورشید میں کیا چھپا ہے کس کو معلوم

☆☆☆

ہر ذرہ ہے اک خاص نمو کا پابند
سبزہ ہو صنوبر ہو کہ ہو سرو بلند
انسان کی مٹی کے ہر اک ذرہ سے
جب ملتا ہے موقع تو نکلتے ہیں پرند

☆☆☆

مٹی کی لکیریں ہیں جو لیتی ہیں سانس
جاگیر ہے پاس ان کے فقط ایک قیاس
ٹکڑے جو ہیں قیاس کے، مفروضہ ہیں
ان ٹکڑوں کا نام ہم نے رکھا ہے حواس

☆☆☆

روحانی ڈائجسٹ کراچی

یہ پرچہ بندہ کو خدا تک لے جاتا ہے
اور بندہ کو خدا سے ملا دیتا ہے

مینیجنگ ایڈیٹر: ڈاکٹر وقار یوسف عظیمی

- مرد حضرات اور خواتین میں تخلیقی صلاحیتیں کام کرتی ہیں۔ روحانی ڈائجسٹ، روحانی واردات و کیفیات کو شائع کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے۔
- مسائل کا حل اور لاعلاج بیماریوں کا روحانی علاج روحانی ڈاک کے ذریعہ پیش کیا جاتا ہے۔
- بچوں کی صحیح تربیت کے لئے ایسے مضامین شائع ہوتے ہیں جن کو پڑھ کر بچے اطاعت گزار اور نمونہ بن سکیں۔
- وہ علوم جو ہمیں بزرگانِ دین سے منتقل ہوئے ہیں، پڑھ کر مخلوق توحید کے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوسکتی ہے، انشاءاللہ۔

دین و دنیا سنوارنے کے لئے روحانی ڈائجسٹ ہر جگہ دستیاب ہے۔

عالم اسلام کی ماں...
حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت خدیجہؓ عرب کے معزز ترین قریش قبیلے سے تعلق رکھتی تھیں ۔ ان کے پر دادا کا نام قصی تھا جو رسول اللہ ﷺ کے بھی جد اعلیٰ تھے اس لحاظ سے رسول اللہ ﷺ اور حضرت خدیجہؓ ہم جد تھے۔ حضرت خدیجہؓ کی والدہ کا نام فاطمہ بنت زائدہ تھا۔ ان کے والد محترم کا اسم گرامی خویلد تھا جو اپنے قبیلے اور خاندان میں انتہائی عزت واحترام کے مالک تھے اور مکہ میں آ کر مقیم ہو گئے تھے اور مکہ میں ہی شادی کی۔

حضرت خدیجہؓ عام الفیل سے پندرہ سال قبل پیدا ہوئیں ابتداء ہی سے بلند کردار، حسن اخلاق اور بہترین اوصاف سے بہرہ مند تھیں ۔ اس لئے طاہرہ کے لقب سے مشہور ہوئیں۔ ان کی کنیت ام ہند تھی۔

حضرت خدیجہ انتہائی باہمت خاتون تھیں ۔ باپ اور شوہر کی وفات کے بعد ان کا کوئی محافظ اور نگران نہ تھا لیکن آپ نے تجارت کے سلسلہ کو جاری کیا اور اپنے عزیزوں کو معقول معاوضہ دے کر ان کے ہاتھ مال و تجارت بھیجتی تھیں۔ ان دنوں قریش کے تجارتی تعلقات زیادہ تر شام سے تھے اور حضرت خدیجہ کا مال تجارت بھی شام جاتا تھا۔ مکہ کے رہنے والے دو طریقوں سے اپنی معاشی ضروریات کو پورا کرتے تھے ایک تجارت اور دوسرے مویشیوں خاص طور پر اونٹوں کی پرورش کے ذریعے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تجارت کو ذریعہ معاش بنانا پسند فرمایا۔ سوداگر قیس بن زید اپنا سامان تجارت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سپرد کر دیتا تھا تا کہ وہ اسے فروخت کرنے کے لئے دوسرے شہروں میں لے جائیں ۔ حساب کتاب میں کبھی کوئی اختلاف نہیں ہوا۔ آپؐ اشیائے تجارت کی فروخت کے لئے جب بھی سفر پر روانہ ہوتے مکہ کے دوسرے تاجر یہ خواہش کرتے تھے کہ حضورؐ ان کا سامانِ تجارت بھی لے جائیں۔ آپ کے حسن معاملت کی شہرت سے متاثر ہو کر حضرت خدیجہؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ پیغام بھجوایا کہ اگر وہ چاہیں تو ان کے تجارتی قافلے کے ہمراہ سفر پر روانہ ہوں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس پیشکش کو اپنے چچا کے مشورے سے قبول کر لیا۔ آپ کی راستبازی، ایمانداری اور بہترین کاروباری صلاحیت کی بنا پر حضرت خدیجہؓ نے آپ کو زیادہ معاوضہ کی پیشکش کی ۔ حضور ﷺ نے آپ کی یہ پیشکش قبول فرمائی۔

حضرت خدیجہؓ کے شوہر کا انتقال ہو چکا تھا۔ ان کی خاندانی شرافت، عزت و توقیر اور اعلیٰ کردار کی بناء پر مکہ کے بڑے بڑے رئیس اور سردار ان سے شادی کے

خواہاں تھے۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجموعہ صفات ذات نے حضرت خدیجہؓ کو بے حد متاثر کیا۔انہی خیالات وافکار میں شب وروز گزرنے لگے۔ایک رات خواب دیکھا...... چمکتا ہوا سورج گھر کے آنگن میں اتر آیا ہے جس سے پورا گھر جگمگا اٹھا۔آنکھ کھلی تو حیرت کی انتہاء نہ رہی۔توریت اورانجیل کے مشہور ومعروف عالم ورقہ بن نوفل سے خواب کی تعبیر پوچھی۔ یہ سیدہ خدیجہؓ کے چچازاد بھائی تھے۔انہوں نے خواب سن کر مسکراتے ہوئے کہا۔خوش ہو جاؤ یہ چمکتا سورج جو تیرے گھر کے آنگن میں اترتا دکھائی دیا، یہ نور نبوت ہے جو تیرے نصیب میں آئے گا اور تم اس سے فیض حاصل کروگی۔

انھوں نے اپنی سہیلی نفیسہ بن منبہ کے ذریعے شادی کا پیغام بھیجا جسے آپؐ نے قبول فرمایا۔نکاح میں بنی ہاشم اور روٴسائے مکہ شریک ہوئے۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پانچ سو درہم بطور حق مہر حضرت خدیجہؓ کو ادا کئے۔ یہ روایات بھی ملتی ہیں کہ حق مہر کے طور پر بیس اونٹ دیئے گئے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کے ہاں حضرت خدیجہؓ سے چھ بچوں کی پیدائش ہوئی۔ چار صاحبزادیاں اور دو صاحبزادے.....ایک حضرت قاسمؓ جو آپؐ کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔ان ہی کے نام پر آپ نے اپنی کنیت ابو القاسم رکھی۔حضرت قاسمؓ کا صغر سنی میں انتقال ہوگیا۔ دوسری اولاد حضرت زینبؓ تھیں...... تیسرے حضرت عبد اللہؓ تھے جو زمانہ نبوت میں پیدا ہوئے اور طیب اورطاہر کے لقب سے ملقب ہوئے انہوں نے بھی بہت کم عمر پائی...... چوتھی حضرت رقیہؓ اور پانچویں حضرت ام کلثومؓ تھیں۔حضرت خدیجہؓ کی سب سے چھوٹی صاحب زادی حضرت فاطمۃ الزہراؓ تھیں۔جنہیں یہ شرف حاصل تھا کہ ان سے آپؐ کا سلسلہ نسل چلا اور دنیا میں پھیلا۔

حضور ﷺ کی عمر مبارک جب چالیس برس کی ہوئی تو طبیعت کا میلان تنہائی کی طرف زیادہ ہوگیا۔ستو اور پانی لے کر مکہ سے دو میل دور غارحرا میں تشریف لے جاتے اور کائناتی امور اور قدرت کی پھیلائی ہوئی نشانیوں پر تفکر کرتے،مظاہر قدرت کے پس پردہ کام کرنے والے حقائق کا کھوج لگاتے۔اس ہی غار میں آپؐ کے جد امجد حضرت عبدالمطلب ہر سال ایک ماہ کا عرصہ گزارتے تھے۔ غار حرا میں ایک رات جبرائیل امین تشریف لائے اور آپؐ سے کہا ''پڑھو!'' آپؐ نے فرمایا ''میں پڑھا ہوا نہیں ہوں''۔

جبرائیل امین نے آپؐ کو اپنے سینے سے لگا کر بھینچا اور کہا'' پڑھو ''۔آپؐ نے وہی جواب دہرایا۔جبرائیل نے دوبارہ بھینچ کر سینے سے لگایا اور کہا، پڑھو۔آپؐ نے فرمایا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔جبرائیل امین نے تیسری مرتبہ بازوؤں کے حلقہ میں لے کر دبایا اور کہا۔

پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے بنایا۔
آدمی لہو کی پھٹکی سے۔پڑھ اور تیرا رب بڑا کریم ہے۔
جس نے علم سکھایا قلم سے۔سکھایا آدمی کو جو نہ جانتا تھا۔
(سورۂ علق ۱۔۵)

اس واقعہ کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام گھر کی جانب روانہ ہوئے۔جس وقت آپؐ گھر تشریف لائے آپؐ کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ چکا تھا اور طبیعت میں ضعف اس قدر غالب تھا کہ آپؐ دیوار کا سہارا لے کر چل رہے تھے۔حضرت خدیجہؓ نے آپؐ کو سہارا دیا اور اس تھکان کی وجہ دریافت کی۔آپؐ نے جواب میں کہا۔ ''مجھے چادر اوڑھادو، مجھے چادر اوڑھادو''۔انہوں نے آپؐ کو چادر اوڑھادی۔جب طبیعت سنبھلی تو آپؐ نے سارا واقعہ بیان کیا اور خدشہ ظاہر کیا کہ مجھے اپنی جان کا ڈر ہے۔حضرت خدیجہؓ نے آپؐ کو تسلی دی اور کہا،

''اللہ تعالیٰ آپؐ کو رسوا نہ کرے گا،آپؐ صلۂ رحمی کرتے ہیں۔درماندوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔تہی دستوں کا بندوبست کرتے ہیں۔مہمان نوازی کرتے ہیں''۔

حضرت خدیجہؓ آپؐ کو اپنے چچازاد ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غارحرا میں پیش آنے والا واقعہ بتایا تو ورقہ بن نوفل نے کہا کہ خدا کا یہ کلام بلاشبہ وہی ''ناموس'' ہے جو اس سے پہلے حضرت موسیٰ پر نازل ہوا تھا۔لغوی اعتبار سے ناموس خدا کے ان احکام کا نام ہے جو بنی نوع انسان کے لئے وضع کئے جاتے ہیں۔ورقہ بن نوفل نے حضور ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ جو کچھ تم لائے ہو اس کی بنا پر لوگ تمہارے دشمن بن جائیں گے۔اے کاش میں اس وقت تک زندہ رہ سکوں کہ دشمنوں کے مقابلے میں تمہاری مدد کرسکوں۔حضور ﷺ پر ایمان لانے والی پہلی شخصیت ان کی زوجہ حضرت خدیجہؓ تھیں۔حضرت خدیجہؓ نے آنحضرت ﷺ کی نبوت کی صرف تصدیق ہی نہیں کی بلکہ ابتدائی اسلام ہی سے وہ آپ کی سب سے بڑی مددگار تھیں۔آغاز اسلام میں مخالفین اسلام آپ کو مبتلائے مصائب کرنے سے جو جھجک محسوس کرتے تھے اس کی بڑی وجہ حضرت خدیجہؓ کا ذاتی اثر ورسوخ تھا۔ انہوں نے آپ سے کہا تھا کہ آپ گھبرایئے نہیں اللہ ضرور آپ کی مدد کرے گا۔جب کفار ومشرکین نے آپؐ کو اذیتیں پہنچانا شروع کیں تو حضرت خدیجہؓ آپؐ کو تسلی دیتی تھیں۔

حضور ﷺ کے قریبی رشتہ داروں نے ان کے خلاف محاذ آرائی شروع کردی اور انہیں طعن وتمسخر کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ جب جماعت قریش اور خاص طور پر ابولہب اور اس کی بیوی ام جمیل نے یہ دیکھا کہ ان کی زبان کے تیر حضور ﷺ پر بظاہر اثر انداز نہیں ہو رہے تو وہ لوگ پیغمبر اسلام کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچانے پر اتر آئے۔اگرچہ ابولہب اور اس کی بیوی کا تعلق مکہ کے ''مہذب'' طبقے سے تھا لیکن اخلاقی طور پر وہ انتہائی پست درجے سے تعلق رکھتے تھے۔وہ دونوں حضور ﷺ کی طرف پتھر پھینکتے تھے جس کے باعث ان کے گھر کی کھڑکیاں جو لکڑی سے بنی ہوئی تھیں ٹوٹ جاتی تھیں۔ یہی نہیں بلکہ وہ پیسے دے کر آوارہ بچوں کے ذریعے حضور ﷺ کے گھر پر پتھراؤ کرواتے تھے اور مردہ

جانوروں کی آلائشیں اوران کی گندگی کو حضورﷺ کے گھر پھینکواتے تھے۔

حضورعلیہ الصلوٰۃ والسلام جب بھی گھر سے باہر نکلتے تو ام جمیل اورابولہب کے اکسانے پرگلی کوچوں کے بچے اور دوسرے آوارہ لوگ انہیں پتھروں کا نشانہ بناتے۔ جس سے حضورعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے سراور چہرے سے خون بہنے لگتا تھا۔حضورعلیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے دامن سے خون پونچھتے اور جب گھر واپس پہنچتے تو حضرت خدیجہؓ انہیں اس حال میں دیکھ کر دکھ بھرے لہجے میں پوچھتیں، ''یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آج بہت رنج اٹھایا ہے؟'' حضورعلیہ الصلوٰۃ والسلام جواب میں کہتے ''اے خدیجہؓ! جب انسان یہ جان لے کہ وہ کس مقصد کے لئے اور کس کی خاطر رنج اٹھا رہا ہے تو اسے دکھ اور درد کا احساس نہیں رہتا''۔ابولہب کی بیوی حضورعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی راہ میں نوکیلے کانٹے بچھاتی تھی تاکہ وہ ان کے پاؤں میں چبھ جائیں اور جب حضورعلیہ الصلوٰۃ والسلام گھر پہنچ کر اپنے پاؤں سے کانٹے نکالتے تو خون جاری ہوجاتا تھا۔حضورعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان والوں نے انہیں اتنی تکالیف پہنچائیں کہ ایک دن دلبرداشتہ ہوکر خدا کے حضور عرض کیا ''اے اللہ! تو بہتر جانتا ہے ان میں سے کوئی بھی تیرے دین کو قبول کرنے پر تیار نہیں''۔اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دلجوئی کی:

''سوسنادے کھول کر جو تجھ کو حکم ہوا اور دھیان نہ کر شرک والوں کا۔ہم بس ہیں تیری طرف سے ٹھٹھے کرنے والوں کو۔ جو ٹھہراتے ہیں اللہ کے ساتھ اور کسی کی بندگی، سو آگے معلوم کریں گے۔اور ہم جانتے ہیں کہ تیرا جی رکتا ہے ان باتوں سے۔سو تو یاد کر خوبیاں اپنے رب کی اور سجدہ کرنے والوں میں داخل رہو اور اپنے پروردگار کی عبادت کئے جاؤ جب تک پہنچے تجھے یقین''۔(الحجر ۹۴ تا ۹۹)

ابولہب نے جب یہ دیکھا کہ سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام حق بات کہنے سے نہیں رکتے تو اس نے کمینگی کی انتہا کردی۔حضورعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی دوصاحبزادیاں حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ ابولہب کے گھر بیاہی ہوئی تھیں۔حضورﷺ کو رنج میں مبتلا کرنے کے لئے اس نے اپنے دونوں بیٹوں سے انہیں طلاق دلوا کر باپ کے گھر بھیج دیا اور کہلا بھیجا کہ ابولہب کے بیٹوں کو یہ زیب نہیں دیتا کہ ان کی بیویاں ''محمد'' جیسے شخص کی بیٹیاں ہوں کیونکہ آج محمد تمام لوگوں کی نفرت اور مذمت کا شکار ہے اور ایسے شخص کے ساتھ تعلقات رکھنا مکہ میں شرم کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔حضرت خدیجہؓ اس واقعہ سے دلبرداشتہ ہوئیں لیکن حضورعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں تسلی دیتے ہوئے صبر کی تلقین کی۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک باپ تھے اور دوسرے تمام والدین کی طرح انہیں بھی اپنی بچیوں کا گھربار اجڑنے پر صدمہ پہنچا تھا لیکن خاندانی دشمنی اور طرح طرح کے نفسیاتی دباؤ کے باوجود ان کے قدم نہ ڈگمگائے اور انہوں نے خدا کے

دین کی تبلیغ میں ایک لحظہ بھی فروگزاشت نہیں کیا۔

اپنے رشتہ داروں اور قبیلہ قریش کے دوسرے افراد سے فرماتے تھے:

''ان خداؤں کی پرستش نہ کرو جو تم نے خود اپنے ہاتھوں سے بنائے ہیں۔صرف اس خدا کی عبادت کرو جس کا کوئی شریک نہیں اور جو ساری کائنات کا مالک ہے''۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قریبی رشتہ دار اور قبیلہ قریش کے دوسرے افراد ان سے یہ پوچھتے کہ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ہم ان خداؤں کی پوجا چھوڑ دیں جن کی پرستش ہمارے آباواجداد کرتے تھے۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب میں فرمایا۔'' ہاں ! خود ساختہ خداؤں کی پرستش چھوڑ دو، ایک اللہ وحدہ لاشریک کی پرستش وعبادت کرو''۔

ابو طالب قریش کی ریشہ دوانیوں سے باخبر تھے۔ قریش انہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت وپشت پناہی سے دست بردار ہونے پر مجبور کر رہے تھے۔ابو طالب نے اپنے جد اعلیٰ عبدالمناف کے دو صاحبزادوں ہاشم اور مطلب کے خاندانوں کو جمع کیا اور انہیں آمادہ کیا کہ اپنے بھتیجے محمدؐ کی حمایت وحفاظت کا جو کام اب تک وہ تنہا انجام دیتے رہے ہیں سب مل کر اس کام کو انجام دیں۔

عربی حمیت کا تقاضا تھا کہ اہل خاندان اس بات پر راضی ہو جائیں سب افراد خاندان اس تجویز سے متفق ہوئے اور انہوں نے ابو طالب کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا۔لیکن ابو طالب کے بھائی ابولہب نے مشرکین قریش کا ساتھ دیا۔حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کا قبول اسلام اور قبیلہ بنی ہاشم و بنی مطلب کا محمدؐ کی حمایت کے لیے عہدو پیمان کفار کو پسند نہیں آیا۔مشرکین جمع ہوئے اور بنی ہاشم اور بنی مطلب کے خلاف عہدو پیمان کیا کہ ان سے ہر قسم کا تعلق ختم کرلیا جائے نہ ان سے خرید و فروخت کی جائے نہ ان سے شادی بیاہ کریں۔تاوقتیکہ محمدؐ کو قتل کرنے کے لیے ہمارے حوالے نہ کردیں۔

سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی رفیقۂ حیات اور خاندان کے ہمراہ جس گھاٹی میں پناہ گزین ہوئے وہ ابوطالب کی ملکیت تھی۔جو گھاٹی درماندہ لوگوں کی پناہ گاہ تھی اس میں رسول اللہ ﷺ اورآپ کا خاندان قیام کرنے پر مجبور ہوگیا تھا۔

قریش نے مسلمانوں کو اشیائے ضرورت کی فروخت پر پابندی لگادی تھی۔اس پر ستم یہ کہ شعب ابی طالب کسی قافلہ کی گزرگاہ بھی نہیں تھی۔جس سے کھانے پینے کی چیزیں مہیا ہوسکتیں۔مسلمانوں نے شعب ابی طالب میں انتہائی دردناک مصیبتوں اور بھیانک پریشانیوں میں وقت گزارا۔انہی دنوں جب مسلمان شعب ابی طالب میں جلا وطنی کی زندگی گزار رہے تھے ایک دن حضرت خدیجہؓ کا بھتیجا اپنی پھوپھی کے لیے کچھ اشیائے ضرورت لے کر باہر نکلا۔قریش کے افراد نے جونگرانی کررہے تھے حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے کو مکہ سے باہر نکلتے ہوئے دیکھ لیا انہوں نے سامان ضبط کرکے اسے اتنا

زدوکوب کیا کہ وہ تین دن تک بستر سے نہیں اُٹھ سکا۔

ان دنوں میں مکہ کے کچھ بزرگوں نے مصالحت کی کوشش کی اورقریش سے کہا کہ وہ اجازت دیں کہ محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے ساتھی واپس چلے آئیں۔ لیکن قریش کے بزرگوں نے جواب دیا کہ اگرمحمد علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے دین سے دستبردار ہوجائیں تو مکہ واپس آسکتے ہیں۔لیکن اگروہ ایسانہیں کرنا چاہتے تو پھر وہیں پراپنی موت کا انتظار کریں ہم انہیں مکہ میں قدم رکھنے کی اجازت نہیں دیں گے۔

سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اوران کے ساتھیوں نے تین سال تک تنگی ترشی اور سختی کو برداشت کیا۔ شعب ابی طالب میں مسلمانوں کے پاس گھریلو سامان نہیں تھا اور مکہ کی سب سے زیادہ مالدار خاتون حضرت خدیجہؓ کے پاس صرف ایک ہانڈی اور مٹی کا پیالہ رہ گیا تھا اورایک دن وہ پیالہ بھی ٹوٹ گیا۔شعب ابی طالب میں مسلسل رنج والم اور دائمی بھوک کے علاوہ ایک اور حادثہ بھی رونما ہوا وہ یہ تھا کہ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زوجہ حضرت خدیجہؓ عسرت اور تنگدستی کے باعث بیمار ہوگئیں اور چونکہ علاج معالجہ کے لئے ضروری دوا اور مناسب غذا موجود نہ تھی لہٰذا سیدنا حضور علیہ الصلو ۃ والسلام کی زوجہ حضرت خدیجہؓ انتقال فرما گئیں۔زندگی کے آخری لمحات میں سیدہ خدیجہؓ کی نگاہیں رسول اقدس ﷺ کے چہرۂ اقدس پر ٹھہری ہوئی تھیں کہ ان کی پاکیزہ روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی ۔حضرت خدیجہؓ نکاح کے پچیس برس بعد تک زندہ رہیں اور ۱۱ رمضان المبارک سن ۱۰ نبوی کو ہجرت سے تین سال قبل انتقال کیا۔ جب حضرت خدیجہؓ نے زندگی کو خیر باد کہا تو ان کی عمر ۶۵ برس تھی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے پچاس سال گزر چکے تھے۔ جب حضرت خدیجہؓ نے شعب ابی طالب میں زندگی کو الوداع کہا تو ان کے لئے کفن بھی نہ تھا۔ لہٰذا حضرت خدیجہؓ کو ’’صوقعہ‘‘ (ایک ایسی لمبی چادر کو کہتے تھے جسے عرب خواتین اپنے سر ڈھانپنے کے لئے استعمال کرتی تھیں) میں لپیٹ کر سپرد خاک کر دیا گیا۔ آنحضرت ﷺ خود ان کی قبر میں اترے اوراپنی سب سے بڑی غمگسار کو داعی اجل کے سپرد کیا۔

اشاعت اسلام کے باب میں حضرت خدیجہؓ آنحضرت ﷺ کی مشیر تھیں انہوں نے زمانہ جاہلیت میں بت پرستی نہیں کی وہ اپنی دولت اور ثروت سے آنحضرتؐ کی امداد کرتی تھیں۔حضرت خدیجہؓ کی وفات سے تاریخ اسلام میں تکالیف کا ایک نیا دور شروع ہوا۔یہی زمانہ ہے جو اسلام کا سخت ترین زمانہ ہے۔اور خود آنحضرت ﷺ اس سال کو عام الحزن (سال غم) فرمایا کرتے تھے کیوں کہ حضرت خدیجہؓ کے اٹھ جانے کے بعد قریش کو کسی شخص کا پاس نہیں رہ گیا تھا اوراب وہ نہایت بے رحمی اور بیباکی سے آنحضرت ﷺ کو ستاتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ کی قدر ومنزلت اتنی تھی کہ ایک دفعہ حضرت جبریل رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس

میں حاضر ہوئے اور عرض کی: سیدہ خدیجہؓ برتن ہاتھ میں لئے ہوئے تشریف لا رہی ہیں جس میں کھانے پینے کے لئے کچھ ہے جب وہ آپ کے پاس آ جائیں تو انہیں اللہ رب العزت کا سلام کہنا اور جنت میں ایک ایسے گھر کی بشارت دینا جو مروارید کا بنا ہوا ہے اور اس کو یاقوت سے آراستہ کیا گیا ہے، پرسکون ایسا کہ اس میں کوئی شور نہیں ہوگا اور نہ ہی اس میں محنت و مشقت کی کوئی تھکن ہوگی۔

حضرت خدیجہؓ جب تک زندہ رہیں حضور ﷺ نے دوسری شادی نہیں کی۔ ان کی وفات کے بعد آنحضرتؐ کا یہ دستور تھا کہ جب کوئی جانور ذبح کرتے تو ان کی سہیلیوں کے گھر گوشت پہنچاتے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب لوگوں نے میری تکذیب کی تو خدیجہؓ نے میری تصدیق کی۔ جب لوگ کافر تھے تو وہ اسلام لائیں۔ جب کوئی میرا مددگار نہ تھا انہوں نے میری مدد کی اور میری اولاد ان ہی سے ہوئی۔

رفیقۂ حیات حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے اپنے مال و دولت، وفاشعاری و خدمت گذاری سے آپؐ کے دل کو تسلی دی۔ اس بنا پر حضور ﷺ نے ان کی وفات کو شدت سے محسوس کیا۔ ایک روز خولہ بنت حکیم تعزیت کے لئے آئیں اور افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا سیدہ خدیجہؓ کے دنیا سے رخصت ہوجانے سے آپؐ بہت غمگین دکھائی دیتے ہیں...... آپ نے فرمایا کیوں نہیں وہ میرے بچوں کی شفیق ماں تھی، غمگسار اور رازداں تھی۔ اس نے مشکل وقت میں میرا ساتھ دیا، میری رفاقت میں آکر وہ دنیا کی ہر چیز کو بھول گئی تھی، اس نے محبت، وفاداری اور سلیقہ شعاری کا حق ادا کر دیا مجھے بھلا وہ کیوں نہ یاد آئے میں کس طرح بھول سکتا ہوں۔

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ کے پاس جب کوئی چیز لائی جاتی تو آپ فرماتے کہ یہ چیز فلاں عورت کے گھر پہنچا دو وہ خدیجہؓ کی سہیلی تھی۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

''نبی اقدس جب کبھی بکری ذبح کرتے تو فرماتے کہ گوشت خدیجہ کی سہیلیوں کے گھر پہنچا دو۔'' میں نے ایک روز آپ کے سامنے اس رویے کا تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا: جن سے خدیجہؓ کو تعلق خاطر تھا میں بھی انہیں قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں میرے دل میں خدیجہؓ کی محبت گھر کر چکی ہے۔''

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں، رسول اللہ ﷺ جب بھی حضرت خدیجہؓ کا تذکرہ کرتے تو دیر تک ان کی تعریفیں کرتے رہتے، ان کے لئے بخشش کی دعائیں کرتے۔

''آپؐ نے فرمایا: اللہ کی قسم وہ مجھ پر اس وقت ایمان لائی جب لوگوں نے میرا انکار کیا اس نے مجھے جگہ دی جب لوگوں نے مجھے چھوڑ دیا اس نے میری تصدیق کی جب لوگوں نے مجھے جھٹلایا۔''

☆☆☆

شہادت دے سکیں تو گواہ بننے سے انکار درست نہیں

شریعتِ اسلامیہ نے اس بات کو ناجائز قرار دیا ہے کہ کسی انسان کو گواہی کیلئے بلایا جائے اور وہ اس سے باز رہے یا انکار کردے، یا کوئی واقعہ اس کے سامنے پیش آیا ہو مگر وہ اسے چھپائے یا خلافِ حقیقت بیان کرے۔ پہلی صورت کے متعلق قرآن میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اور وہ گواہ جب بلائے جائیں تو انکار نہ کریں (البقرہ:۲۸۲)

مقصود اس وقت کا انکار ہے جب انھیں کسی معاملے یا مخصوص واقعے میں گواہ بننے کیلئے بلایا جائے کیونکہ یہ نقص تحمل شہادت کیلئے خاص ہے، ادائیگی کیلئے مخصوص نہیں ہے اور دوسری اور تیسری حالت کیلئے قرآن مجید میں فرمانِ الٰہی ہے:

اور گواہی کو مت چھپاؤ اور جو کوئی اس کو چھپائے گا اس کا قلب گناہ گار ہوگا۔ (البقرہ:۲۸۳)

اس کے علاوہ سورۃ النساء میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ،

اے ایمان والو! انصاف پر خوب قائم رہنے والے اور اللہ کیلئے گواہی دینے والے رہو، چاہے وہ تمہارے والدین اور عزیزوں کے خلاف ہی ہو۔ وہ امیر ہو یا مفلس، اللہ بہرحال دونوں سے زیادہ حق دار ہے۔ تو خواہشِ نفس کی پیروی نہ کرنا کہ حق سے ہٹ جاؤ اور اگر تم کجی کروگے یا پہلو تہی کروگے تو جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے خوب خبردار ہے۔

(سورۃ النساء: ۱۳۵)

آخری دونوں آیات گواہی کے چھپانے اور اس کی ادائیگی سے باز رہنے سے متعلق ہیں اور جھوٹی گواہی کو حرام قرار دیتی ہیں۔

جدید قوانین جھوٹی شہادت کے عدم جواز اور شہادت کے چھپانے کو ممنوع قرار دینے میں شریعت اسلامیہ ہی کی اتباع کر رہے ہیں مگر ان قوانین کو ابھی تک اس قدر رسائی نہیں ہوئی ہے کہ یہ شہادت کے عدم تحمل (گواہ نہ بننے) کو بھی ناجائز قرار دے دیں۔ اس لئے بلاشبہ شریعتِ اسلامیہ اس پہلو میں جدید قوانین پر فوقیت رکھتی ہے۔ کیونکہ مفادِ عامہ کا تقاضا یہی ہے کہ حقوق کی حفاظت کی جائے، لوگوں کے درمیان معاملات کو سہل بنایا جائے اور اس معاملے میں گواہی سے انکار نہ کیا جائے جس سے لوگوں کے حقوق ضائع ہوں اور معاملات میں پیچیدگی اور تاخیر پیدا ہو۔ نیز کچھ معاملات ایسے بھی ہیں جن میں گواہوں کی موجودگی ضروری ہے جیسے عقدِ ثانی۔ اگر تحملِ شہادت سے باز رہنے کو جائز قرار دے دیا جائے تو اس قسم کے معاملات معطل ہوجائیں گے۔

گواہ بننے سے باز رہنے، گواہی چھپانے اوراس میں تغیر کرنے کے عدم جواز کے بارے میں شریعت اسلامیہ کی دفعات حد درجہ عمومیت کی حامل اور لچکدار ہیں اوراس بات کی دلیل ہیں کہ شریعت اسلامیہ ترمیم اور تبدیلی کو قبول نہیں کرتی۔

اگر شریعت اسلامیہ کا جدید قوانین سے موازنہ کیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ شریعت میں کس قدر رفعت اور کمال ہے، اور شریعت کی دفعات معاشرتی صورتحال کا ساتھ دینے کیلئے نہ تھیں بلکہ اس لئے تھیں کہ ایک مکمل، جامع اور دائمی شریعت کیلئے ان کی ضرورت تھی اور انسانیت معاشرتی رفعت کیلئے ان کی محتاج تھی، تا کہ جماعتی معیار بلند ہوکر شریعتِ کاملہ کے معیار کے قریب آ سکے۔

آرٹیکل۳ شہادت کون دے سکتا ہے

:(Who may testify)

تمام اشخاص شہادت دینے کے اہل ہوں گے تاوقتیکہ عدالت یہ نہ سمجھے کہ وہ صغرسنی یا انتہائی ضعیف العمری یا علالت، خواہ جسمانی ہو یا ذہنی یا اسی قسم کے کسی اور سبب سے ان سوالات کے سمجھنے یا ان کا معقول جواب دینے سے معذور ہیں جو ان سے پوچھے جائیں:

مگر شرط ہے کہ کوئی شخص شہادت دینے کا مجاز نہیں ہو گا اگر اسے کسی عدالت نے دروغ حلفی یا جھوٹی گواہی دینے کیلئے سزا دی ہو:

اے ایمان والو! انصاف پر خوب قائم رہنے والے اور اللہ کیلئے گواہی دینے والے رہو، چاہے وہ تمہارے والدین اور عزیزوں کے خلاف ہی ہو۔ وہ امیر ہو یا مفلس، اللہ بہرحال دونوں سے زیادہ حق دار ہے۔ تو خواہشِ نفس کی پیروی نہ کرنا کہ حق سے ہٹ جاؤ اور اگر تم کجی کرو گے یا پہلو تہی کرو گے تو جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے خوب خبردار ہے۔ (سورۃالنساء: ۱۳۵)

مزید شرط ہے کہ پہلے فقرہ شرطیہ کے احکام کا اطلاق ایسے شخص پر نہیں ہوگا جس کے بارے میں عدالت کو اطمینان ہو کہ وہ اس کے بعد تائب ہو گیا ہے اور اس نے اپنے اطوار کی اصلاح کر لی ہے:

مزید شرط ہے کہ عدالت کسی گواہ کی اہلیت کا تعین احکامِ اسلام کی رو سے جس طرح کہ ان کا تعین قرآن پاک اور سنت میں کیا گیا ہے مقرر کردہ شرائط کے مطابق کرے گی، اور جب کہ ایسا گواہ موجود نہ ہو، عدالت ایسے گواہ کی شہادت لے سکے گی جو دستیاب ہو سکے۔

تشریح (Expanation) :

مجنون شہادت دینے کے قابل نہیں ہے تاوقتیکہ وہ جنون کے باعث ان سوالات کے سمجھنے اور معقول جواب دینے سے معذور نہ ہو جو اس سے پوچھے جائیں۔

عظیمی

روغن
پرسیاؤشاں

گھنے، لمبے اور چمکدار
بالوں کی نشو ونما کے لئے
جڑی بوٹیوں سے تیار کیا ہوا تیل

- حافظہ روشن کرتا ہے
- دماغ کو تقویت دیتا ہے
اور
- سر درد میں مفید ہے

رنگ اور مصنوعی
خوشبو سے پاک

عظیمی میڈیکل اسٹور

ہول سیل میڈیسن مارکیٹ، ڈینسو ہال، کراچی۔
فون: 021-32439104 موبائل: 0321-2553906

حضور قلندر بابا اولیاءؒ فرماتے ہیں:۔

"اللہ نے اپنے ذہن میں موجود کائناتی پروگرام کو شکل وصورت کے ساتھ ساتھ وجود میں لانا چاہا تو کہا ''کن'' تو اللہ کے ذہن میں کائناتی پروگرام ایک ترتیب اور تدوین کے ساتھ اس طرح وجود میں آ گیا....

* ایک کتاب المبین
* ایک کتاب المبین میں تیس کروڑ لوح محفوظ
* ایک لوح محفوظ میں اسی ہزار حضیرے
* ایک حضیرے میں ایک کھرب سے زیادہ مستقل آباد نظام اور بارہ کھرب غیر مستقل نظام۔
* ایک نظام کسی ایک سورج کا دائرہ وسعت ہوتا ہے۔ ہر سورج کے گرد نو بارہ یا تیرہ سیارے گردش کرتے ہیں۔"

عالمی ادارہ فلکیات (IAU) کے مطابق کائنات میں موجود کوئی بھی شمسی نظام ایک سورج اور اس کے اردگرد گھومنے والے اجرام فلکی پر مشتمل ہوتا ہے۔ ہم اپنی زمین پر رہتے ہوئے جس شمسی نظام سے واقف ہیں اس نظام میں ایک سورج اور اس کے اردگرد سیارے، بہت سے چاند، سیارچے، کومیٹ اور دوسرے چھوٹے اجرام فلکی شامل ہیں۔ اس تمام نظام میں سورج کی حیثیت ایک چمکدار یا روشنی مہیا کرنے والے ستارے کی سی ہے جبکہ باقی تمام اجسام ایک رعیت کی حیثیت سے اپنی بقا کے لئے سورج سے مختلف صورتوں میں وسائل حاصل کرتے ہیں۔ جن میں ان اجسام کے خدوخال، ان کی کشش اور گردش کے علاوہ ان اجرام پر موجود مرئی اور غیر مرئی روشنیاں شامل ہیں۔ یہ تمام نظام ایک بڑے کائناتی نظام میں انڈے کی شکل میں پھیلا ہوا ہے۔ موجودہ سائنسی مشاہدے اور تجربے سے حاصل ہونے والے علم کی بنیاد پر ہم اپنے نظام شمسی کے علاوہ ایک اور نظام شمسی سے بھی واقف ہیں۔ جسے KOI-500 کہتے ہیں اس مضمون میں ہم صرف اپنے نظام شمسی کی ساخت اور اس کے مربوط نظام کا تجزیہ کریں گے۔ KOI-500 کا تذکرہ ہمارے موضوع کے دائرے کار سے باہر ہے۔

ہمارے نظام شمسی میں مادے کی 99.9 فیصد مقدار سورج میں مرتکز ہے۔ ارتکازِ مادہ کی اتنی بڑی مقدار ہونے کی وجہ سے سورج اپنے اندر بے انتہا تجاذبی کشش رکھتا ہے جو اسے اپنی رعیت یعنی سیاروں اور

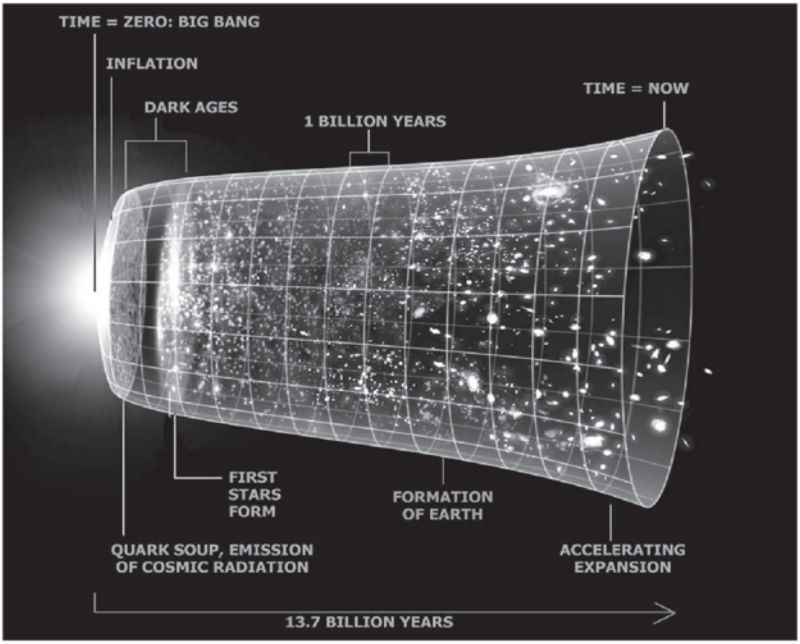

چاند وغیرہ پر مشتمل نظام کو ایک بیضوی شکل میں رکھنے میں مدد دیتی ہے۔ سورج سے مختلف فاصلے پر کل 13 سیارے اور سیارچے موجود ہیں۔ جس میں 8 سیارے عطارد، زہرہ، زمین، مریخ، مشتری، زحل، یورینس اور نیپچون شامل ہیں۔ جیسا کہ تصویر میں دکھایا گیا ہے۔ اول الذکر چار سیاروں کی ساخت ٹھوس چٹانوں اور دھاتوں پر مشتمل ہے جبکہ مؤخرالذکر اپنی ماہیت میں عظیم الجثہ گیس کے گولے کی مانند ہیں۔ یہ گیس ان کے ٹھوس وجود کو بادلوں کی شکل میں گھیرے ہوئے ہے جو کہ اس سیارے کی کمیت میں اضافے کا سبب بھی بنتی ہے۔ ہمارے شمسی نظام میں ان اجرام کے علاوہ کچھ بیلٹ بھی موجود ہیں جن میں سے ایک مریخ اور مشتری کے درمیان میں ہے اور دوسری نیپچون کے پاس ہے۔ ان میں بونے سیارے گردش کر رہے ہیں، جن کی تعداد 5 بتائی جاتی ہے۔ ان کے نام سیرس، پلوٹو، حاؤمی، میک میک اور ایرس ہیں۔ ان کے علاوہ ان گنت ذرات بھی موجود ہیں جو کہ ہمارے نظام شمسی میں مختلف سیاروں کے مابین پھیلے ہوئے ہیں۔ ان ذرات کی اکثریت اُن سیاروں کے گرد موجود ہے جو زیادہ تر گیس سے بنے ہیں۔

متذکرہ بالا چھ سیاروں اور تین بونے سیاروں کے اردگرد ایک یا ایک سے زائد چاند بھی گردش کر رہے

ہیں۔ جن پر کم وبیش وہی عناصر پائے گئے ہیں جو کہ بقیہ دوسرے سیاروں میں مشاہدہ کئے گئے ہیں۔

موجودہ کائناتی نظام کی پیدائش کے 3D کمپیوٹرائزڈ نظریاتی ماڈل کے مطابق ہمارے نظام شمسی کی پیدائش تقریباً 4ارب 60 کروڑ سال پہلے عمل پذیر ہوئی۔ مادے کی زیادہ تر مقدار تمام تجاذبی کشش کی وجہ سے سمٹ کر ہمارے سورج کی شکل میں ڈھل گئی جبکہ باقی مادہ چھوٹی چھوٹی ڈسک نما پلیٹوں کی شکل میں اس کے ارد گرد پھیل گیا۔ یہی وہ بنیادی پلیٹیں ہیں جن پر فضا میں بکھرے ذرات آہستہ آہستہ چپکتے گئے اور مسلسل ارتقائی عمل سے گزر کر آج کے سیارے، بونے سیارے اور چاند کی تشکیل ہوگئی۔ عالمی یونین برائے فلکیات (IAU) کے جدید ماڈل کے مطابق سیارہ ایک ایسا فلکی جسم ہوتا ہے جو قابل تذکرہ کمیت کے ساتھ ایک واضح بیضوی راستے پر سورج کے گرد گھوم رہا ہو۔ اس کے علاوہ اس کے راستے میں یا متوازی طور پر کوئی اور فلکی جسم اس طرح سے نہ گھوم رہا ہو کہ اِس سیارے کی تجاذبی کشش کا اُن پر اثر نہ ہو۔ ایسے متوازی طور پر متحرک اجرام فلکی متذکرہ بالا دونوں بیلٹ میں پائے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بیسوی صدی سے پہلے سیاروں کی تعداد 9 بتائی جاتی تھی مگر IAU کے نئے سٹینڈرڈ کے مطابق سیا روں کا نیا گروپ بنا دیا گیا جنہیں ''بونے سیارے'' کہا گیا۔ ان کی تعداد ابھی تک 5 دریافت ہوئی ہے جو اگرچہ کمیت میں انتہائی کم ہیں مگر واضح بیضوی راستہ پر سورج کے گرد محوگردش ہیں۔

انسانی آنکھ سے واضح طور پر دکھائی دینے والے سیاروں، چانداور سورج کے مشاہدے سے نظام شمسی پر غور وفکر کا سفر شروع ہوا۔ عدسہ سے لیکر پیچیدہ دور بینی آلات تیار کئے گئے۔ حتیٰ کہ دور دراز ستاروں اور سیاروں سے آنے والی مرئی اور غیر مرئی غرض کہ ہر قسم کی روشنی کا مطالعہ بھی کیا جانے لگا۔ روشنی کی شعاعوں کا تجزیہ طیف پیمائی کے آلات سے کیا گیا۔ ماہرین فلکیات نے خلاء میں سفر کی کاوشیں فروغ کیں جس نے مزید راستے کھولے۔ بتایا جاتا ہے کہ انسان نے چاند پر چہل قدمی کی اور وہاں کی مٹی کے نمونے اکٹھے کئے۔ امریکی خلائی ادارہ NASA اور یورپی خلائی ادارہ ESA نے راکٹ کی مانند بڑے بڑے خود کار اور مصنوعی ذہانت سے آراستہ آلات کو زہرہ اور مریخ پر اتارا تاکہ وہ وہاں کی مٹی کے مختلف نمونے حاصل کر کے ان کا تجزیہ کرسکیں اور ان کے متعلق زیادہ سے زیادہ انفارمیشن زمین پر بھیج سکیں۔ میرینز، پائی نیر، وغیرہ، وائی کنگ اور وائیجر خلائی مشن سے عطارد سے نیپچون تک مختلف فلکی اجسام کا گہرا مطالعہ کیا گیا۔ ہر مطالعے سے حاصل ہونے والے ڈیٹا پر ماہرین نے اپنے اپنے نظریات پیش کئے اس خلائی ڈیٹا سے شمسی نظام کا ایک عمومی ماڈل بنانے کی سعی شروع ہوگئی یعنی ایسا ماڈل جس کی تعریف پر تمام شمسی نظام پورے اتر سکیں پھر اس ماڈل کو سٹینڈرڈ کے مطابق پیش کر دیا گیا اس ماڈل کے مطابق کسی بھی

شمسی نظام میں تقریباً 18 خصوصیات ایک معین مقدار میں ہونی چاہیں۔ IAU کے کمپیوٹرائزڈ تمثیل کے مطابق ان مقداروں کی موجودگی اس شمسی نظام کے استحکام اور بقا کا باعث بنتی ہیں اور اس کو پورے کائناتی نظام میں مخصوص توازن کے ساتھ فعال رکھتی ہیں۔ مقداروں میں ردوبدل مقررہ شمسی نظام میں توازن کو بگاڑ دیتی ہیں جو کہ خود اس شمسی نظام میں تخریب کا سبب بنتی ہیں اور اس سے متصل نظاموں میں بھی عدم استحکام پیدا کرتی ہیں۔

یہ اٹھارہ اوصاف مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ اوسطً مداروی فاصلہ۔(سورج سے سیارے کا اوسطً مدار کتنے فاصلے پر ہوتا ہے)

۲۔ اپنے سورج سے نزدیک اور دورترین فاصلہ۔(سیارہ سورج کے گرد گردش کے دوران زیادہ سے زیادہ اور کم سے کم کتنے فاصلے پر ہوتا ہے)

۳۔ سیارے کے کرہ کا رداس۔(سیارے کا اپنے مرکز سے بیرونی سطح کے مابین فاصلہ)

۴۔ کرہ کا محیط۔(سیارے کی گولائی کیوں کہ سیارے مکمل طور پر گول نہیں ہیں)

۵۔ کرہ کا حجم۔(سیارے کا حجم)

۶۔ کرہ کی کمیت۔ (سیارے میں مادہ کی مقدار)

۷۔ کرہ کی کثافت۔(سیارے میں مادے کی کثافت جو کہ ٹھوس اور چھوٹا سائز ہونے کی صورت میں زیادہ ہوتی ہے)

۸۔ کرہ کا سطحی رقبہ۔(کرہ کی کتنی سطح نمایاں ہے)

۹۔ کرہ کی قوت ثقل۔(کرہ کتنی مقدار سے اشیاء کو اپنی طرف کشش کرتا ہے)

۱۰۔ کرہ سے فراری رفتار۔(وہ رفتار جس سے کرہ کی حدود سے اس طرح باہر نکلیں کہ اس کی کشش محسوس نہ ہو)

۱۱۔ کرہ کی اپنی رفتار۔

۱۲۔ کرہ کا مداروی وقت۔(کرہ اپنے مدار میں کتنا وقت لگاتا ہے؟ جیسا کہ زمین 365.4 دن لگاتی ہے)

۱۳۔ کرہ کی مداروی رفتار۔(کرہ اپنے مدار میں کس رفتار سے آگے بڑھ رہا ہے)

۱۴۔ کرہ کا محوری جھکاؤ۔(کرہ اپنے مدار میں اپنے مرکز کے گرد بھی گھوم رہا ہے اس گھماؤ میں لٹو کی طرح اپنے محور سے ٹیڑھا پن یا زاویہ کتنا ہے؟)

۱۵۔ کرہ کا طولانی جھکاؤ۔(کرہ کا محوری جھکاؤ کی طرح کرہ کا سورج کے گرد محور بھی ترچھے زاویہ کی مانند ہوتا ہے)

۱۶۔ کرہ کی مداروی حدود۔(کرہ کے مدار کا پھیلاؤ کتنا ہے اس سے مدار کی شکل کا تعین ہوتا ہے۔ جیسے بیضوی یا دائرہ وغیرہ)

۱۷۔ کرہ کا سطحی درجہ حرارت۔ (کرہ کے اندر اور باہر عناصر کتنی مقدار سے مرتعش ہیں)

۱۸۔ کرہ کی فضا میں موجود تمام عناصر۔(کرہ کی ساخت میں کون کون سے مادی اجزاء مرئی یا غیر مرئی ٹھوس، مائع یا گیس کی شکل میں موجود ہیں)

مندرجہ بالا خصوصیات سائنسدانوں نے زمین سے خلا میں بھیجی جانے والی ایک خلائی وہیکل ''وائیجر'' کے ذریعے حاصل کیں اس Data کا مزید تجزیہ طیف پیما کے ذریعے کیا گیا۔ اس ڈیٹا کے دو حصے ہیں ایک حصے کی مدد سے مختلف سیاروں کی تجاذبی کشش،

درجہ حرارت ، فضا میں پائے جانے والے عناصر، سیاروں کے مابین موسمی اور طبعی حالات کا موازنہ کیا گیا جبکہ حرکات اور کشش سے متعلق Data کے ذریعے پورے شمسی نظام کے مابین مربوط اور مستحکم محوری گردش کا نقشہ تیار کیا گیا۔ طیف پیمائی عام بصری آلات کے برعکس فلکی اجسام کے ظاہری خدوخال کے علاوہ ان کے پوشیدہ اوصاف بھی دیکھتی ہے یہ اوصاف ان اجرام سے خارج ہونے والی حراری شعاعوں کی ماہیت سے اخذ کئے جاتے ہیں۔ یہ حراری شعاعیں مختلف فریکوئنسی اور درجہ حرارت کی حامل ہوتی ہیں ان کے اوصاف ہی ان حراری شعاعوں کی لطافت کو ظاہر کرتے ہیں جن سے سیارہ یا ستارہ کے ظاہری جسم کے پس پردہ کام کرنے والے عوامل اور ان کے باہمی اثرات کا پتہ چلتا ہے کسی بھی سیارہ یا ستارہ میں رونما ہونے والی تبدیلی بھی حراری شعاعوں کے طیف میں نمایاں ہو جاتی ہے اگر دو سیاروں میں یکساں تبدیلی نظر آرہی ہو تو محرکات بھی کم و بیش ایک جیسے ہی مانے جاتے ہیں۔

حراری شعاعوں کا طیف زہرہ، زمین اور مریخ کے مابین واضح مماثلت رکھتا ہے۔ زہرہ اور زمین اگرچہ سائز میں برابر ہیں اور مریخ نسبتاً چھوٹا دکھائی دیتا ہے مگر زمین اور مریخ قریب قریب ایک ہی رفتار سے گردش کر رہے ہیں جبکہ زہرہ کی رفتار مقابلتاً آہستہ ہے۔ زہرہ اور مریخ کی فضا میں کاربن ڈائی آکسائیڈ بکثرت موجود ہے جبکہ زمین کی فضا میں زیادہ تر نائٹروجن، آکسیجن اور کچھ کاربن ڈائی آکسائیڈ موجود ہے۔ اتنی مماثلت کے باجود یہ تینوں سیارے سورج سے فاصلے، فضائی دباؤ اور سطحی درجہ حرارت میں ایک دوسرے سے قطعی مختلف ہیں جسکی وجہ ان کی فضا میں موجود عناصر کی مقداروں میں فرق اور زہرہ کی رفتار بتائی جاتی ہے۔

ماہرین فلکیات کے مطابق ہمارا نظام شمسی 4 ارب 60 کروڑ سال پرانا ہے اس میں ایک سورج کے گرد جس میں 8 بڑے سیارے اور 100 سے زائد چاند محو گردش ہیں۔ جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے سورج کے گرد محو گردش چھوٹے بڑے اجسام کو یا تو عام انسانی آنکھ سے دیکھا جا سکتا ہے یا پھر ان کی موجودگی ان سے نکلنے والی غیر مرئی شعاعوں کی طیف پیمائی ریکارڈنگ کے ذریعے محسوس کی گئی ہے۔ تمام سیارے اور چھوٹے اجسام سورج کے گرد بیضوی شکل میں گردش کر رہے ہیں۔ یہ پورا نظام ایک بڑے کہکشانی نظام کا حصہ ہے جسکی جھلک تاریک اور صاف راتوں، ہم آسمان پر ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیلی دودھیا چوڑی پٹی میں دیکھ سکتے ہیں جس میں چھوٹے بڑے بے شمار ستارے جھلملاتے دکھائی دیتے ہیں اس ہی کو ملکی وے (Milky Way) کہتے ہیں۔ اندازہ لگایا گیا ہے اس ملکی وے (MilkyWay) میں ہمارے سورج کی طرح مزید دو کھرب سورج اور بھی موجود ہیں۔

کہکشانی نظاموں کے مابین بے پناہ فاصلوں کو اگر روائتی پیمائش مثلاً کلو میٹر یا میل میں ناپا جائے تو شمار اتنا بڑھ جاتا ہے جیسے 10 کے ساتھ کئی سو صفر کا اضافہ کر دیا جائے۔ ظاہر ہے اتنے بڑے نمبر تحریر میں نہیں لائے جا سکتے۔ اس وجہ سے ماہرین اعداد و شمار نے مختلف پیمائشی شمار وضع کئے ہیں مثلاً فلکیاتی یونٹ اور نوری سال وغیرہ۔ سورج سے زمین کا فاصلہ ایک فلکیاتی یونٹ (AU) مانا جاتا ہے اس لحاظ سے سورج سے زمین کا فاصلہ 1 AU ہے جبکہ مشتری کا فاصلہ 5 AU اور آخری سیارہ نیپچون 30 AU کی مسافت پر ہے جبکہ ہبل ٹیلی اسکوپ سے نظر آنے والے آخری بونے سیارے ''ایرس'' کا فاصلہ 67 AU ہے اگر ہم فزکس کے قوانین حرکت کی مدد سے یہاں تک پہنچنے والی روشنی کے دورانیہ کا تخمینہ لگائیں تو سورج سے 9 گھنٹے لگیں گے یاد رہے کہ روشنی کی رفتار فی سیکنڈ 300,000 کلو میٹر معلوم کی گئی ہے۔ بالکل اسی طرح سے 1973ء میں داغی جانے والی ''پائی نیئر خلائی وہیکل'' اب 80 AU کے فاصلے پر ہے جبکہ وائیجر دوئم 90 AU کے فاصلے پر ہے جہاں سورج کی روشنی 13 گھنٹے بعد پہنچتی ہے۔

غرض کہ ہمارے شمسی نظام کا پھیلاؤ اپنی اسپیس میں اتنا زیادہ ہے کہ موجودہ سائنس جدید ترین آلات کی مدد سے اتنی اسپیس کا حتمی تخمینہ لگانے سے قاصر ہے۔ اگرچہ ماہرین اعداد و شمار کیلئے روشنی کی رفتار کو بنیاد بنا کر مختلف شماری نظاموں کے ذریعے ان فاصلوں کا تعین کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر اس شمار کی تصدیق کا کوئی مستند طریقہ ابھی سامنے نہیں آیا۔ زمانی اور مکانی فاصلے کی پیمائش کی حتمی تشریح ابھی تک وضاحت طلب ہے۔

خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب روشنی سے بھی تیز لہروں کی موجودگی کی وضاحت میں فرماتے ہیں:۔

''سائنسداں روشنی کو زیادہ سے زیادہ تیز رفتار قرار دیتے ہیں لیکن وہ اتنی تیز رفتار نہیں ہے کہ وہ زمانی اور مکانی فاصلوں کو منقطع کر دے۔ البتہ انا کی لہریں لاتناہیت میں بیک وقت ہر جگہ موجود ہیں زمانی مکانی فاصلے ان کی گرفت میں رہتے ہیں۔ بالفاظ دیگر یوں کہہ سکتے ہیں کہ ان لہروں کے لئے زمانی مکانی فاصلے موجود ہی نہیں ہیں روشنی کی لہریں جن فاصلوں کو کم کرتی ہیں انا کی لہریں ان ہی فاصلوں کو بجائے خود موجود نہیں جانتیں''۔

سیاروں کی محوری گردش ہمارے پورے شمسی نظام کے استحکام میں کیا کردار ادا کرتی ہے اور کیا سورج اپنے اپنے شمسی نظام میں مشرق سے مغرب ہی طلوع و غروب ہوتے دکھائی دیتے ہیں یا مغرب سے مشرق کی جانب بھی طلوع و غروب ہوتے ہیں؟

ماہرین کے ان نظریات کو ہم آئندہ حصے میں پیش کریں گے۔

روح موت زیست......زندگی اور موت کی، منازل طے کرتی ہے۔ جب جوانی میں خرمستیاں عروج پر ہوتی ہیں۔ بڑھاپا زیادہ تر فرسودہ روایات کے جال میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ شعور جس پر دنیا کی تمام دلچسپیاں قائم ہیں ان میں بتدریج تنزل اور ارتقاء کا عمل جاری رہتا ہے۔ بالآخر ذی روح جس طرح عالم غیب سے زمین پر آیا تھا اسی طرح عالمِ غیب میں داخل ہو جاتا ہے ......کارزارِ حیات میں زندگی مختلف روپ میں بدلتی رہتی ہے۔ ہر دور میں حیات اور عدم حیات کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ فقیر کی دانست میں یہی تخلیق کا راز ہے۔ تاریخ میں اس کی مثالیں واضح طور پر موجود ہیں۔

ایک وقت عرب عیش و نشاط کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ خودنمائی کا یہ عالم تھا کہ اپنے علاوہ دوسروں کو عجمی یعنی گونگا کہتے تھے۔ اللہ کی بے حرمتی کا یہ حال تھا کہ اللہ کے گھر کو بتوں سے سجا رکھا تھا بتوں سے منت مرادیں اور وسائل طلب کرتے تھے۔

ایک عرب نے پر شباب جوانی میں اپنے بوڑھوں سے ابراہیمؑ کے بارے میں سن رکھا تھا لیکن یہ بات سنی سنائی ہو کر رہ گئی اس حقیقت پر توجہ دینے کی ضرورت بھی نہیں تھی کیوں کہ وہاں کی زمین پر بسنے والوں نے جو معاشرہ قائم کر رکھا تھا کہ اس میں نوجوان کو برائیاں نظر نہیں آتی تھیں۔ جنسی آماجگاہ لازم و ملزوم مشاغل، شراب، جوا، رقص و سرور، عیش و عشرت کے کرداروں نے معاشرہ کو پسندیدہ بنا لیا تھا۔ ایسا اس لئے تھا کہ معاشرہ میں اس وقت کوئی گرفت نہیں تھی۔ جن چیزوں کی وہ پرستش کرتے تھے وہ خانہ کعبہ کی مقدس زمین میں رکھے گئے تھے۔ ان سے منتیں مانگتے اور جب خواہشات کی تکمیل ہو جاتی تو پجاریوں کو خوش کرنے کے لئے نذر نیاز میں ریشمی ملبوسات، جانور اور زر و جواہرات ان کی نذر کر دیتے تھے۔ ان غیر حقیقی عقیدوں اور رقص و سرور کی محفلوں اور جوانی کی تند موجوں نے انہیں کبھی حقیقی زندگی کے بارے میں سوچنے نہیں دیا......لیکن جب اس معاشرہ میں چند لوگوں نے زندگی کی آخری منازل کے بارے میں سوچا اور انہیں موت کا یقین ہو گیا تو ذہن میں یہ خیال موجیں بن کر ابھرا کہ جب ہم مرجاتے ہیں تو کیا ہوتا ہے کیا موت کے بعد بھی زندگی ہے......؟ اس بے راہ گروہ میں سے ایک نے زندگی کے دم توڑتے مسافر کی طرح اپنے ہم خیال دوستوں سے اس بارے

میں بات کی، اس کے دوستوں میں سے ایک نے بتایا کہ میں نے اپنی منزل عیسائیت کے دائرہ میں تلاش کر لی ہے اور یہ بات عقیدہ سے آگے نہیں بڑھی۔ کیونکہ تین خداؤں کی بات نہ دوست سمجھ سکا تھا او رنہ اس کا ساتھی۔ اس کے ذہن کے دریچوں میں نصرت آمیز ہوا کا جھونکا آیا کہ اگر کوئی مالک و قادر ہستی ہے تو وہ کون ہے؟ بائبل بتاتی ہے کہ ایک ہستی ہے جو مرنے کے بعد اعمال کے نتیجہ میں سزا اور جزا دے گی...... ذہن نے کروٹ بدلی وہ کون ہے...... حق کیا ہے؟

بوڑھے زید نے یہ بات اچھی طرح سے جان لی تھی کہ اس کی قوم جس مذہب پہ چل رہی ہے اس کا تعلق جدامجد حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسماعیلؑ اور حضرت اسحاقؑ سے نہیں ہے...... اس کے ذہن میں یہ یقین پیوست ہوگیا کہ ہاتھوں سے تراشے ہوئے بت خالق و مالک نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ خود مجبور مخلوق کے ہاتھوں سے پتھروں کی بنائی ہوئی مختلف تصویریں ہیں۔ اب یہ خیال دامن گیر ہوا جس نے اس کے تجسس میں جوار بھاٹا پیدا کر دیا کہ رزق کون دیتا ہے......؟ زمین کی کوکھ سے درخت کون اگاتا ہے......؟ درختوں پر پھل کس کی قدرت سے لگتے ہیں؟ آدمی زندگی اور موت کے پنجرے میں بند ایک پرندہ کی طرح ہے۔ کوئی ہستی ہے جو پیدا کرتی ہے۔ پیدائش کے بعد رزق دیتی ہے۔ جو بچپن، جوانی اور بڑھاپے کے نشیب و فراز سے گزار کر بالآخر موت کی نیند سلا دیتی ہے۔

زید کے ضمیر نے اسے بتایا کہ وہ اللہ ہے۔ اللہ اپنے بندوں کا رب ہے رب سے مراد یہ ہے کہ وہ زندگی کے ہر قدم پر بندوں کا مددگار ہے۔...... اس کے ذہن کے تار جب بج اٹھے تو اس کا شعور ساز کی آواز میں کھو گیا، آواز میں ہم آہنگی، گداز اور یقین کی وہ لہریں اس نے محسوس کیں جس سے اس کے اندر سویا ہوا شعور بیدار ہوگیا اور اس نے یقین کر لیا وہ طاقت جس نے کائنات بنائی۔ کائنات میں تخلیقات کو زندگی بخشی، زندگی گزارنے کے لئے زمین کو یہ صلاحیت دی کہ وہ اس کی مخلوقات کے لئے اپنی پشت پر مستقل دسترخوان سجائے رکھے اللہ ہے۔

☆............☆............☆

زید بن عمرو شروع ہی سے شریف الطبع اور حق گو انسان تھا۔ اس کے دامن پر گناہ کے داغ دھبے ضرور تھے لیکن وہ دوسروں کی طرح گناہوں کے دلدل میں نہیں پھنسا تھا۔

اس کے اندر اسکی اچھی صفات نے اخلاقی جرات پیدا کی۔ اس کا ضمیر جس بات کی گواہی نہ دیتا وہ اس کو چھوڑ دیتا۔ اس بات نے اس کے دوستوں کو اس کا مخالف کر دیا۔ اب اس نے علی الاعلان بتوں کو پوجنے سے انکار کر دیا اس پر عربی معاشرہ کا پہلا عتاب نازل ہوا اور اس سے سرداری کا منصب چھین لیا گیا جو عرب معاشرہ میں سب سے بڑی ذلت و رسوائی تھی۔

اب وہ عرب معاشرہ کا ایک عام انسان تھا۔ ایک دن جب سائے طویل ہو گئے اور رات کی دبیز چادر نے دن

کی روشنی کوتقریباً چھپا لیا تو وہ بنو ہاشم کے سردار عبدالمطلب کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس سے پورے راستہ دین ابراہیمؑ کے بارے میں سوال کرتا رہا۔

یہ وہ رات تھی جب خانہ کعبہ میں پتھر کے بتوں کوغسل دیا جارہا تھا۔دوشیزائیں نیم برہنہ لباس میں رقص کررہی تھیں۔مرد،عورتیں پتھر کی بنی ہوئی مورتیوں کے جسم کو زبان سے چاٹ رہے تھے۔ان کاعقیدہ تھا کہ اس پاک پانی کو پینے سے ہمیں بیماریوں سے نجات مل جائے گی۔ کچھ اولاد کے خواہش مند دیوتاؤں کے سامنے بے شرمی کا مظاہرہ کررہے تھے اور پرامید تھے کہ اب وہ صاحب اولاد ہوجائیں گے......خانہ کعبہ میں اس قدر شوروغل تھا کہ کان پڑی آواز بھی سنائی نہیں دیتی تھی۔ ہوا میں ارتعاش ہوااوراچانک زید کی آواز گونجی......

اے لوگو! تم لوگ اپنے جدامجد حضرت ابراہیمؑ کے دین سے پھر چکے ہو۔ پروہت اور پجاری چندلمحوں تک اس آواز دینے والے کی طرف دم بخود دیکھتے رہے...... لیکن دوسرے ہی لمحے انہوں نے زید کوگھیر لیالیکن اس کا خاندان بنی نجار زید کے لئے حصار بن گیااوراس طرح دین ابراہیمؑ کے پرستار کا سوشل بائیکاٹ کردیا گیا۔

زیددن بھرجھلسا دینے والی دھوپ میں فاران کے پہاڑوں میں سرگرداں رہتا۔اورجب آسمان پر ستارے درخشاں ہوجاتے تووہ ستاروں کی چمک میں اللہ کےنورکوتلاش کرتا۔

یہ سب تو تھا لیکن یہاں سکون تھا......دل کی دنیا تاریک نہیں تھی وہ اپنے اندر کی روح سے بھی شرمندہ نہیں تھا اس خلوت نے زید کے اندر کو جگادیا۔وہ گھنٹوں وہاں سے اللہ کے گھر کی طرف دیکھتا رہتا۔اسے مسلسل توجہ کی یکسوئی سے دھندلا دھندلا سا اللہ کا گھر ''کعبہ'' نظر آتا تھا۔اس کی آنکھوں کے سامنے سائے رقص کرنے لگتے اوروہ محسوس کرتا کہ یہ سائے اللہ کے گھر کا طواف کررہے ہیں ۔تنہائی ، اضطراب اور بے چین دل میں یہ خیال الہام ہوا ویرانہ میں زندگی گزارنے سے بہتر ہے کہ ابراہیمؑ کے سچے پیروکاروں کی تلاش کی جائے۔

حق کی تلاش کے سچے مسافر کوایسا لگا جیسے اسے منزل مل گئی ہواور پھر برسوں کی مسافت کے بعد ایک راہب نے اسے منزل کی نشاندہی کر دی ......گوکہ سفر دشوار راستہ اور اس میں نشیب وفراز سے گزرنے کی راہیں مشکل تھیں لیکن سچی لگن نے اس کے اندر جوانی کو متحرک کردیا،زیدنے دن رات سفر جاری رکھا۔

کتنا خوش نصیب تھا وہ راہ حق کا مسافر جو برسوں کی تلاش کے بعد منزل تک پہنچ گیا۔وہ پلٹا اور دیوانہ وار اللہ کے گھر کی جانب چل پڑا۔ہم سفر اونٹ نے بھی اس کا ساتھ دیا۔اگر زید نہیں تھکا تو اونٹ نے بھی اس کے ساتھ تعاون کیا۔شاید اونٹ بھی اپنے مالک کی خواہش سے آگاہ تھا......بالاخر ایک دن کوہ صفا کے دامن میں پھیلے ہوئے صحرا کے نزدیک پہنچ گیا وہ دیر تک سوچتا رہا اور دور دور تک ریت کے سمندر پر بھر پور نظر دوڑاتا رہا

اور پھر اس نے سفر شروع کردیا۔

کوہ صفا دوشیزہ کی زلف کی طرح ریت کی سفید چادر پہ بکھرا پڑا تھا۔ اب اس کے اور رسول برحق کے درمیان صرف یہ صحرا اور کوہ صفا حائل تھا۔ اس نے ایک نئے جوش اور ولولے کے ساتھ صحرا کو عبور کرنے کے لئے قدم رکھ دیا۔

وہ جانتا تھا اگر وہ بچ کر نکل بھی گیا تو عربی دستور کے مطابق لوگ انتقام ضرور لیں گے......اور یہی ہوا...... مرتا کیا نہ کرتا کے مطابق زید نے بھی نیام سے تلوار نکالی اور وہ قزاقوں کے حملوں کو روکتے ہوئے مکہ کی جانب بڑھتا چلا گیا...... بڑھتا چلا گیا......وہ لڑ رہا تھا اس کے اردگرد موت رقص کناں تھی لیکن وہ دین ابراہیمؑ کا پیروکار تھا۔ اللہ کی نصرت پر یقین رکھتا تھا، آگے بڑھتا رہا آگے بڑھتا رہا......فاصلے ختم ہوتے جارہے تھے اور منزل قریب آتی جارہی تھی...... بظاہر موت کا فرشتہ اس کے قریب آرہا تھا اور...... وہ ''کوہ صفا'' کے دامن میں پہنچنے ہی والا تھا کہ ایک بت پرست ظالم نے اس کی گردن پر بھرپور وار کیا اور اس کی گردن فضا میں اڑتی ہوئی دور جا گری ......اناللہ وانا الیہ راجعون......

زید کی لاش صحرا میں پڑی ہوئی تھی......اس کے سر کا رخ اللہ کے گھر کی طرف تھا چہرہ پر نور سایہ فگن تھا...... جیسے راہی نے اپنی منزل پالی ہو اور اللہ کو دیکھ لیا ہو۔

زید بن عمرو بن نفیل مرگیا......حق کا سچا راہی اپنے مالک حقیقی سے جاملا اور اپنے پیچھے یہ دل گداز داستان چھوڑ گیا۔

عظیمی پبلک اسکول (گوجرانوالہ)

قابل صد احترام مرشد کریم:

اللہ رب العزت کا فضل و کرم ہم سب پر محیط ہو۔ حضور قلندر بابا اولیاءؒ کا فیض جاری و ساری رہے۔ آمین

انتہائی عاجزی سے یہ عرض کرنے میں خوشی محسوس ہورہی ہے کہ مرشد کریم کا لگایا ہوا پھل دار درخت ''عظیمی پبلک اسکول'' (گوجرانوالہ) ماشاء اللہ 6 سال کا ہوگیا ہے۔ بچوں کی تعداد 66 اور 7 اساتذہ ہیں۔ اس سال ساتویں جماعت کا بھی آغاز کیا جائے گا۔ انشاءاللہ

آپ کی مرتب کردہ نرسری پریپ کی کلاسوں کے لئے ورک بکس اور بڑی جماعتوں کے لئے اسلامیات کی کتب نصاب میں شامل کی گئیں ہیں۔

تعلیمی سال کے اختتام پر اسکول میں سالانہ نتائج کی تقریب منعقد کی گئی۔ پوزیشن حاصل کرنے والے طلباء میں انعامی شیلڈ تقسیم کی گئیں اور صاف ستھرا یونیفارم پہننے والے بچوں کو حوصلہ افزائی کے لئے انعامات دیئے گئے۔

تقریب میں محترم ناصر جمیل عظیمی بطور مہمان خصوصی تشریف لائے اور سلسلہ کے دیگر دوست احباب بھی اس پرمسرت موقع پر موجود تھے۔

آپ سے التماس ہے دعا فرمائیں کہ عظیمی پبلک اسکول کے طالبات و طلباء کے ذہن سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات کی روشنی سے منور ہوں اور روحانی مشن کے فروغ میں اہم کردار ادا کریں اور ساتھ ساتھ ملک و قوم کی ترقی کا باعث بنیں۔

رپورٹ: تسنیم احمد عظیمی، خوشی محمد عظیمی

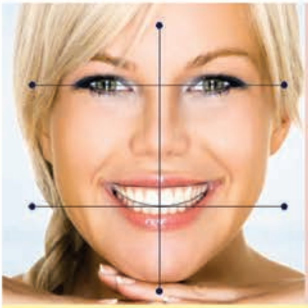

DENTAL innovations Clinic

The secret of the Beautiful smile

Aesthetic Dentistry

Teeth Whitening, Porcelain Crowns,
Veneers, Ceramic Restorations

Restorative Dentistry

Crown & Bridge, Root Canal Treatment

Orthodontics

Fixed And Removable Braces, Invisible Braces

General Dentistry

Extractions, Fillings, Dentures

Preventive Dentistry

Pit Fissure Sealants, Scaling, Root Planning

Minor Oral Surgery

Impaction (Wisdom Teeth), Apicectomy

Pediatric Dentistry

Space Maintainers, Steel Crowns

Dental Implants

LAHORE
LG 136, Siddiq Trade Center
Main Boulevard Gulberg.
0301 2399991 - 042 2581711
0300 8511747

QUETTA
Balochistan Medical Center
Prince Road / Fatima Jinnah Road,
081 2836448 - 081 2825275
0300 3811747

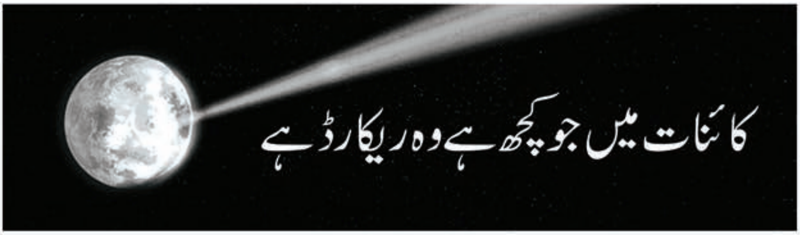

کائنات میں جو کچھ ہے وہ ریکارڈ ہے

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں یہ کتاب ان لوگوں کو روشنی دکھاتی ہے جو اپنے اندر اللہ کے بارے میں ذوق رکھتے ہیں۔

''دوسری جگہ ارشاد ہے''میں نے انسان کو بجنی مٹی سے بنایا ہے۔''

یہاں مٹی کی فطرت بیان کی گئی ہے جو خلا ہے۔ یہ بات سمجھنا آسان ہے کہ ذوق میں نہ وزن ہوتا ہے نہ ذوق کے لئے فاصلہ کوئی معنی رکھتا ہے، نہ ذوق زمین و آسمان کی حدود کا پابند ہے۔ نہ اسے وقت پابند بنا سکتا ہے۔ یہی ذوق چلتا پھرتا ہے یہ بات ضرور ہے کہ انسان اس سے اس وقت تک متعارف نہیں ہوتا جب تک اس سے تعارف حاصل نہ کر لے۔ جب تعارف حاصل کر لیتا ہے تو اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہی ذوق انسان ہے۔ یہ پوری کائنات میں آزاد ہے فرشتوں کا سربراہ ہے۔ اللہ کی بہترین صنعت ہے اور کائنات میں اللہ کا نائب ہے۔ نہ وہ پیروں سے چلنے اور ہاتھوں سے پکڑنے کا پابند ہے۔ اور نہ وہ آنکھوں سے دیکھنے اور کانوں سے سننے کا محتاج ہے یہ ساری بھول بھلیاں انسان نے آپ ہی تخلیق کی ہیں اور آپ ہی ڈھول بجاتا پھرتا ہے کہ ہائے میں تو بالکل مجبور ہوں۔

☆☆☆

یہ زمانہ جس میں ہم اور آپ یکساں طور پر کش مکش اور ابتلا کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور جہاں ہر طرف مادیت کی یلغار ہے بتدریج اپنے انجام کی طرف بڑھ رہا ہے۔ مادیت کی تیز روشنی میں بصارت کی خیرگی اور دل سوز جلن ہے مگر روح کی لطافت اور بصیرت کی نمی نہیں ہے جس طرح مادیت کو قرار اور دوام نہیں ہے اسی طرح مادیت کی بنیاد پر جو عمارت تعمیر ہو گی وہ دیر یا سویر ضرور زمیں بوس ہو جائے گی۔ یہ نظام قدرت ہے اور کوئی اس کا توڑ نہیں۔

مسلمانوں کے اوپر فرض ہے کہ وہ دنیاوی فنون و کمالات حاصل کر کے خود کو بلند ترین مقامات پر فائز کرنے کے لئے کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھیں مگر اس کے ساتھ یہ حقیقت بھی فراموش نہ کی جائے کہ یہ معاشی اور مادی ترقی اور خوشحالی زندگی کا مقصد نہیں ہے۔ بصارت چشم سے زیادہ بصیرت قلب پر فکری اور عملی توجہ مرتکز رہنی چاہئے بقول علامہ اقبال ؎

دلِ بینا بھی کر خدا سے طلب

آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

☆☆☆

جب تک مذہب اور خدا کے بارے میں ہمارے اندر فلسفی انداز اور منطقی استدلال رہتا ہے ہم کسی نتیجے پر نہیں پہنچتے اس لئے کہ ماوراء ہستی اللہ کو سمجھنے کے لئے ماورائی شعور کا ہونا بھی ضروری ہے۔ مذہب، ماورائی ہستی اور صداقت کی اصل اساس صحیح عقیدہ اور وجدان ہے۔ جب ہم وجدان میں قدم بڑھاتے ہیں تو فطرت ہماری رہنمائی کرتی ہے۔ اور عقل اس کی پیروکار ہو جاتی ہے۔ جن لوگوں پر وجدان کی دنیا روشن ہوگئی ان لوگوں کے اندر خدا کے عدم وجود کے بارے میں خواہ کیسے ہی بلند دلائل پیش کئے گئے ان کے عقیدے میں اور ان کی طرز فکر میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی۔ یہ حقیقت اس طرف راہنمائی کرتی ہے کہ وجدان ایک ایسا عالم ہے جس عالم میں ہر لمحہ، ہر آن حقیقتیں عکس ریز ہوتی رہتی ہیں۔ عالم وجدان میں سفر کرنے والا مسافر وہ سب کچھ دیکھ لیتا ہے جو عقل کی پہنائیوں میں گم رہنے والا بندہ نہیں دیکھتا۔ اسی کو روحانی مسافر کہتے ہیں۔

☆☆☆

''جب ان کے سامنے آیات الٰہی کی تفسیر پیش کی جاتی ہے تو ان کے سینے منور ہو جاتے ہیں'' (سورہ انفال) تاریکیوں سے نکلنے، حزن وملال کی زندگی سے آزاد ہونے، اقوامِ عالم میں مقتدر ہونے، دل ودماغ کو انوارِالٰہیہ کا نشیمن بنانے، نظام ربوبیت اور خالقیت کو سمجھنے کے لئے صحیفۂ کائنات کے ذرے ذرے کا مطالعہ کر و صحیفۂ کائنات کے ایک ایک جزو کی تشریح قرآن میں موجود ہے۔ قرآن جہاں تسخیری فارمولوں کی دستاویز ہے وہاں انسانی زندگی کا ایک دستور بھی ہے۔ اس دستاویز میں ایسے راستوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔ جن پر چل کر ذلت عزت میں، شکست فتح میں، کمزوری قوت میں، بدحالی خوشحالی میں اور انتشار وحدت میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اللہ کا قانون ہمہ گیر ہے سب کے لئے ہے۔ جس طرح ہر آدمی متعین فارمولے سے کوئی چیز بنالیتا ہے اسی طرح صحیفۂ ہدایت میں غور وفکر کر کے اپنے لئے ایک منزل متعین کی جاسکتی ہے۔

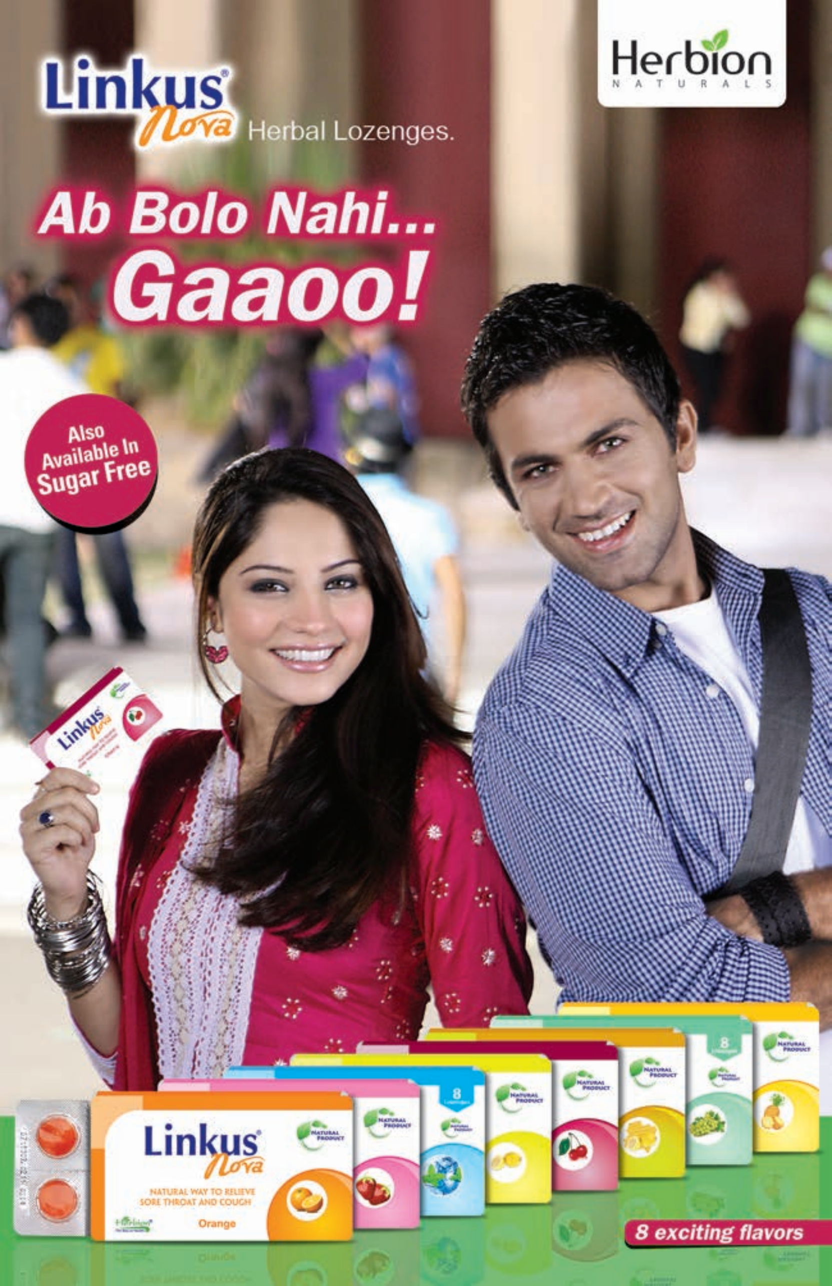
Herbion
NATURALS
Linkus Nova Herbal Lozenges.
Ab Bolo Nahi...
Gaaoo!
Also Available In Sugar Free
Linkus Nova
NATURAL WAY TO RELIEVE SORE THROAT AND COUGH
Orange
NATURAL PRODUCT
8 exciting flavors

حضرت اویس قرنیؓ کو حضور ﷺ کی ذاتِ اقدس سے والہانہ عشق تھا۔ رحمتہ للعالمین ﷺ کا ارشاد ہے......

''یمن کی طرف سے مجھے محبت کی خوشبو آتی ہے۔ کیوں کہ وہاں میرا دوست اویس قرنیؓ رہتا ہے۔''

حضرت اویس قرنیؓ طلوع اسلام سے پہلے اس دنیا میں تشریف لا چکے تھے۔ بچپن میں والد کی شفقت سے محروم ہوگئے۔ محنت مزدوری کرتے لوگوں کے اونٹ اُجرت پر چرایا کرتے تھے اور اس اُجرت سے اپنی اور اپنی نابینا والدہ کی خدمت کرتے تھے۔ جو رقم بچتی وہ لوگوں میں تقسیم کر دیتے تھے ...... جب رحمتہ اللعالمین سید نا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت کا مژدہٗ جانفزا سنا تو اسلام کے دامن عافیت میں آ گئے۔

باطن نورِ حق سے منور تھا۔ آپؓ رسول اللہ ﷺ کی دامن عافیت میں آ کر عاشق رسول بن گئے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ......

''اویس قرنیؓ کو اسلام کی دولت سے اللہ تعالیٰ نے خود روشناس کرایا ہے اور یہ اللہ کی رحمت سے عاشق صادق بن گئے۔''

انہیں قربِ رسول ﷺ اور دیدار حبیب ﷺ کی تمنا تھی۔ والدہ صاحبہ ضعیف اور بصارت سے محروم تھیں انہیں وہ اکیلا چھوڑنا ادب کے خلاف سمجھتے تھے۔

ایک بار انہیں حضور ﷺ کے دیدار کا شوق اس قدر رہوا کہ مدینے آنے کا ارادہ کیا۔ اس زمانے میں حضور ﷺ کسی غزوہ میں تشریف لے گئے تھے۔ حضور ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا میرے جانے کے بعد ایک مہمان آئے گا اگر وہ یہاں آئے تو اس کی خوب خاطر مدارات کرنا اور ہر طرح سے خیال رکھنا کیوں کہ وہ نیک انسان ہے اور میرے آنے تک کوشش کرنا کہ وہ ہمارا مہمان رہے اور قیام نہ کرنا چاہے تو مجبور نہ کرنا۔

جب اویس قرنیؓ مدینہ تشریف لائے اور معلوم ہوا کہ سرور کائنات ﷺ مدینہ میں تشریف نہیں رکھتے تو انہوں نے اسی وقت واپسی کا قصد کیا۔ آپ کو روکنے کی بہت کوشش کی گئی مگر آپ واپس لوٹ گئے۔ نبی کریم ﷺ جب مدینے تشریف لائے تو انہوں نے حضرت عائشہؓ سے سوال کیا کوئی مہمان آیا تھا؟ ام المومنین نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول ﷺ! ایک شخص یمن سے آیا تھا آپ کو نہ پا کر وہ نہیں ٹھہرا اور چلا گیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا ...... عائشہؓ! پتہ ہے وہ کون تھا؟ عرض کیا، حضور ﷺ میں

نہیں جانتی۔فرمایاوہ......اویس قرنیؓ تھاجومیرے دیدار کے لئے یہاں آیا تھااور دیدار کی حسرت دل میں لئے واپس چلا گیااور ٹھہر بھی نہیں سکتا تھا کیوں کہ اس کی والدہ بوڑھی اور آنکھوں سے معذور ہیں اس کی نگہداشت کرنے والا کوئی نہیں ہے۔

یہ وہ شخص ہے جو اللہ اور اس کے رسولؐ کو سچا جاننے والا ہے۔ وہ ذکر الٰہی میں مشغول رہتا ہے اور وہ کسی چیز سے مرعوب نہیں ہوتا۔ اویس قرنیؓ میرے عاشق ہیں اور ...... اللہ اس سے محبت کرتا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے جب یہ سنا تو ان کو حضرت اویس قرنیؓ کے مقام پر رشک آیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا ...... اے اللہ کے حبیب ! وہ شخص واقعی کس قدر عظیم ہے جس کے زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت کی تعریف اس کا اللہ اور اس کا حبیب کرے۔

غزوہ احد میں کفار کے حملے سے حضور ﷺ کے دو دانت شہید ہوگئے مسلمانوں کو شدید صدمہ ہوا۔

اویس قرنیؓ فرماتے ہیں ......

''جب مجھے معلوم ہوا کہ میرے آقا سردار دوعالم ﷺ کے دو دانت مبارک شہید ہوگئے ہیں تو میں بے چین ہو گیا میں نے پہلے ایک دانت توڑا پھر مجھے خیال ہوا شاید یہ والا دانت نہ ٹوٹا ہو پھر دوسرا توڑا، پھر تیسرا توڑا یہاں تک میرے سارے دانت نکل گئے۔''

حضور اکرام ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا:

''قرن میں ایک اویس قرنیؓ نامی مرد اللہ ہیں۔ جس کی شفاعت سے قیامت کے دن قبیلہ ربیعہ اور قبیلہ مضر کے بھیڑوں کے بالوں کی تعداد کے برابر میری امت اللہ کے حکم سے جنت میں داخل ہوگی۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت علی مرتضیٰؓ سے فرمایا...... ''جب تم اس سے ملاقات کرو تو پستہ قد، لانبے بال اور داہنی جانب روپے کے برابر سفید نشان پاؤ گے۔ یہ سفید نشان ''برص'' نہیں ہے ایسا ہی نشان اس کے ہاتھ کی ہتھیلی پر ہوگا میری امت کی شفاعت کرے گا جب تم اس سے ملو تو میرا اسلام پہنچانا اور کہنا کہ میری امت کے لئے دعا کرے۔''

حضور ﷺ کے وصال کے بعد حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت علی مرتضیٰؓ کے ساتھ مکہ مکرمہ آئے۔ حضرت عمرؓ نے دوران خطبہ ارشاد فرمایا...... ''اے نجد کے رہنے والو! کھڑے ہوجاؤ۔ جب وہ کھڑے ہوگئے تو فرمایا تم میں سے کوئی قرن کا رہنے والا شخص ہے؟ جب قرن کے لوگ آئے تو ان سے حضرت اویس قرنیؓ کے بارے میں معلوم فرمایا......انہوں نے بتایا وہ ایک دیوانہ ہے...... آبادی میں آتا ہے اور نہ اس کا لوگوں سے میل جول ہے، عام طور پر جو لوگ کھاتے ہیں وہ نہیں کھاتا۔

حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا ...... میں اس سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔ لوگوں نے کہا وہ شخص جنگل میں اونٹوں کے ساتھ رہتا ہے چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ اور

حضرت علی مرتضیٰؓ ان سے ملاقات کے لئے روانہ ہوئے۔ اور دونوں حضرت اویس قرنیؒ کے پاس پہنچ گئے......حضرت اویس قرنیؒ نماز میں مشغول تھے۔ نماز کے بعد حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ نے سلام کیا اور حضرت عمرؓ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر وہ نشان دیکھا حضرت عمرؓ نے جب وہ نشان حضرت اویس قرنیؒ کے ہاتھ پر دیکھا تو دست بوسی کی اور کہا......

اے اویسؒ: رسول ﷺ نے آپ کو سلام بھیجا ہے اور یہ خرقہ بھی عنایت فرمایا ہے اور وصیت فرمائی ہے کہ آپ میری امت کے لئے دعا کریں۔''

حضرت اویس قرنیؒ نے فرمایا: اے عمرؓ اور علیؓ! آپ دونوں دعا فرمائیں......آپ لوگ حضور ﷺ کے رفیق خاص ہیں۔ آپ کا مرتبہ اللہ کے دربار میں بلند ہے۔حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ ایک زبان ہو کر بولے۔ ہم تو دعا کرتے ہیں مگر آپ حضور ﷺ کی وصیت کے مطابق دعا فرمائیں۔

حضرت اویس قرنیؒ نے حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ سے کہا، لائیے وہ خرقہ مجھے دے دیجئے تا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کی تعمیل کروں۔ جب خرقہ پیش کیا گیا تو وہ کچھ فاصلے پر چلے گئے اور سجدہ میں جا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی......

''یا اللہ! آپ کے محبوب ﷺ کا عطا کردہ خرقہ میں اس وقت پہنوں گا کہ آپ اپنی رحمت سے میری دعا قبول فرمائیں گے۔

'' خطبات ملتان (بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی) '' میں تحریر ہے کہ......

حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ، حضور پاک ﷺ کا جبہ شریف لے کر حضرت اویس قرنیؒ کی خدمت میں تشریف لے گئے۔حضرت علیؓ نے کچھ نہیں فرمایا......

حضرت عمرؓ نے تین باتیں ان سے عرض کیں۔

حضرت عمرؓ نے پوچھا۔آپ کو اللہ کے رسول ﷺ سے اتنی قربت ہے کبھی آپؒ حضور ﷺ کی زیارت کے لئے نہیں آئے۔حضرت اویس قرنیؒ نے پوچھا......

اے عمرؓ تم نے اللہ کے محبوب ﷺ کو دیکھا ہے؟

حضرت عمرؓ نے کہا۔ہاں میں نے دیکھا ہے۔

حضرت اویس قرنیؒ نے کہا۔ بتاؤ حضور پاک ﷺ کی بھنویں ملی ہوئی ہیں یا الگ الگ ہیں؟

حضرت عمرؓ خاموش رہے۔

حضرت اویس قرنیؒ نے کہا......ملی ہوئی ہیں۔

امیر المومنین حضرت عمرؓ نے نذرانہ پیش کرنا چاہا۔ حضرت اویسؒ نے فرمایا، میرے پاس دو دینار ہیں۔اگر تم اس بات کی ضمانت دیتے ہو کہ دو دینار ختم ہونے سے پہلے میں مروں گا نہیں تو میں قبول کر لیتا ہوں۔ حضرت عمرؓ رونے لگے اور کہا کاش! میری خلافت کو کوئی دو پیسے میں خرید لے۔ اویس قرنیؒ نے فرمایا۔اے عمرؓ!

جس چیز کو چھوڑا جاتا ہے اس کی قیمت نہیں لگاتے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کوئی نصیحت فرمائیے۔

اویس قرنیؒ نے فرمایا...... اے عمرؓ! تم اللہ کو جانتے ہو؟

عرض کیا، جی ہاں میں اللہ کو جانتا ہوں۔

پوچھا، کیا اللہ تمہیں جانتا ہے؟

جواب دیا، جی ہاں، اللہ مجھے جانتا ہے۔

☆..........☆..........☆..........☆

حضرت عمرؓ اور امیر المومنین حضرت علیؓ کی ملاقات سے اہل قرن کو معلوم ہو گیا کہ یہ دیوانہ آدمی کون ہے؟ چنانچہ وہ لوگ ان کی عزت اور قدر و منزلت کرنے لگے اس واقعے کے بعد حضرت اویس قرنیؒ وہاں سے چلے گئے۔

مشہور تابعی حضرت ہرم بن حیانؒ حضرت اویس قرنیؒ سے اپنی پر اثر ملاقات کا واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

اویس قرنیؒ کوفہ میں مقیم تھے میں نے آپ کی تعریف سنی ملاقات کا شوق ہوا۔ میں ان کی زیارت کے لئے کوفہ پہنچا لوگوں نے بتایا کہ وہ دریائے فرات پر ملیں گے وہاں دیکھا کہ ایک شخص دوپہر کے وقت وضو کر رہا ہے۔ میں انہیں فوراً پہچان گیا ان کا جسم بھرا ہوا، رنگ گندمی تھا سر منڈا ہوا اور جسم پر بال تھے، ان کا لباس اون کا تھا۔ میں نے سلام عرض کیا۔ ان کی حالت پر مجھے ترس آیا اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ فرمایا...... ہرم بن حیان! اللہ تم پر رحم کرے تمہارا کیا حال ہے۔ میں نے پوچھا، آپ کو میرا اور میرے باپ کا نام کیسے معلوم ہوا۔

جواب دیا...... تمہارا نام مجھے اس نے بتایا ہے جس کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں، میری روح نے تمہاری روح کی طرف توجہ کی اور میری روح نے تمہاری روح کو پہچان لیا۔ مومن کی روحیں ایک دوسرے کو پہچان لیتی ہیں چاہے صاحب ارواح کا ایک دوسرے سے کوئی تعارف نہ ہو۔

درخواست کی کہ قرآن کریم کی کوئی آیت سنائیے۔

درخواست سن کر وہ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھ کر رونے لگے پھر فرمایا...... میرے رب کا ذکر بلند ہے اس کا قول سچا ہے۔ اس کا کلام سب سے اچھا ہے یہ کہہ کر انہوں نے ان آیات کی تلاوت کی۔

حم۔ یہ کتاب جو واضح ہے ہم نے اس کو مبارک رات میں اتارا......

سورۂ دخان پڑھ کر فرمایا...... ہرم بن حیانؒ! تمہارا باپ رخصت ہوا۔ عنقریب تم بھی مرنے والے ہو کیا خبر کون جنت میں جائے اور کون دوزخ میں جائے۔ آدمؑ و حوا انتقال کر گئے۔ داؤدؑ اس فانی دنیا میں نہیں ہیں۔ محمد رسول اللہ ﷺ تشریف لے گئے۔ خلیفۃ المسلمین انتقال کر گئے۔ میرے بھائی عمر بن خطابؓ انتقال کر گئے۔ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے مغفرت کی دعا کی۔ حضرت عمر فاروقؓ اس وقت تک زندہ تھے اس لئے میں نے عرض کیا۔ اللہ آپ پر رحم کرے عمرؓ تو زندہ ہیں...... فرمایا جو کچھ میں نے کہا ہے

اگر تم اس کو سمجھو تو جان جاؤ گے میں اور تم بھی مرجائیں گے۔

حضرت اویس قرنیؓ نے سرکاردوعالم ﷺ پر درود بھیجا اور فرمایا: ہرم بن حیانؒ! میری وصیت ہے کہ اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑو۔ صلحائے امت کی صحبت اختیار کرو اور نبی کریم ﷺ پر ہمیشہ درود وسلام بھیجتے رہو میں نے اپنی اور تمہاری موت کی خبر دے دی۔ آئندہ کسی ساعت موت سے غافل نہ رہنا۔ واپس جا کر اپنی قوم کو نصیحت کرنا، تفرقہ بازی کو قبول نہ کرنا اور اللہ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ متحد ہو کر پکڑے رہنا۔

حضرت اویسؓ نے فرمایا...... اے ہرم بن حیانؒ! اب میں تمہیں اللہ کے سپرد کرتا ہوں، آج کے بعد ہماری ملاقات نہیں ہوگی۔ گوشۂ خلوت ہی میرا رفیق ہے۔ مجھے تلاش نہ کرنا، مجھے ڈھونڈنے میں تم کامیاب نہیں ہوگے اور میرے لئے دعا کرتے رہنا...... السلام علیکم و رحمۃ اللہ! یہ کہہ کے وہ ایک سمت چلے گئے۔ میں نے بہت تلاش کیا مگر ملاقات نہ ہوئی۔ البتہ خواب میں ان کی زیارت ہوتی ہے۔

جنگ صفین میں حضرت علی مرتضیٰؓ کی حمایت میں جہاد کے لئے نکلے اور شہید ہوگئے۔ اللہ کا دوست بن کر زندگی گزاری اور شہادت کی موت سے سرفراز ہوئے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اور جو اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم اس کا شعور نہیں رکھتے۔ (سورۂ بقرۃ:۱۵۴)

اِرشادِ گرامی

★ وحدت میں سلامتی ہے جس کا دل غیر کے فکر و اندیشہ سے آزاد ہو ہر حال میں مخلوق کے شر سے محفوظ رہتا ہے۔

★ انسانوں سے جدا ہونا محبت الٰہی نہیں ہے۔

★ اپنے دل کی نگہداشت کرو تا کہ کسی غیر کی فکر میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔

★ حضرت اویس قرنیؓ نے سرکاردوعالمؐ پر درود بھیجا اور فرمایا: ہرم بن حیانؒ! میری وصیت ہے کہ اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑو۔ صلحائے امت کی صحبت اختیار کرو اور نبی کریم ﷺ پر ہمیشہ درود وسلام بھیجتے رہو میں نے اپنی اور تمہاری موت کی خبر دے دی۔ آئندہ کسی ساعت موت سے غافل نہ رہنا۔ واپس جا کر اپنی قوم کو نصیحت کرنا، تفرقہ بازی کو قبول نہ کرنا اور اللہ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ متحد ہو کر پکڑے رہنا۔

★ مومن کی روحیں ایک دوسرے کو پہچان لیتی ہیں۔ چاہے صاحب ارواح کا ایک دوسرے سے کوئی تعارف نہ ہو۔

ابدال حق حضور قلندر بابا اولیاء رحمۃ اللہ علیہ

کتاب " لوح و قلم " میں فرماتے ہیں......

"تمام طبعی قوانین روحانی قوانین کا اتباع کرتے ہیں"

مراقبہ ہال کینیڈا

Azeemia Spiritual and Healing Centre
Mississauge Canada

Email : mhcanada@hotmail.com
Phone: 1-905 2811928

سیّد رضی الدّین رحمۃ اللہ علیہ

ایک صاحب جن کا نام فراست جان تھا نماز میں مصروف و مشغول تھے ان کے سامنے دوسری صف میں ایک اور صاحب نماز پڑھ رہے تھے فراست جان کو محسوس ہوا کہ کوئی مجھے دیکھ رہا ہے جب وہ اس خیال کی طرف متوجہ ہوئے تو ان کے اندر اس احساس نے کروٹ بدلی کہ سامنے جو صاحب نماز پڑھ رہے ہیں مجھے دیکھ رہے ہیں۔

نماز سے جب فارغ ہوئے تو فراست جان نے سلام کیا اور پوچھا کیا آپ صاحب بصیرت ہیں۔

دوسرے شخص نے کہا آپ نے یہ سوال کیوں کیا۔

عرض کیا میں نے محسوس کیا ہے آپ مجھے دیکھ رہے ہیں جبکہ آپ کا چہرہ قبلہ کی طرف تھا۔خواہش ہے کہ آپ مجھے اپنے بارے میں بتائیں آپ کوئی روحانی آدمی ہیں......؟

جواب دیا میں مسافر ہوں مجھے یہاں چند دن قیام کرنا ہے......اصل یہ ہے کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اس کی رحمت و فضل کا طلبگار رہوں اور ہر وقت دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنا عرفان عطا کردیں۔

فراست جان نے عرض کیا میں عالم فاضل نہیں ہوں مگر میرا دل گواہی دیتا ہے کہ آپ اللہ کے دوست ہیں، اظہار تمنا ہے کہ مجھ پر نظر کرم ہو۔

بزرگ نے بھرپور نظروں سے فراست جان کو دیکھا اور گویا ہوئے:

اگر تم نے کچھ محسوس کیا ہے تو بہتر ہے کہ خاموشی اختیار کرو۔

فراست جان نے عرض کیا آپ اپنا نام بتادیجئے۔

بزرگ نے فرمایا میں اللہ کا بندہ رضی الدین ہوں۔

آپ ثمرقند کے عالم و فاضل ”قاضی عبدالسلام“ کے فرزند ہیں۔آپ کے والد ثمرقند سے نقل مکانی کر کے کابل تشریف لے آئے تھے۔

سید صاحب نجیب الطرفین سید ہیں۔جب آپ کی پیدائش ہوئی تو والد مکرم اور والدہ محترمہ نے محسوس کیا کہ گھر میں نور اتر آیا ہے۔

ماں باپ کی دعائیں اللہ تعالیٰ اولاد کے حق میں قبول فرماتے ہیں والدین کی دعاؤں سے اللہ نے سید رضی الدین کو ولی کامل بنادیا۔

سید صاحب بدخشاں اور ہندوستان کے مختلف شہروں میں علم کے طلبگار اور متلاشی رہے پھر کابل

سے لاہور آ گئے۔

سفر کرتے کرتے آپ کسی برفانی علاقے میں پہنچ گئے وہاں دیکھا ایک درویش نے ستر پوشی کے علاوہ کوئی لباس نہیں پہنا ہوا ہے۔ برف کے اوپر بیٹھا وہ درویش ٹکٹکی لگائے اردگرد سے بے خبر آسمان کی طرف دیکھ رہا ہے۔ درویش نے سید صاحب کو دیکھ کر بھاگنا شروع کردیا سید صاحب بھی اس کے پیچھے دوڑ پڑے۔ بھاگتے بھاگتے درویش رکا اور ہاتھ میں پتھر اٹھا کر مارنے کے انداز میں سید رضی الدین کو دیکھا وہ پہلے تو ڈر گئے مگر حوصلہ کرکے آگے بڑھے اور عرض کیا جناب میں نے آپ کا کیا بگاڑا ہے درویش بولا تم میرا پیچھا کیوں کررہے ہو......؟

دست بستہ عرض کیا: میں آپ کی قربت کا طلبگار ہوں۔ درویش نے سرخ آنکھوں سے دیکھا اور گرج دار آواز میں فرمایا میں تمہیں اپنے ساتھ رہنے کی اجازت نہیں دیتا......سید صاحب کی آنکھیں نم ہوگئیں۔ درویش نے پتھر پھینک دیا اور......چل پڑا، درویش نے اچانک بھاگنا شروع کردیا اور سید صاحب بھی اس کے پیچھے بھاگنے لگے۔ پہاڑ پر برف جمی ہوئی تھی پاؤں پھسل گیا اور وہ گر پڑے یہ دیکھ کر درویش نے قہقہہ لگایا اور کہا: بڑا غرور تھا اپنی ہمت پر......مگر تمہارے قدم تو ڈگمگا گئے۔رضی الدین میں جیسے بجلی دوڑ گئی اور اس کے پیچھے چل پڑے۔ درویش آہستہ خرام ہوتا تو سید صاحب بھی آہستہ چلتے۔ وہ بھاگنا شروع کردیتا تو رضی الدین بھی بھاگنا شروع کردیتے۔ بالآخر درویش ایک درخت کے پاس رک گیا، رضی الدین بھی رک گئے۔

درویش کی آنکھوں میں محبت کے رنگین ڈورے نمایاں ہوئے اور قریب بلایا......فرمایا اتنی دور کیوں کھڑے ہو قریب آؤ۔ وہ خاموشی سے آہستہ خرام درویش کے سامنے باادب کھڑے ہوگئے۔

درویش سید رضی الدین کو غور سے دیکھتا رہا اور...... اور چہرہ پر ایک زوردار طمانچہ مارا......مکوں اور لاتوں سے مارنا شروع کردیا۔ درویش گرج دار آواز میں بولا ......تم یہاں سے چلے جاؤ۔ دستہ بستہ عرض کیا......سرکار مجھے گھر جانا ہوتا تو اتنی مصیبت کیوں اٹھاتا۔

درویش نے رعب دار آواز میں کہا: ''تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟''

عرض کیا: عشق حقیقی میں سرگرداں ہوں مجھے راستہ دکھایئے......درویش نے کہا: ''میں کسی کو نہیں جانتا...... ؟''

درویش وہاں سے اٹھا قہقہہ لگاتے ہوئے دوڑنا شروع کردیا سید صاحب بھی اس کے پیچھے بھاگتے رہے بالآخر ایک مکان نظر آیا اور وہ اس میں چلا گیا۔ کافی دیر ہوگئی مگر واپس نہیں آیا۔ ہمت کرکے دروازے پر دستک دی۔ ایک نوجوان حاضر ہوا۔ دریافت کیا ایک بزرگ اندر تشریف لے گئے تھے۔نوجوان نے کہا یہاں کوئی نہیں آیا۔مگر سید صاحب اس مکان کے باہر بیٹھ

گئے یہاں تک کہ دو دن اور دو راتیں گزر گئیں......
تیسرے روز درویش مکان سے باہر آیا اور مسکرایا۔

آبدیدہ ہو کر عرض کیا حضرت میرے حال پر رحم فرمایئے...... مجھے اپنے ساتھ رہنے کی اجازت دیجئے یہ سن کر درویش طیش میں آ گیا اتنا مارا اتنا مارا کہ وہ لہولہان ہوگئے اور درویش نے پھر بھاگنا شروع کر دیا پھر اچانک درویش نے اپنی رفتار کم اور بہت کم کر دی......
ایک مکان سامنے آ گیا اور درویش مکان میں چلا گیا سید صاحب بھی مکان میں داخل ہوگئے ۔ درویش نے ان کو اپنے قریب بیٹھنے کو کہا......وہ قریب بیٹھ گئے لیکن انہیں خوف تھا۔ خوف اس وقت دور ہوا جب درویش نے اپنائیت سے کہا......

تم امتحان میں کامیاب ہوئے اب انعام کے حقدار ہو...... آسمان کی طرف ہاتھ اٹھایا اور کہا منہ کھولو، سید صاحب نے بچوں کی طرح منہ کھول دیا......منہ میں مٹھاس گھل گیا اور درویش نے اپنائیت چاہت سے خواجہ باقی باللہؒ کے لقب سے سرفراز کر دیا۔

کچھ عرصہ کے بعد خواجہ باقی باللہؒ کو سینے سے لگایا آنکھوں کو چوما اور فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو تربیت مقصود تھی وہ الحمدللہ پوری ہوئی اب تم اپنی والدہ کے پاس کابل چلے جاؤ اور ان کی خدمت کرو......وہ تمہیں یاد کر کے بہت روتی ہیں اور ان کی دعائیں دنیا و آخرت کا سرمایہ ہیں۔''

اس شہر کے مشہور بزرگ ''حضرت خواجہ محمد املنگیؒ'' کی خدمت میں حاضر ہو کر میرا اسلام عرض کرنا اور ان سے بیعت کی درخواست کرنا انشاء اللہ منازل کی تکمیل اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے فرمائیں گے سید صاحبؒ اس قدر گرویدہ ہوگئے تھے کہ فراق کے تصور سے آنکھیں اشکبار ہوگئیں۔خضرِ راہ کی تعمیل بھی ضروری تھی......

لاہور سے ہوتے ہوئے کابل پہنچے۔ ماں کی خدمت میں حاضر ہوئے قدم بوسی کی اور ماں کے سینے سے لگ کر دونوں ماں بیٹے کی آنکھیں برسات بن گئیں۔

کچھ عرصہ کے بعد خواجہ باقی باللہؒ حضرت خواجہ محمد املنگیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض گزار ہوئے کہ آپ مجھے بیعت کرلیں۔حضرت خواجہ محمد املنگیؒ صاحب نے تبسم فرمایا اور کہا.......... انشاء اللہ تمہیں روحانیت کے اسباق پڑھائے جائیں گے ۔ کچھ عرصہ کے بعد خلافت عطا کر کے ہندوستان جانے کا حکم ہوا۔ ہندوستان جانے سے پہلے خواجہ صاحب اپنی ماں کی خدمت میں حاضر ہوئے ان سے اجازت طلب کی۔ ماں نے ہندوستان جانے کی اجازت نہیں دی۔ خواجہ باقی باللہؒ مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صورتِ حال بیان کی ۔خواجہ محمد املنگیؒ نے فرمایا''یہ حکم ربانی ہے یہ تمہارا کام ہے تم اپنی والدہ کو راضی کرو۔''

حضرت باقی باللہؒ ماں کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قدم بوسی کے بعد عرض کیا''ہندوستان جانے کا حکم

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے'' ماں کی آنکھیں پانی بن گئیں بیٹے کو سینے سے لگایا اور فرمایا۔

''بیٹے! میں نے ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے تمہارے لئے عرفان حق کی دعا کی اور تمہارے باپ نے بھی انکساری کے ساتھ دعائیں کی ہیں تم خوشی خوشی ہندوستان چلے جاؤ اور اللہ کے پیغام کو عام کرنے کی جدوجہد میں تن، من، دھن سے کام کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کریں گے۔''

خواجہ باقی باللہؒ ہندوستان جانے کے لئے روانہ ہو گئے ۔ ہندوستان جانے سے پہلے آپ نے خواب میں دیکھا کہ ایک درخت کے نیچے بیٹھے ہیں درخت پر بہت سارے طوطے بیٹھے ہیں۔ ایک طوطا اڑ کر حضرت باقی باللہؒ کے ہاتھ پر آ بیٹھا خواجہ صاحبؒ نے طوطے کو پیار کیا اور طوطے نے آنکھیں کھول کر گردن کو خم دیا جیسے وہ شکریہ کہہ رہا ہو۔

یہ خواب آپ نے اپنے پیرومرشد حضرت خواجہ محمد املنگیؒ کو سنایا...... پیرومرشد حضرت خواجہ محمد املنگیؒ نے تعبیر دی، طوطا ہندوستانی پرندہ ہے۔

حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے ذریعے بھارت میں نقشبندیہ سلسلہ کا آغاز ہوا اور ہندستان میں نقشبندیہ سلسلہ کو آپ کے ہونہار شاگرد امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے ذریعے عروج ملا۔

☆..................☆

خواجہ باقی باللہ انتہائی درجہ مہمان نواز تھے۔

اتفاق سے ایک دن گھر میں کھانے کو کچھ موجود نہیں تھا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور ایک صاحب کو بلایا اور کہا نان بائی سے کہو کہ مہمان کے لئے کھانا بھجوا دے۔ نان بائی نے کہا میں معاوضہ اپنی مرضی سے لونگا۔ خواجہ باقی باللہؒ نان بائی کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا...... اپنی خواہش بیان کرو...... نان بائی نے عرض کیا۔ مجھے اپنے جیسا بنا دو...... حضرت نے فرمایا کچھ اور مانگو۔

عرض کیا۔ میرا یہی سوال ہے۔ حضرت نے فرمایا...... کچھ اور جو چاہے مانگو۔ پانی یا شہد کے لئے اس کی حیثیت کے مطابق برتن بھی چاہئے۔ نان بائی خاموش ہو گیا۔

اللہ کے دوست خواجہ باقی باللہؒ نان بائی کو حجرے میں لے گئے ۔ توجہ فرمائی...... بے ہوشی طاری ہو گئی اور جسم وقفہ وقفہ سے کپکپاتا رہا۔ تین دن تک بے ہوشی غالب رہی اور نان بائی اللہ کو پیارا ہو گیا۔ دیکھنے والوں نے دیکھا نان بائی کی شکل ہو بہو خواجہ باقی باللہ کی طرح ہو گئی تھی۔

آپ کی پیدائش ۹۷۱ھ میں ہوئی ۔ ۲۵ جمادی الاخریٰ ۱۰۱۲ ہجری میں عصر کی نماز کے بعد حضرت سید باقی باللہ ذکر الٰہی میں مشغول تھے اور آپ عالم فنا سے عالم قدس میں تشریف لے گئے ۔ آپ کا مزار پرانی دلی میں واقع ہے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

☆☆☆

چین کا شمار دنیا کے قدیم ترین ممالک میں ہوتا ہے اور یہ حکمت و دانش کا مرکز رہا ہے۔ چین میں تین مذاہب خاص طور پر مروج رہے ہیں جن میں دو چین میں ظہور پذیر ہوئے:

۱۔ تاؤازم۔

۲۔ کنفیوشس ازم۔

۳۔ بدھ ازم۔

یہ تینوں مذاہب آپس میں اس قدر مخلوط اور مدغم ہو گئے کہ ایک ہی شخص بیک وقت تینوں مذاہب کا پیروکار ہوسکتا ہے، حتیٰ کہ مردم شماری میں اہل چین کو ان مذاہب کی بنا پر مختلف گروہوں میں شمار کرنا محال ہے۔ مذہبی تعصب کے فقدان اور مذہبی رواداری کی وجہ سے چین کی تاریخ میں کوئی قتل وغارت کا واقعہ نہیں ملتا۔ ان تینوں مذاہب میں زیادہ مقبولیت جس کو حاصل رہی ہے وہ مذہب کنفیوشس ہے۔ اس کا یہ نیا نام عیسائی مشنریوں نے دیا ہے ورنہ خود اہل چین اسے "Ju-Chia" کے نام سے موسوم کرتے ہیں، جس کے معنی ہیں ''علماء کی تنظیم''۔ کنفیوشس کو چھٹی صدی قبل مسیح کا سب سے بڑا مصلح مانا جاتا ہے۔

کنفیوشس ریاست لُو (موجودہ نام شن ٹنگ) کے ایک گاؤں ''سُو'' میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد فنگشو 'سو' کے مضافات میں ایک فوجی عہدیدار تھے۔ فنگشو صاحب نے پچاس سال کی عمر میں دوسری شادی کی تھی جس سے کنفیوشس پیدا ہوئے تھے۔ چنانچہ پیدائش کے وقت کنفیوشس کی نو سوتیلی بہنیں اور ایک سوتیلا اپاہج بھائی موجود تھے۔ ماں کا نام چنگ سائی تھا جو ین نامی قبیلے کے ایک معزز سردار کی بیٹی تھی۔

کنفیوشس کا خاندانی نام ''Kung'' تھا۔ کنفیوشس دراصل (Kung-fu-Tze) کی لاطینی صورت ہے جس کے معنی ''ماسٹر کنگ'' کے ہیں۔ جو بعد میں بگڑ کر کنفیوشس بن گیا۔

کنفیوشس کی پیدائش کے وقت ملک چین چھوٹی چھوٹی جاگیروں میں بٹا ہوا تھا۔ جن کے نواب خودغرض اور لٹیرے تھے۔ ملک میں چوری، ڈاکہ، لوٹ مار اور زنا عام تھے۔ عجیب اتفاق ہے کہ جس زمانے میں کنفیوشس پیدا ہوئے تو اسی عہد میں یروشلم میں پیغمبر دانیال......، ہندوستان میں مہاتما بدھ......، یونان میں فیثا غورث (ماہر ریاضی)......اور چین میں ایک اور

مذہبی مبلغ لیوذے موجود تھے۔

اس زمانے کا ایک یونانی شاعر فوسن لکھتا ہے:۔

''اے فلک ! اب ہمیں تیرے ستاروں کی ضرورت نہیں رہی کیوں کہ زمین پر اب کئی ستارے ایک ساتھ چمک رہے ہیں۔''

کنفیوشس کی عمر تین سال کی تھی کہ والدہ کا انتقال ہو گیا طفولیت کا زمانہ مصیبتوں اور پریشانیوں میں گزرا کچھ عرصہ بعد جس ریاست میں یہ پیدا ہوئے تھے یعنی لُو (Lu) کے نواب نے ان کی غیر معمولی ذہانت اور تعلیمی ذوق کو دیکھتے ہوئے ان کی سر پرستی اور تربیت اپنے ذمہ لے لی۔

انیس برس کی عمر میں معزز گھرانے کی ایک لڑکی سے شادی کر دی گئی۔ اس رشتے سے ایک لڑکی اور دولڑکے پیدا ہوئے۔ شادی کے کچھ عرصہ بعد نواب لو نے ان کو تعلقہ سو کے گوداموں کا داروغہ بنا دیا۔ ان کی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے انہیں قربانی کے جانوروں کا نگران اعلیٰ مقرر کر دیا گیا۔ ان کی دانائی اور فراست کی بناء پر جانوروں کی تعداد دوگنی ہوگئی۔

انیس برس کی عمر میں '' دانش قدیم'' کے ماہر تسلیم کئے جانے لگے۔ کنفیوشس نے ''چی'' جا کر اس زمانے کے مشہور موسیقی کے ماہر سیا نگ سے تعلیم حاصل کی۔

23 برس کی عمر میں انہوں نے تعلیم و تدریس کے میدان میں قدم رکھا اور ایک معلم کی حیثیت سے لوگوں کو تعلیم دینے لگے۔ چنانچہ ان کے زمانے کی مقتدر شخصیتیں حاضر ہو کر ان سے رہنمائی حاصل کرتی تھیں اور ان کے شاگردوں کی تعداد تین ہزار ہوگئی۔ وہ پندرہ برس تک تدریس میں مصروف رہے اور اپنے فلسفیانہ افکار سے لوگوں کو بہرہ ور کرتے رہے۔

نوجوانی کی عمر میں ان کو ماہر استاد کا خطاب ملا۔ ان کی درس گاہ میں کند ذہن طالب علموں کے لئے جگہ نہ تھی۔ وہ شاگردوں سے کہتے تھے کہ ''میں مسئلے کے ایک چوتھائی حصے پر بحث کروں گا باقی تین چوتھائی حصہ طالب علم خود سمجھیں۔''

۵۲۴ قبل مسیح میں ایک سازش کا شکار ہو کر انہیں اپنے چند شاگردوں کے ساتھ وطن سے نکلنا پڑا۔ وطن سے نکل کر وہ دربدر گھومتے اور چین کے قدیم مذاہب اور رسومات کا تحقیقی مطالعہ کرتے رہے۔ ملک بدری کے زمانے میں ایک دن کوہِ تائے سے گزر رہے تھے کہ ایک عورت کے رونے کی آواز آئی۔ آپ نے ایک شاگرد کو بھیجا کہ حال معلوم کرے۔ معلوم ہوا کہ عورت کے شوہر اور بیٹے کو شیر نے کھالیا ہے کنفیوشس نے عورت سے کہا کہ وہ یہ جگہ چھوڑ دے مبادا شیر اس کو بھی نقصان پہنچا دے۔ عورت نے جواب دیا کہ '' مجھے کہیں چین نہیں ملے گا کیوں کہ حکومت جابر اور ظالم ہے۔''

کنفیوشس نے متاثر ہو کر اپنے شاگردوں سے کہا۔

''انسان شیر سے اتنا نہیں ڈرتا جتنا جابر حکومت سے ڈرتا ہے۔''

وہ کئی سال تک دربدر کی ٹھوکریں کھاتے رہے جوان کی تعلیم قبول کر لیتا اس کی زندگی یکسر بدل جاتی لوگ

انہیں ''جو'' (عالم دین، پرہیزگار) پکارتے تھے۔عوام میں ان کی تعلیم ایک تحریک بن گئی۔

کنفیوشس کو "Chungtoo" کا مجسٹریٹ بنا دیا گیا۔ان کی اصلاحات اس قدر موثر ثابت ہوئیں کہ انہیں اور اعلیٰ عہدوں کے لئے منتخب کیا جاتا رہا بالآخر انہیں وزیر انصاف مقرر کردیا گیا۔

انہوں نے اپنے لائق شاگردوں کی مدد سے صوبہ لُو (Lu) کی سلطنت کو قابل رشک مثالی ریاست بنا دیا لیکن کنفیوشس کی اصلاحات زمانہ کا ساتھ نہ دے سکیں۔خودغرض لوگوں نے کنفیوشس کے دیگر معاملات میں رکاوٹیں ڈالنا شروع کردیں۔ہمسایہ ریاستوں نے کنفیوشس کے لئے سازشوں کا جال بچھایا۔

تاریخ بتاتی ہے کہ ''Chi'' کے حکمران نے حاکم لُو (Lu) کو 80 رقاصائیں اور 120 عمدہ گھوڑے بھجوائے اور ساتھ سفارش کی کہ کنفیوشس کو معزول کردیا جائے۔حاکم لُو (Lu) نے ان تحائف کو قبول کرلیا اور کنفیوشس کو معزول کردیا۔

کنفیوشس کی آرزو تھی کہ اسے کوئی سلطنت مل جائے جہاں وہ اپنے اصولوں کو نافذ کرکے ایک مثالی ریاست بنادے۔

اگرچہ سب ہی حکمران کنفیوشس سے خطرہ محسوس کرتے تھے مگر دل میں ان کی عظمت اور دانائی کے معترف تھے۔ایک دفعہ ریاست ''پو'' کے وزیر نے جو کنفیوشس کا معتقد بھی تھا ان کو اپنے ہاں مہمان رکھا نواب پو کو معلوم ہوا تو اس نے آپ کو وزیر اور شاگردوں سمیت نظر بند کردیا۔آپ نے شاگردوں کے اتفاق رائے سے فوج سے مقابلہ کیا۔اہل ''پو'' پسپا ہونے لگے تو انہوں نے کنفیوشس کو چھوڑنا منظور کرلیا۔

۴۹۱ قبل مسیح میں کنفیوشس ہر طرف سے مایوس ہوکر صرف علمی اور تدریسی کاموں میں مشغول ہوگئے تھے ان کی درسگاہ میں طلباء کی تعداد تین ہزار تک پہنچ گئی تھی انہوں نے چھ فنون کو کورس میں شامل کیا:

۱۔ عقیدہ اور مذہب
۲۔ موسیقی
۳۔ حساب
۴۔ تیراندازی
۵۔ کوچبانی
۶۔ تعمیر شخصیت

ان مضامین سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے شاگردوں میں نظریاتی سے زیادہ علمی استعداد پیدا کرنا چاہتے تھے۔

زیما شین نے لکھا ہے کہ وہ طلباء میں چار چیزوں کا بالخصوص بڑا خیال رکھتے تھے۔ادب، سیرت، شخصی محاسبہ اور دیانتداری ......اور چار چیزیں انہیں سخت ناپسند تھیں کند ذہنی، فیصلے میں تذبذب، تنگ نظری اور منجمد کرنے والی تقلید۔

وہ نئے امیدوار سے بطور آزمائش، اشارتاً کوئی رمز کہتے۔اگر وہ رمز پہچان جاتا تو وہ خوش ہوتے اسے درسگاہ میں شامل کرلیتے لیکن اکثر امیدوار اس امتحان

میں ناکام ہوکر واپس لوٹ جاتے۔
481 قبل مسیح میں کنفیوشس کا عزیز شاگرد "ین ہوئی" مرگیا اس کی موت پر آپ نے کہا "خدانہیں چاہتا کہ میرا مشن پورا ہو۔" اسی سال انہوں نے بہار وخزاں کے نام سے ایک ضخیم کتاب مرتب کی۔ جس میں تاریخی مثالوں کی مدد سے ایک عالمگیر نظام حکومت پیش کیا اس کتاب کے حافظ آج بھی چین میں موجود ہیں اس کتاب کو کنفیوشس نے اپنا مکمل سرمایہ حیات کہا ہے۔
489 قبل مسیح میں ان کا ایک اور لائق شاگرد "سیلو" مرگیا اس کے غم سے کنفیوشس خود بھی بیمار پڑ گئے۔ خواب میں دیکھا کہ وہ خود بھی دنیا سے رخصت ہوگئے ہیں۔ خواب کی صحیح تعبیر سات دن بعد پوری ہوگئی......
489 قبل مسیح میں 73 سال کی عمر میں کنفیوشس نے وفات پائی۔ انتقال کے وقت کوئی اولاد زندہ نہیں تھی۔ کنفیوشس کو احترام کے ساتھ دفن کیا گیا اور "کیوفو" میں ان کا مقبرہ آج بھی قومی زیارت گاہ ہے۔
ان کے مقبرہ پر "بہترین حکیم۔ قدیم ترین معلم" کے الفاظ کندہ ہیں۔
کنفیوشس اپنے متعلق کہتے ہیں......
میں روزانہ اپنے آپ سے تین سوال پوچھتا ہوں کیا میں نے اپنی بہترین صلاحیتوں سے دوسروں کی کوئی خدمت کی ہے؟ کیا میں اپنے کام اور گفتگو سے مخلص ہوں؟ کیا میں جو نصیحت دوسروں کو کرتا ہوں، خود بھی اس پر عمل کرتا ہوں؟
میں نے پندرہ سال کی عمر میں اپنے آپ کو مطالعہ کے لئے وقف کر دیا تیس سال کی عمر میں نیکی کی فطرت کو پالیا چالیس سال کی عمر میں میرے تمام شکوک رفع ہوگئے۔ پچاس سال کی عمر میں، میں نے قسمت کی حقیقت کو سمجھ لیا۔ ساٹھ سال کی عمر میں، کان میری زندگی سے ہم آہنگ ہوگئے۔ ستر سال کی عمر میں، تمام بری خواہشات سے چھٹکارا حاصل کرلیا۔
کنفیوشس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے لائق شاگردوں کا ایک گروہ تیار کرلیا جس نے دانش قدیم کو پرکھا اور انہیں مرتب کیا۔ مگر کسی معتقد نے اس کی تعلیمات میں کوئی اضافہ نہیں کیا۔ منگ تاذو (Meng Tzu) جو عام طور پر مین شس کے نام پر مشہور ہیں وہ ان کی موت سے ایک صدی بعد پیدا ہوئے۔ مین شس نے کنفیوشی مذہب کی خدمت کی، کنفیوشی تعلیمات کی شرح وتفسیر میں بڑا اہم کردار ادا کیا اور کنفیوشس کی تعلیمات کے مختلف پہلوؤں کو ترقی دی۔
"ہن" خاندان کے دورِ اقتدار میں کنفیوشی مذہب کو سرکاری سرپرستی حاصل ہوئی فیصلہ ہوا کہ ہر شہر میں کنفیوشی عبادت گاہیں تعمیر کی جائیں، جہاں پر قربانی موسیقی اور مذہبی رسوم کے ذریعہ کنفیوشس کو خراج عقیدت پیش کیا جائے۔ یہ عبادت درحقیقت کنفیوشس کی پرستش نہیں تھی نہ انہیں ابھی دیوتا کا مقام حاصل ہوا تھا اور نہ حاجت روائی کے لئے دعائیں مانگی جاتیں تھیں البتہ "ہن" خاندان کے

آخری سالوں میں ان کی مورتی کنفیوشی عبادت گاہوں کی زینت بنادی گئی اس کے کئی سو سال بعد ان کے چیدہ چیدہ معتقدوں کی مورتیاں بھی کنفیوشس کی مورتی کے ساتھ شامل کر دی گئیں۔ سولہویں صدی عیسوی میں ان مورتیوں کی جگہ لکڑی کی تختیوں پر کندہ کنفیوشی تعلیمات نے لے لی۔

چین میں سب سے زیادہ پیروکار کنفیوشس ازم کے ہیں۔ کنفیوشی مت مذہب نہیں کیونکہ اس میں نہ کوئی مذہبی اجارہ داری ہے اور نہ خانقاہیں جیسا کہ بدھ مت اور تاؤمت میں ہیں پھر بھی یہ مذہب بقائے باہمی کے اصول پر چین میں مدتوں زندہ رہا۔ دراصل کنفیوشس نے کہا کہ میں اسلاف کا سرمایہ آگے منتقل کرنے والا ہوں۔ خود کچھ بنانے والا نہیں ہوں مجھے اسلاف سے محبت ہے اور عقیدت بھی۔ میں جانتا ہوں میرے الفاظ میں فراست ہے کیوں کہ میں قدیم عارفوں کی فراست کو دہرا رہا ہوں۔

کتاب "Doctrine of means" جو کنفیوشس کے پوتے کی طرف منسوب ہے میں لکھا ہے کہ: کنفیوشس نے ''یاؤ'' اور ''رشن'' کے اصولوں کی ترویج کی گویا وہ ان کے اسلاف تھے اور ''ون'' اور ''وُ'' کے احکام کو نافذ کیا جن کو انھوں نے اپنے سامنے بطور نمونہ رکھا۔

کنفیوشس نے اچھی حکومت کے لئے تین اصول بتائے ہیں۔ خوراک کی افراط، فوجی ساز و سامان کی فراہمی اور حاکم پر عوام کا اعتماد۔ ایک شخص نے پوچھا کہ ان میں سے کسی ایک کو چھوڑنا پڑے تو کسے چھوڑیں جواب دیا فوجی ساز و سامان کو پھر سائل نے پوچھا کہ اگر باقی دو میں سے کسی ایک کو ترک کرنا ہو تو وہ بولا خوراک کو ترک کردو۔ مرنا تو ایک دن ہے ہی لیکن جب حاکم پر سے اعتماد اٹھ جائے گا تو ملک تباہ ہو جائے گا۔ کنفیوشس کے اصول وضوابط کے مطابق ضروری ہے کہ حکمران اعلیٰ اخلاق کا حامل ہو کیوں کہ عوام ہمیشہ حکام کی تقلید کرتے ہیں حاکم کا اخلاق اچھا ہو گا تو عوام بھی اچھی ہوگی۔ کنفیوشس فطرت انسانی کا بہت بڑا علمبردار تھا اور کہا کرتا تھا کہ میں نے ایک شخص بھی ایسا نہیں دیکھا جو نیکی کا بھی اتنا ہی خواہاں ہو جتنا وہ حسن و جمال کا شیدائی ہوتا ہے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ مناسب تربیت سے انسان کی مخفی تعمیری صلاحیتوں کو بروئے کار لایا جا سکتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

''علم حاصل کرو خواہ تمہیں چین جانا پڑے۔''

خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب نے کتاب ''محمد رسول اللہ ﷺ (جلد سوئم)'' میں چینی قوم کے بارے میں لکھا ہے کہ ......

اہل تکوین ترغیبی پروگرام بناتے ہیں۔

جنوری ۱۹۶۰ء میں ایک مجلس میں حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے فرمایا۔

''چینی قوم کے لئے ایک لاکھ ترغیبی پروگرام انسپائر کئے جاتے ہیں یہ محبّ الوطن قوم ایک پروگرام بھی رد نہیں کرتی سب کی سب انسپائریشن قبول کر لیتی ہے۔''

چین کے قبائل یاجوج، ماجوج کی ذریت ہیں وقت آئے گا کہ چین پوری دنیا پر حکمراں ہو جائے گا ٹیکنالوجی اور اقتصادی ترقی کی بنا پر اقوام عالم چین کے زیر تصرف آجائیں گی۔

کنفیوشس کے اقوال......

☆ نیک زندگی، لمبی زندگی سے بہتر ہوتی ہے۔

☆ تیز اور بلیغ زبان شک پر مبنی ہوتی ہے ایسی زبان دوسروں میں غصے کے جذبات پیدا کرسکتی ہے۔

☆ جب آپ دیکھتے ہیں کہ آپ نے غلطی کی ہے تو کیا اس کی ذمہ داری قبول کرتے ہیں؟ کیا آپ اس غلطی سے سبق سیکھ کر اپنے آپ کو تبدیل کرتے ہیں؟ تاکہ آپ ایسی غلطی دوبارہ نہ کریں اگر آپ ایسا کرتے ہیں تو یہ بہت غیر معمولی بات ہے۔

☆ تم اگر معمولی قسم کے چاول اعلیٰ قسم کے چاول سمجھ کر کھاتے ہو یا پانی کو شراب سمجھ کر پیتے ہو تو اس میں کوئی خاص بات نہیں اصل بات یہ ہے کہ جو کچھ تم نے کھایا یا پیا ہے اس کو تم نے ایمانداری اور محنت سے حاصل کیا ہو۔

☆ اہل عقل معمولی معاملات میں لچکدار ہوتے ہیں لیکن زندگی گزارنے کے لئے سخت اصول اپناتے ہیں۔

☆ موسموں کو دیکھو اور مشاہدہ کرو کہ زندگی کس طرح وجود میں آتی ہے اور چلی جاتی ہے......تم عقل مند ہو جاؤ گے۔

☆ کچھ لوگ حوصلے کو اعلیٰ ترین صلاحیت قرار دیتے ہیں لیکن عقل مند لوگ اخلاق کو اعلیٰ ترین صلاحیت قرار دیتے ہیں۔

☆ سخاوت اور فیاضی آگ اور پانی سے زیادہ ''حیات بخش'' ہے۔آگ سے لوگ جل کر مر جاتے ہیں، پانی میں لوگ ڈوب کر مر جاتے ہیں لیکن سخاوت اور فیاضی لوگوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتی۔

☆ شریف لوگوں کی نشانی ہے کہ وہ تحمل مزاج ہوتے ہیں وہ ان لوگوں سے انتقام نہیں لیتے جو انہیں ستاتے ہیں۔

☆ فیاض بن کر دوسروں سے محبت کرو۔عقل مند بن کر دوسرے لوگوں کو سمجھو۔ایک اچھا حکمران اچھے لوگوں کو محاسبہ کرنے کا اختیار دیتا ہے۔اچھے دوست بن کر دوسروں کو عقل مندی کی نصیحت کرو۔ان کی رہنمائی اپنی بصیرت سے کرو اگر دوسروں پر آپ کی نصیحت کا اثر نہیں ہوتا تو انہیں کچھ مت کہو۔

☆ اگر تم کسی کو ملازم رکھو تو تمہارا فرض ہے کہ اس ملازم کی حوصلہ افزائی کرو۔حوصلہ افزائی کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ مل کر کام کرو ان کو سست نہ کہو۔

☆ اگر تم دوسروں پر حکمرانی کرتے ہو تو ان کی چھوٹی غلطیوں کو نظر انداز کرو اور قابلیت اور صلاحیت کے مطابق ان کو ترقی دو۔

☆ اگر تم دولت مند ہو جاؤ تو تمہیں اپنی دولت پر اترانا نہیں چاہئے ایک گھر، گھر ہی ہوتا ہے یہ کوئی محل ہو یا جھونپڑی، کھانا، کھانا ہی ہوتا ہے یہ کسی شاندار دعوت میں کھایا جائے یا سادگی سے کھایا جائے۔

☆ عقل مند لوگوں میں شرافت اور خودداری ہوتی ہے حوصلہ اور رحم ہوتا ہے یہی خصوصیات ان کی پہچان ہیں۔

☆ جب کوئی تمہارے ساتھ غلط برتاؤ کرے تو اپنی قوت ارادی سے اس کے خلاف مزاحمت کرو اگر کوئی تمہاری بہت زیادہ عزت کرے جس کے تم حق دار نہ ہو تو اس شخص کے شر سے بچ کر رہو۔

☆ تمہیں اچھا کام کرتے ہوئے زخمی بھی ہونا پڑے تو کوئی بات نہیں لیکن دیانتداری کو زخمی نہیں ہونا چاہئے۔

☆ تمہارے الفاظ میں دیانتداری ہو اور تمہارے اعمال مخلص ہوں تو تمہارے دشمن بھی تمہاری عزت کریں گے۔

☆☆☆

کتاب ''احسان وتصوف'' بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ,ملتان کے ایم اے کے نصاب میں شامل ہے۔ محترم عظیمی صاحب کی خسروانہ اجازت کے ساتھ یہ کتاب قسط وار ''ماہنامہ قلندر شعور'' میں شائع کی جارہی ہے۔

انشاء اللہ احسان وتصوف کے مضامین اساتذہ کرام، یونیورسٹی کے طالبات وطلباء کی علمی استعداد میں اضافہ کا باعث ہونگے۔

پروفیسر نورالدین جامی، سیرت چیئر، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

آدم وحوا جب زمین پر آئے تو ان میں شعور بہت کم تھا، وہ نہیں جانتے تھے کہ وسائل کو کس طرح استعمال کیا جائے۔ قانون قدرت کے تحت آدم کی نسل دو سے چار، چار سے آٹھ اور اسی طرح جب ہزاروں سے تجاوز کر گئی تو شعور بھی لاکھوں گنا ہو گیا۔ آدم وحوا کے بچوں نے جڑیں، ناپختہ پھل اور کچا گوشت کھانے میں کراہیت محسوس کی ان کے شعور نے رہنمائی کی کہ کچا گوشت نہ کھایا جائے۔ گیہوں کے دانے چبانے کے بجائے گندم پیس کر آٹے کی روٹی پکانی چاہیے۔

شعور ایک ہو یا ہزار ہوں جب کسی نقطے پر مرکوز ہو جاتے ہیں تو اس کا مظاہرہ ہو جاتا ہے۔ لاکھوں آدمیوں میں سے کسی ایک آدمی نے غیر اختیاری طور پر دو پتھر اٹھائے ان کو آپس میں ٹکرایا، ٹکرانے سے حرارت پیدا ہوئی تو پتھروں میں سے چنگاری نکلی۔ چنگاری کی چمک نے ابن آدم کو اس طرف متوجہ کیا کہ چنگاری سوکھی گھاس کو جلا دیتی ہے اور دیکھتے دیکھتے آگ بھڑک اٹھی۔

زمین پر انسان کا یہ پہلا دن تھا جب انسان حیوانات سے ممتاز ہوا اور اس نے اس ایجاد سے اپنے لئے کھانا پکانا شروع کر دیا۔ حیوانات سے ممتاز ہونے کے بعد انسان کے ذہن میں نئے نئے خیالات آتے رہے اور پھر ایجادات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

آدم اور حوا کے آنے سے پہلے زمین موجود تھی اور زمین پر جنات آباد تھے۔ زمین کے وارث جنات اور آدم ہیں۔

جنات نے جب زمین پر خون خرابہ کیا اور زمین کی کوکھ اجاڑنے کی ہر تدبیر پر عمل کیا تو قدرت نے جنات سے سرداری چھین کر آدم کو دے دی۔ لیکن ابن آدم نے بھی وہی کیا جو جنات کرتے تھے۔ بھائی نے بھائی کو قتل کر دیا۔

حضرت آدم علیہ السلام نے انسانی معاشرہ کے لئے جو قوانین وضع کئے ان کی اولاد نے ان پر پوری طرح عمل نہیں کیا۔ طویل عرصے کے بعد حضرت نوح علیہ السلام پیدا ہوئے۔ حضرت نوح علیہ السلام ۹۵۰ برس

تک تبلیغ کرتے رہے۔ نو سو پچاس برسوں تک تبلیغ کرنے کے نتیجہ میں صرف اسّی (۸۰) مرد اور عورتیں ایمان لائے۔ اس پاداش میں قوم پر عذاب نازل ہوا۔ آسمان سے اتنا پانی برسا کہ زمین سمندر بن گئی۔ حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا بھی ہلاک ہو گیا۔ اسّی (۸۰) مرد اور عورتیں جو ایمان لائے تھے عذاب الٰہی سے بچ گئے۔ زمین چھ مہینے تک پانی میں ڈوبی رہی۔

نوح علیہ السلام کے تین بیٹے ''حام، سام، یافث'' سے آدمؑ کی نسل کا آغاز ہوا۔ حام چھوٹے بیٹے تھے، سام منجھلے اور یافث بڑے بیٹے تھے۔ آج کی دنیا میں جہاں بھی جس رنگ کی بھی نسل آباد ہے وہ ان ہی تین بھائیوں کی اولاد ہے۔

ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کی حیات طیبہ پر غور کیا جائے تو تمام پیغمبروں نے آدم زاد کو اپنی روح سے واقف ہونے کی ہدایت دی ہے۔ یعنی مادی وجود کو سہارا دینے اور مادی وجود کو قائم رکھنے والی روح کو پہچانو۔ پیغمبروں نے بتایا ہے کہ روح اللہ کا امر ہے۔ انسان کو اللہ کے امر کا علم دیا گیا ہے مگر تھوڑا علم دیا گیا ہے۔ لیکن یہ تھوڑا علم لامحدود علم کا قلیل علم ہے۔

سمندر کے قطرہ کا تجزیہ کیا جائے تو اس میں پورے سمندر کی صفات نظر آئیں گی۔

انسان کے دو رخ ہیں......ایک جسمانی اور دوسرا اس کا ماورائی جسم۔ مادی جسم کی تعریف یہ ہے کہ اس میں ہر لمحہ ٹوٹ پھوٹ ہوتی رہتی ہے۔ یہ جسم فنا ہو کر مٹی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

دنیا ہزاروں سال سے موجود ہے۔ ہزاروں سال کی تاریخ میں ایک بھی مثال نہیں ہے کہ کسی مردہ جسم نے کوئی ایجاد کی ہو یا مردہ اجسام سے کوئی اور انسانی عمل سرزد ہوا ہو۔

اللہ کے فرستادہ ہر نبی مکرم علیہ السلام نے اس امر کی تبلیغ کی ہے کہ انسان کا صحیح ورثہ وہ علم ہے جو اللہ تعالیٰ نے ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کو خود پڑھایا اور سکھایا ہے۔

ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت کا سبب بھی یہی علم ہے۔ جو جنات کو اور فرشتوں کو عطا نہیں کیا گیا۔

پیغمبروں کی تعلیمات کے مطابق واحد ذات اللہ ہے۔ جس کی پرستش کی جاسکتی ہے۔

پیغمبروں کی زندگی پر تفکر کیا جائے تو ان میں صراط مستقیم پر قائم رہنے اور صراط مستقیم پر دعوت دینے کا بھرپور عزم ہوتا ہے۔ پیغمبر عفو و درگذر سے کام لیتے ہیں، حق تلفی نہ کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ ہر پیغمبر کی تعلیمات کا مقصد توحید پرستی ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ ہمیں ہدایت دیتا ہے کہ اللہ قادر مطلق ہے وہ جسے چاہے عزت اور شرف سے

نواز دے اور جسے چاہے ذلیل وخوار کر دے۔ اللہ عجز و انکساری کو پسند فرماتا ہے۔

تکبر اور غرور اللہ کے لئے ناپسندیدہ اعمال ہیں۔ ناپسندیدہ اعمال جب حد سے تجاوز کر جاتے ہیں تو قدرت نافرمانوں کو نیست و نابود کر دیتی ہے۔ ہر انسان اپنے عمل کا خود جوابدہ ہے اس لئے باپ کی بزرگی بیٹے کی نافرمانی کا مداوا نہیں بن سکتی اور نہ بیٹے کی سعادت باپ کی سرکشی کا بدل ہو سکتی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب بت پرست قوم سے بیزار ہوئے انہیں خدا کو جاننے پہچاننے اور عرفان حاصل کرنے کی آرزو ہوئی۔ ایک روز حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اماں سے پوچھا۔ ''تیرا خدا کون ہے؟''۔ ''بیٹا میرا خدا تیرا باپ ہے جو میری ضروریات پوری کرتا ہے۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا۔ ''ماں جی! میرے باپ کا خدا کون ہے؟'' ماں جی نے بتایا کہ آسمان پر چمکنے والے ستارے تیرے باپ کے خدا ہیں''۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس جواب سے مطمئن نہیں ہوئے۔ ان کے اندر کے نور نے خدا کی تلاش کے لئے انہیں بےقرار کر دیا۔

رات اندھیری ہو گئی تو انہوں نے ایک ستارہ دیکھا اور کہا یہ میرا رب ہے، سو جب وہ غروب ہو گیا تو آپ نے کہا میں غروب ہو جانے والوں سے محبت نہیں رکھتا۔ پھر جب چاند کو چمکتا ہوا دیکھا تو فرمایا! یہ میرا رب ہے۔ تو جب وہ غروب ہو گیا تو فرمایا! اگر مجھ کو میرا رب ہدایت نہ کرتا رہے تو میں گمراہ لوگوں میں شامل ہو جاتا اور پھر آفتاب کو چمکتا ہوا دیکھا تو فرمایا یہ میرا رب ہے! یہ سب سے بڑا ہے تو جب وہ غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا۔ اے قوم! بے شک میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں۔ اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''پھر ہم نے ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی سلطنت میں عجائبات دکھائے تا کہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے۔'' (سورۂ انعام: آیت نمبر ۷۵)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات میں سے ایک اہم واقعہ اس ملاقات کا ہے جو ان کے اور ایک صاحب باطن مرد خدا (صوفی) کے درمیان ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ علیہ السلام! جہاں دو سمندر ملتے ہیں وہاں ہمارا ایک بندہ ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا! پروردگار اس بندے تک پہنچنے کا کیا طریقہ ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ مچھلی اپنے توشہ دان میں رکھ لو۔ جس مقام پر مچھلی گم ہو جائے اسی جگہ وہ شخص ملے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اس مقام پر پہنچ گئے جہاں وہ شخص تھا۔ حضرت موسیٰ

علیہ السلام نے سلام کیا اور بتایا کہ میرا نام موسیٰ ہے۔ اس شخص نے پوچھا موسیٰ بنی اسرائیل؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا، ہاں۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا۔ میں آپ سے وہ علم حاصل کرنے آیا ہوں جو اللہ نے آپ کو سکھایا ہے۔ اس شخص نے کہا۔ اے موسیٰ! تم میرے ساتھ رہ کر ان معاملات میں صبر نہیں کرسکو گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا! انشاء اللہ مجھ کو آپ صابر پائیں گے۔ اس شخص نے کہا تو پھر شرط ہے کہ جب تک آپ میرے ساتھ رہیں کسی معاملے میں مجھ سے سوال نہ کریں۔ دونوں کشتی میں بیٹھ گئے۔

اس شخص نے (جسے اہل باطن صوفیاء خضر علیہ السلام کہتے ہیں) کشتی میں سوراخ کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا۔ یہ آپ نے کیسی عجیب بات کی ہے کہ کشتی والوں نے ہم سے کرایہ بھی نہیں لیا اور آپ نے کشتی میں سوراخ کر دیا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا کہ میں نے آپ سے کہا تھا کہ آپ صبر نہیں کرسکیں گے۔

کشتی کنارے لگی تو دونوں اتر کر ایک میدان میں پہنچے۔ میدان میں بچے کھیل رہے تھے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے ایک بچے کو قتل کر دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا یہ تو بہت برا ہوا کہ آپ نے ناحق ایک معصوم کو قتل کر دیا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا میں نے آپ سے شروع میں کہہ دیا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر وضبط سے کام نہیں لیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اس مرتبہ اور نظر انداز کر دیجئے اس کے بعد کوئی عذر نہیں رہے گا۔ اور آپ مجھ سے علیحدہ ہو جائیں گے۔

چلتے چلتے ایک بستی میں پہنچ گئے۔ ایک مکان کی دیوار گرنے لگی تھی۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اسے درست کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا۔ بستی والوں نے نہ ہماری مہمان داری کی نہ ہمیں ٹھہرنے کی جگہ دی۔ آپ نے بغیر اجرت کے دیوار بنادی۔

حضرت مریم علیہ السلام جلیل القدر بندوں میں ممتاز ہیں۔ جب فرشتوں نے کہا ''اے مریم علیہ السلام! بلاشبہ اللہ نے تجھ کو بزرگی دی اور پاک کیا اور دنیا کی عورتوں پر تجھ کو برگزیدہ کیا۔ اے مریم علیہ السلام اپنے پروردگار کے سامنے جھک جا اور سجدہ ریز ہو جا اور نماز قائم کرنے والوں کے ساتھ نماز ادا کر۔''

قرآن حکیم میں ہے جب فرشتوں نے مریم علیہ السلام سے کہا:

''اے مریم! اللہ تعالیٰ تجھ کو اپنے حکم کی بشارت دیتا ہے اور اس کا نام مسیح ابن مریم علیہ السلام ہوگا۔ وہ دنیا و آخرت میں صاحب وجاہت اور ہمارے مقربین میں ہوگا۔''

(سورۂ آل عمران: آیت نمبر ۴۵)

''وہ ماں کی گود میں لوگوں سے کلام کرے گا اور وہ نیکوکاروں میں سے ہوگا''۔ (سورۂ آل عمران: آیت نمبر ۴۶)

مریم علیہ السلام نے کہا کہ:

''میرے لڑکا کیسے ہوسکتا ہے؟ جب کہ کسی مرد نے مجھے ہاتھ تک نہیں لگایا۔''

فرشتے نے کہا:

''اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے اسی طرح پیدا کردیتا ہے۔ جب وہ کسی شئے کے لئے حکم کرتا ہے تو بس کہہ دیتا ہے ہوجا اور وہ ہو جاتا ہے''۔ (سورۂ آل عمران: آیت نمبر ۴۷)

حضرت مریم علیہ السلام بچے کو گود میں لے کر جب شہر میں پہنچیں تو لوگوں نے انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا۔

مریم علیہ السلام نے اللہ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے لڑکے کی طرف اشارہ کیا جو کچھ پوچھنا ہے اس سے پوچھ لو آج میرا روزہ ہے۔

حضرت مریم علیہ السلام کے اس واقعے سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ خواتین کو بھی اللہ تعالیٰ نے مردوں کی طرح روحانی صلاحیتیں عطا کی ہیں۔

آسمان سات ہیں ...... ہر آسمان ایک شعور ہے یعنی شعوروں کی یکجائی کا نام سات آسمان ہے۔

زمین کے کناروں سے باہر دیکھنے کی صلاحیت کے حامل سالک کے اندر پہلے آسمان کا شعور پیدا ہو جاتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اس طرح سات آسمانوں کو وہ دیکھ لیتا ہے اور سات آسمانوں میں وہ داخل ہو جاتا ہے۔

اللہ کریم نے فرمایا!

''ہم نے آسمان اور زمین کو تہہ در تہہ بنایا ہے''۔

(سورۃ الملک ۔۳)

''اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور زمین کی قسم بھی انہی کی مانند ہے''۔ (سورۃ الطلاق ۔۱۲)

تہہ در تہہ سے مراد دراصل وہ شعوری صلاحیتیں ہیں جو اللہ نے انسان کو ودیعت کی ہیں۔ سات تہوں والے آسمانوں یا زمین سے مراد یہ ہے کہ ہر تہہ ایک مکمل نظام ہے اور ہر نظام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ ایسا ضابطہ حیات جس کا ایک دوسرے سے تصادم نہیں ہوتا۔ ان سب کا رشتہ خالق کائنات کے ساتھ قائم ہے۔

تمام چیزیں اور مخلوقات اس بات کا علم رکھتی ہیں کہ ہمارا خالق اللہ ہے اور اس علم پر یقین رکھتے ہوئے اللہ کی حمد و ثناء کرتے ہیں۔

اربوں کھربوں سے زیادہ ان چیزوں یا مخلوقات میں سے کوئی ایک مخلوق بھی اللہ کی خالقیت سے انحراف کرے تو نظام زندگی میں خلل واقع ہو جاتا ہے۔

یہی بات اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے کہ......

تمام چیزیں جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں اللہ کی حمد بیان کرتی ہیں یعنی اللہ کی خالقیت سے انحراف نہیں کرتیں۔

☆☆☆

سلسلۂ عظیمیہ اور اس کی علمی و سماجی خدمات کا تحقیقی جائزہ

پاکستان کے نہایت معتبر اعلیٰ تعلیمی ادارے جامعہ کراچی نے عارف باللہ، ابدال حق حضرت محمد عظیم برخیا قلندر بابا اولیاءؒ کے قائم کردہ سلسلۂ عظیمیہ اور اُس کی علمی و سماجی خدمات کو اپنی تحقیق کا موضوع بنایا۔ سلسلۂ عظیمیہ پر پی ایچ۔ڈی سطح پر تحقیق کی توفیق و سعادت ڈاکٹر وقار یوسف عظیمی مینیجنگ ایڈیٹر روحانی ڈائجسٹ کے حصے میں آئی۔ ڈاکٹر عظیمی صاحب کا تحقیقی مقالہ سلسلۂ عظیمیہ کے پیغام اور تعلیمات کو سمجھنے کے ساتھ ساتھ معاشرے میں صوفیائے کرام کے مشن کو فروغ دینے اور افراد کی بہترین کردار سازی میں انشاءاللہ معاون ہوگا۔ ڈاکٹر وقار یوسف عظیمی کا یہ مقالہ صوفیائے کرام سے محبت، مقدس مشن سے اپنی وابستگی اور عقیدت کا خوبصورت اظہار ہے۔ یہ مقالہ چھ ابواب پر مشتمل ہے۔ علمی اور تحقیقی مواد سے مزین ہر باب میں سادہ اور آسان زبان استعمال کی گئی ہے۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں......

اللہ وحدہٗ لاشریک کائنات میں تمام عالمین اور اس میں موجود تمام مخلوقات کا خالق و مالک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر مخلوق میں موجود نظام اور اس کے تقاضوں کی تکمیل کے لئے وسائل عطا فرمائے۔ اپنی ہر تخلیق کو اس کے تقاضوں اور ضروریات کے مطابق شعور عطا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق انسان کو مٹی سے بنایا اور اس میں اپنی روح پھونک دی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اور بے شک ہم نے انسان کو کھنکھناتی ہوئی خشک مٹی سے جو سیاہ خمیر کی بنی ہوئی تھی بنایا۔'' (سورۂ حجر:۲۶)

''سو جب میں اسے ٹھیک ٹھاک کرلوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم سب اس کے سامنے سجدے میں گر پڑنا۔''

(سورۂ حجر:۲۹)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو علم الاسماء عطا کرکے اسے تمام مخلوقات پر برتری عطا کردی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

'' اور اللہ نے آدم کو تمام چیزوں کے نام سکھا دیئے پھر فرشتوں کے سامنے سب چیزوں کو پیش کرکے فرمایا اگر تم سچے ہو تو مجھے ان سب کے نام بتاؤ۔ فرشتوں نے کہا تو پاک ہے۔ ہمیں تو صرف اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے ہمیں سکھا رکھا ہے۔ پورے علم و حکمت والے آپ ہی ہیں۔'' (سورۂ بقرہ:۳۱)

اور جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کیا جائے تو ابلیس کے سوا سب نے اس حکم کی تعمیل کی۔

آدم کو فضیلت دیئے جانے پر ابلیس آدم سے دشمنی پر اتر آیا۔ ابلیس کی تخلیق آگ سے ہوئی تھی۔ اس لئے وہ خود کو آدم سے برتر سمجھتا تھا۔ اللہ تعالیٰ سے بغاوت کرنے پر شیطان راندہ درگاہ ٹھہرا۔ اپنی دشمنی کا بدلہ لینے کے لئے شیطان نے نوع آدم کو گمراہ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے مہلت مانگی جو اسے دے دی گئی۔

اللہ تعالیٰ نے آدم کو شیطان سے خبردار کرتے ہوئے جنت بھیج دیا۔ لیکن شیطان مکر و فریب سے اپنے مشن میں بزعم خود کامیاب ہوا۔ سورۃ بقرۃ میں ارشاد ہے:

''ہم نے فرمایا تم سب جنت سے اتر جاؤ پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے تو جو کوئی میری ہدایت

کی پیروی کرے گا اسے نہ کوئی اندیشہ ہوگا اور نہ کچھ غم۔''

ان آیات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ:

۱۔انسانی وجود دو اجزاء یعنی جسم اور روح سے مرکب ہے۔ان دو رخوں پر زندگی کا نظام قائم ہے۔

۲۔اللہ تعالیٰ نے انسان کو علم الاسماء کی بدولت تمام مخلوقات پر فضیلت دی۔

۳۔ان آیات میں وضاحت کر دی گئی ہے کہ ابلیس انسان کا کھلا دشمن ہے اور اس کا مشن انسان کو اللہ سے دور کرنا ہے۔اس طرح دو گروہ وجود میں آئے۔ایک وہ جو رحمٰن کے ماننے والے تھے اور دوسرے وہ جو شیطان کے پیروکار تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں نوع انسانی کی رہنمائی کے لئے انبیاء اور رسولوں کا سلسلہ قائم فرمایا ہے۔انسان کی پیدائش کا مقصد، اس کا شرف اور صراط مستقیم کے حوالے سے قرآن پاک ہماری مکمل رہنمائی کرتا ہے۔اور ہم پر یہ واضح کرتا ہے کہ اللہ کے عرفان کے حصول کا ذریعہ صرف اور صرف توحید باری تعالیٰ ہے۔لوگوں کی تربیت و تعلیم اور بہترین کردار سازی بھی صرف توحید کے ذریعے ممکن ہے۔

زمین پر نسل آدم جیسے جیسے پھیلتی رہی۔خاندان قبیلوں اور قبیلے قوموں میں تبدیل ہوتے رہے۔ان تمام امور میں بھی مصلحت خداوندی پوشیدہ ہے۔ہر زمانے میں اس دور کے تقاضوں کے مطابق انبیاء اور رسولوں کا سلسلہ قائم رہا۔جنھوں نے لوگوں کو توحید کی تعلیمات کے ساتھ ساتھ زمین پر زندگی بسر کرنے کے لئے قواعد اور ضوابط سے آگاہ کیا تا کہ انسان اللہ کی رسی کو متحد ہو کر مضبوطی کے ساتھ پکڑلے اور شیطانی گروہ کے زمرہ میں نہ آئے۔

ڈاکٹر وقار یوسف عظیمی امام سلسلہ حضور قلندر بابا اولیاءؒ کی گود میں پروان چڑھے۔قلندر باباؒ کی گود کی لہروں نے ڈاکٹر صاحب میں ایسی لہریں موجزن کیں جوان کے لئے مشعل راہ ہیں اور آئندہ اللہ کی دی ہوئی توفیق کے ساتھ وہ ان نورانی لہروں سے انشاءاللہ استفادہ کرتے رہیں گے۔

ڈاکٹر صاحب خانوادہ سلسلۂ عظیمیہ حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی کے فرزند ارجمند ہیں۔عام خاص بھائی جان کے نام سے پکارتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے ''تصوف کیا ہے'' کے عنوان سے تصوف کا ماخذ بیان کیا ہے اور تصوف کے بارے میں کئی سوالات جو لوگوں کے اذہان میں زیر بحث آتے رہے۔عالمانہ تحقیق سے ان کا حل پیش کیا ہے۔

بزرگانِ عظام حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، حضرت علی ہجویریؒ اور سلطان الہند حضرت معین الدین چشتی غریب نوازؒ کے ماخذ، اخلاقی قدروں کی وضاحت کی گئی ہے۔

عظیمی ڈاکٹر صاحب نے مستقبل بینی، ٹیلی پیتھی اور تصوف کی فاضلانہ انداز میں تشریح کی ہے۔

ڈاکٹر عظیمی نے شعور لاشعور کے ضمن میں خواب اور بیداری پر بھی نہایت فاضلانہ اظہارِ خیال کیا ہے۔علمِ حضوری اور علمِ حصولی کے ضمن میں علوم کی تشریح کرتے ہوئے قلندر بابا اولیاءؒ کی رہنمائی کا تذکرہ بہت خوبصورت انداز میں کیا ہے۔

وہ انکشاف کرتے ہیں......حواس کی Base روشنی ہے اور روشنی اللہ تعالیٰ کا نور ہے۔اگر انسان شعوری حدود سے نکل کر لاشعوری دنیا میں داخل ہو جائے تو وہ ماورائی دنیا اور آسمانی علوم حاصل کرسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراطِ مستقیم پر گامزن فرمائیں، آمین۔

FATIMID'S TRAVELS INTERNATIONAL

Shop # 16, Plot # 52-P II, Main Korangi Road, Phase II Ext, D.H.A
Email:a.hayat.khan@gmail.com
Contact: 92-21-35386755-58, Fax# 35387149,
0323-8224717, 0342-5225252

ہم آپ کو عمرہ کی ادائیگی کیلئے بہترین رہنمائی فراہم کرتے ہیں

عمرہ

ہمیشہ کی طرح اس سال بھی عمرہ کے منفرد اور معیاری پیکیج پیش کرتے ہیں
7 دن سے 28 دن تک منفرد پیکیجز

زندگی کا بہترین سفر، گھر سے اللہ کے گھر تک
اپنی زندگی کے دن یادگار بنائیں۔

سہولیات:

- ویزہ کا بروقت حصول
- مکہ مکرمہ میں حرم شریف کے نزدیک ترین رہائش
- مدینہ منورہ میں مسجد نبویؐ کے نزدیک ترین رہائش
- آرام دہ ائیر کنڈیشن ٹرانسپورٹ
- مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں ہمارا مستعد عملہ آپ کی خدمت کیلئے ہر وقت موجود ہے۔

خدمت میں عظمت
ہمارا نصب العین

محبت کا دروازہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ''میرا بندہ اپنی اطاعتوں سے میری قربت کو اس قدر ڈھونڈتا ہے کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں، یہاں تک کہ میں اسکی وہ آنکھ ہوجاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، وہ کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، وہ ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔''

اسلام کا سب سے پہلا حکم ایمان ہے ۔ ایمان کی خاصیت اور علامت ''محبتِ الٰہی'' ہے۔ یہ وہ دولت ہے جو صاحب ایمان ویقین کو عملاً نصیب ہوچکی ہے، قرآن شہادت فراہم کرتا ہے:

''جو ایمان لائے ہیں وہ سب سے زیادہ اللہ سے محبت رکھتے ہیں''۔ (سورۂ بقرہ۔۱۶۵)

عشق الٰہی کے سامنے باپ، ماں اولاد، بھائی، بیوی، جان، مال، خاندان سب قربان اور نثار ہوجاتا ہے۔

''اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا کنبہ اور وہ دولت جو تم نے کمائی ہے اور وہ کاروبار، جس میں نقصان کا تمہیں اندیشہ ہے اور مکانات جنہیں تم پسند کرتے ہو اللہ اور رسولؐ اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے تمہیں زیادہ محبوب اور پیارے ہیں تو اس وقت تک انتظار کرو کہ اللہ اپنا فیصلہ لے آئے'' (سورۂ توبہ۔۲۴)

اسلام وایمان کے بعد بھی اگر عشقِ الٰہی کی سرشاری نہیں ملی تو یہ عشق حقیقی نہیں۔

''مسلمانو! اگر تم میں سے کوئی اپنے دین سے پھر جائے گا تو اللہ کو اس کی کچھ پرواہ نہیں ہے وہ تمہاری جگہ ایسے لوگوں کو لا کھڑا کرے گا جن کو وہ پیار کرے گا اور وہ اس کو پیار کریں گے''۔ (سورۂ مائدہ۔۵۴)

حضرت عیسیٰ علیہ اسلام فرماتے ہیں:

''درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے'' ہر معنوی اور روحانی حقیقت، ظاہری آثار اور جسمانی علامات سے پہچانی جاتی ہے۔ تمہیں اگر زید کی محبت کا دعویٰ ہے، مگر تمہارے دل میں اس کے دیدار کی تڑپ ہے نہ تمہارے سینہ میں اس کے صدمہ فراق کی جلن ہے اور نہ آنکھوں میں اس کے ہجر کے آنسو ہیں، تو کون تمہارے دعوے کی تصدیق کرے گا۔ اسی طرح اللہ کی محبت اور پیار کے دعویدار تو بہت ہو سکتے ہیں مگر اس غیر محسوس کیفیت کی مادی نشانیاں اور ظاہری علامتیں اس کے احکام کی پیروی اور اس کے رسولؐ کی اطاعت ہے۔ اللہ کے رسولؐ کو اس

اعلان کا حکم دیا گیا:

''اگر تمہیں اللہ سے محبت ہے تو میری پیروی کرو کہ اللہ بھی تمہیں پیار کرے گا''۔(سورۂ آل عمران۔۳۱)

طبقاتِ انسانی میں متعدد ایسے گروہ ہیں جنہیں اللہ کی محبت اور پیار کی دولت ملی ہے:

''اللہ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے''، ''اللہ توبہ کرنے والوں کو پیار کرتا ہے''، ''اللہ توکل کرنے والوں کو محبت کرتا ہے''، ''اللہ انصاف کرنے والوں کو قریب کرتا ہے''، ''اللہ پرہیز گاروں کو محبت کرتا ہے''، ''اللہ صبر کرنے والوں کو پیار کرتا ہے''، ''اور اللہ پاک صاف رہنے والے لوگوں کو قریب کرتا ہے''۔

۱۔(آل عمران،۳۱)، ۲۔ (سورۂ مائدہ۔۹۳)، ۳۔(سورۂ بقرہ۔۲۲۲)،۴۔(سورۂ آل عمران۔۱۵۹)، ۵۔ (سورۂ مائدہ۔۴۲)، ۶۔ (سورۂ توبہ۔۴)، ۷۔(سورۂ آل عمران۔۱۴۶)،۸۔(سورۂ توبہ۔۱۰۸)

☆......☆......☆

عیش و مسرت، راحت و آرام، اطمینان و سکون اور شادی و خوشی کو اگر کوئی خیال برباد کرتا ہے تو وہ ماضی اور حال کی ناکامیوں کا غم اور مستقبل کا خوف ہے۔ حُزن و غم اور خوف و دہشت، یہی دو کانٹے ہیں، جو انسانیت کے پہلو میں ہمیشہ چُبھتے رہے ہیں لیکن محبوبِ حقیقی کے طلبگاروں کو بشارت دی گئی ہے کہ ان کا چمنستانِ عیش خارزاروں سے پاک ہوگا۔

الا ان اولیاء اللہ لاخوف علیہم ولاھم یحزنون ......

''یقیناً! اللہ کے دوستوں کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔''(سورۂ یونس۔۶۲)

محبت کا جو جذبہ بڑے کو چھوٹے کے ساتھ احسان، نیکی، درگذر، عفو اور بخشش پر آمادہ کرتا ہے اس کا نام ''رحم'' اور ''رحمت'' ہے، اسلام کا اللہ، تمام تر رحم ہے اس کی رحمت کے فیض سے کائنات کا ذرہ ذرہ سیراب ہے۔ اس کی صفت رحمان اور رحیم ہے، جو کچھ یہاں ہے سب اسی کی رحمت کا ظہور ہے، وہ نہ ہو تو کچھ نہ ہو، اسی لئے اس کی رحمت سے ناامید ہو جانا جرم اور گناہ ہے۔ مجرم سے مجرم اور گنہگار سے گنہگار شخص کو وہ نوازنے کے لئے ہمہ وقت آمادہ و مستعد ہے۔ گنہگاروں اور مجرموں کو وہ ''میرے بندے'' کہہ کر تسلی کا یہ پیغام دیتا ہے:

''اے پیغمبرؐ! میرے ان بندوں کو یہ پیغام پہنچا دیجئے، جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے کہ وہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں، اللہ یقیناً تمام گناہوں کو بخش دیتا ہے کہ وہی بخشش کرنیوالا اور رحم کرنے والا ہے''۔(سورۂ زمر۔۵۳)

فرشتے سیّدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بشارت سناتے ہیں تو کہتے ہیں:

''ناامید لوگوں میں شامل نہ ہوجایئے۔''

خلیل اللہ اس رمز سے ناآشنا نہ تھے کہ مرتبۂ ''خلّت'' محبت سے مافوق ہے، جواب دیا:

''اپنے پروردگار کی رحمت سے گمراہ لوگوں کے سوااور کوئی مایوس نہیں ہوتا''۔(سورۂ حجر۔۵۶)

رحمۃ للعالمین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوتا ہے کہ ہمارے گنہگار بندوں کو ہماری طرف سے سلام کہہ دیجئے اور تسلی کا یہ پیغام بھی پہنچا دیجئے کہ اللہ رب العزت کا باب رحمت ہر وقت کھلا ہے۔

''اے پیغمبرؐ! جب آپؐ کے پاس وہ آئیں جو میری آیتوں پر یقین رکھتے ہیں تو ان سے کہہ دیجئے السلام علیکم (تم پر سلامتی ہو) تمہارے پروردگار نے اپنے اوپر از خود اپنے پر مہربان ہونا لازم کرلیا ہے، جو کوئی تم میں سے نادانی وغفلت کی وجہ سے کوئی برائی کر بیٹھے پھر اس کے بعد توبہ کرلے اور نیک ہو جائے تو بے شک وہ بخشنے والا اور رحم کرنیوالا ہے۔

(سورۂ انعام۔۱۲)

قرآن حکیم کی تعلیمات کے مطابق اس وسیع کائنات کا کوئی ذرہ اللہ رب العزت کے سایہ رحمت سے محروم نہیں۔

''اور میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔۔۔''

(سورۂ اعراف۔۱۵۶)

''..... آدمؑ کے بیٹو! جب تک تم مجھے پکارتے رہو گے اور مجھ سے آس لگائے رہو گے میں تمہیں بخشتا رہوں گا، اپنی رحمت نازل کرتا رہوں گا۔ خواہ تم میں کتنے ہی عیب ہوں، مجھے پرواہ نہیں ہے۔ آدمؑ کے بیٹو! اگر تمہارے گناہ آسمان کے بادلوں تک پہنچ جائیں اور پھر تم مجھ سے معافی چاہو تو میں معاف کردوں گا خواہ تم میں کوئی عیب ہوں، مجھے پرواہ نہیں ہے۔ آدمؑ کے بیٹے! اگر پوری سطح زمین بھی تمہارے گناہوں سے بھری ہو، پھر تم میرے پاس آؤ اور میرا کسی کو شریک نہ بناتے ہو تو میں بھی پوری زمین بھر مغفرت لے کر تمہارے پاس آؤں گا....''

حضرت ابوایوب انصاریؓ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے لوگوں سے کہا کہ ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا.... ''اگر تم گناہ نہ کرتے تو خدا اور مخلوق پیدا کرتا جو گناہ کرتی تاکہ وہ اس کو بخشتا''......!

☆......☆......☆

دنیا میں انسانوں کے درمیان جو رحم و کرم اور مہر و محبت کے جذبات پائے جاتے ہیں، جن کی بنا پر دوستوں، عزیزوں اور قرابت داروں میں میل ملاپ اور محبت کے یہ مناظر نظر آتے ہیں۔ حضور رحمۃ للعالمین ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے .... اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے دس حصے کئے، ان میں سے ایک حصہ اپنی مخلوقات کو عطا کیا جس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ باقی ننانوے حصے اللہ کے پاس ہیں.....!''

ایک شخص شراب خوری کے جرم میں بار بار گرفتار ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا، صحابہ کرام نے تنگ آ کر عرض کیا:

''یااللہ..... ! تو اپنی لعنت اس پر نازل کر کہ یہ یہاں بار بار لایا جاتا ہے''۔ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو

صحابہ کی یہ بات پسند نہیں آئی، آپؐ نے ارشاد فرمایا ''اس پر لعنت نہ کرو کہ اس کو اللہ اور رسولؐ سے محبت ہے!'' تم نے دیکھا کہ اسلام نے گنہگاروں کے لئے بھی اللہ کی محبت کا دروازہ کھول دیا ہے۔

☆......☆......☆

مدینہ طیبہ میں ایک غریب مسلمان نے وفات پائی، اس کا غم کس نے کیا ہوگا؟ اس کی موت کا صدمہ کسی کو نہ ہوا۔ لیکن اس کی موت کا صدمہ محسوس کیا تو اس نے جو ساری دنیا کا غم خوار بن کر آیا تھا، چہرہ مبارک پر اندوہ وملال کے شدید آثار ظاہر تھے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا، 'یارسول اللہؐ! آپ کو اس مرنے والے کی موت کا بہت غم ہے؟' آپؐ نے ارشاد فرمایا، ''اسے اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت تھی، وہ ہمیشہ بلند آواز سے قرآن پڑھتا تھا، غریبوں کے دل اللہ کی محبت کے خزانے ہیں....!''

ام المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے ایک شخص کو کسی جماعت کا افسر بنا کر بھیجا تھا، وہ جب نماز پڑھاتے تھے، تو ہر نماز میں سورۃ کے آخر میں قل ھو اللہ ضرور پڑھتے تھے، جب سفر سے یہ جماعت آئی تو ایک شخص نے آپؐ سے یہ واقعہ عرض کیا، آپؐ نے فرمایا....

''اُن سے پوچھو کہ وہ ایسا کیوں کرتے ہیں؟''

ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا، یہ میں اس لئے کرتا ہوں کہ اس سورۃ میں رحم والے اللہ کی صفت بیان ہے، اسی لئے مجھے اس کے پڑھنے سے محبت ہے، آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ''.... ان کو بشارت دو کہ وہ رحم کرنے والا اللہ بھی ان سے محبت کرتا ہے!''

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ایک صحابیؓ نے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوکر دریافت کیا ''یارسول اللہؐ! قیامت کب آئے گی؟'' آپؐ نے ارشاد فرمایا.... ''تم نے اس کے لئے کیا سامان کر رکھا ہے؟''

صحابیؓ نے نادم ہوکر شکستہ دل کے ساتھ عرض کیا، ''یارسول اللہؐ! میرے پاس نمازوں کا، روزوں کا، صدقات اور خیرات کا کوئی بہت بڑا ذخیرہ نہیں ہے، جو کچھ میرا سرمایا ہے وہ صرف اللہ اور رسولؐ کی محبت کا ہے اور بس!''

آپؐ نے ارشاد فرمایا ''... جو انسان جس سے محبت کرے گا، وہ اسی کے ساتھ رہے گا....!''

صحابہ کرامؓ نے اس بشارت کو سن کر اس دن بڑی خوشی منائی، کہ صرف اللہ اور رسولؐ کی محبت تمام نیکیوں کا بدل اور معاوضہ ہے۔

آپؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ''جب اللہ کسی بندے کو چاہتا ہے تو فرشتہ خاص، جبرئیلؑ سے اس کا تذکرہ کرتا ہے، کہ میں فلاں بندہ کو پیار کرتا ہوں، تو جبرئیلؑ بھی اس کو پیار کرتے ہیں، اور آسمان میں ندا کر دیتے ہیں کہ اللہ

اس بندہ کو پیار کرتا ہے،تم بھی پیار کرو،تو آسمان والے بھی اس کو پیار کرتے ہیں ،اور پھر ان میں اس کو ہر دلعزیزی اور حُسنِ قبول حاصل ہوتا ہے!''

☆......☆......☆

حضرت ابو ہریرہؓ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں ''اللہ فرماتا ہے کہ میرا بندہ اپنی اطاعتوں سے میری قربت کو اس قدر ڈھونڈھتا ہے کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں ، یہاں تک کہ میں اس کی وہ آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، وہ کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، وہ ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے!''

آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا ......''میں ان لوگوں کو پہچانتا ہوں جو نہ نبی ہیں اور نہ شہید ہیں ،لیکن قیامت میں ان کے مرتبہ کی بلندی پر انبیاء اور شہداء بھی رشک کریں گے، یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ سے محبت ہے اور جنہیں اللہ پیار کرتا ہے، وہ اچھی باتیں بتلاتے ہیں، اور بری باتوں سے روکتے ہیں!''

حضرت ابنِ عباسؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے ارشادفرمایا''لوگو! اللہ سے محبت کرو اور میری محبت کے سبب میرے اہل بیت سے محبت کرو۔''

☆......☆......☆

جو کچھ اسلام کی تعلیم تھی، وہ پیغمبر اسلامؐ کی عملی زندگی تھی ،عام مسلمانوں میں پیغمبر خدا کا لقب حبیب اللہ ہے۔ دیکھو کہ حبیب ومحبوب میں خُلّت اور محبت کے کیا ناز و نیاز ہیں ۔آپؐ خشوع وخضوع کی دعاؤں میں اور خلوت کی ملاقاتوں میں کیا ڈھونڈھتے اور کیا مانگتے تھے، کیا چاہتے اور کیا سوال کرتے تھے؟ آنحضرتؐ اپنی دعاؤں میں محبت الٰہی کی دولت مانگا کرتے تھے، انسان کو اس دنیا میں سب سے زیادہ محبوب اپنی اور اپنے اہل و عیال کی جان ہے، لیکن اللہ کے محبوب کی نگاہ میں یہ چیزیں ہیچ تھیں، دعا فرماتے تھے:''میں تیری محبت مانگتا ہوں اور جو تجھ سے محبت کرتا ہے اس کی محبت مانگتا ہوں اور اس عمل کی محبت مانگتا ہوں جو تیری محبت سے قریب کردے'' ''اللہ! تو اپنی محبت کو میری جان سے، میرے اہل وعیال سے، اور ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ میری نظر میں محبوب وعزیز بنادے''۔

عام ایمان، اللہ اور رسولؐ پر یقین کرتا ہے، مگر جانتے ہو کہ اس راہ کی آخری منزل کیا ہے؟ یہ کہ اللہ اور رسولؐ کی محبت کے آگے ماسوا کی تمام محبتیں ہیچ ہوجائیں۔

ایک دفعہ آپؐ کسی غزوہ سے تشریف لا رہے تھے، ایک عورت اپنے بچہ کو گود میں لیکر سامنے آئی اور عرض کی ''یارسول اللہ! ایک ماں کو اپنی اولاد سے جتنی محبت اور شفقت ہوتی ہے اور وہ اس کی جتنی خبر گیری کرتی ہے، کیا اللہ کو اپنے بندوں سے اس سے زیادہ محبت نہیں؟''

آپؐ نے ارشاد فرمایا ......''بے شک اس سے زیادہ ہے!''

عورت نے عرض کیا۔''کوئی ماں تو اپنی اولاد کو خود

آگ میں ڈالنا گوارا نہ کرے گی؟ یہ سن کر آپؐ کی چشم بینا بھیگ گئی۔ رحمۃ للعالمینؐ ایک مجلس میں تشریف فرما تھے، ایک صحابیؓ چادر میں ایک پرندے کو مع اس کے بچوں کے باندھ کر لائے اور واقعہ عرض کیا:۔

''یارسول اللہؐ! میں نے ایک جھاڑی سے ان بچوں کو اٹھا کر کپڑے میں لپیٹ لیا۔ ماں نے دیکھا تو میرے سر پر منڈلانے لگی، میں نے ذرا سا کپڑے کو کھول دیا تو وہ فوراً آ کر میری چادر میں بچوں پر گر پڑی''۔

آپؐ نے ارشاد فرمایا...... ''کیا بچوں کے ساتھ ماں کی اس محبت پر تمہیں تعجب ہے؟ قسم ہے! اس ذات کی، جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے، جو محبت اس ماں کو اپنے بچوں کے ساتھ ہے، اللہ کو اپنے بندوں کے ساتھ اس محبت سے بدرجہا زیادہ محبت ہے''۔

یہ سچ ہے کہ اسلام نے رحمت الٰہی کے ساتھ غضب کا بھی مکلّف بنایا ہے مگر جانتے ہو کہ اسلام کے عقیدہ میں رحمت وغضب کا باہمی توازن کیا ہے؟ خود اللہ عزوجل ارشاد فرماتے ہیں:

اللہ کے عشق ومحبت کے طلبگارو! تمہارے دل فانی محبتوں سے ہٹ کر اللہ رب العزت کی محبت کے خواہشمند ہیں اور درحقیقت تمہیں ازلی وابدی محبوب کی تلاش ہے دراصل تمہارا جسم نہیں بلکہ تمہاری روح کسی محبوب کی پرستش کے لئے بیتاب ہے تو آؤ اور اللہ رب العزت سے محبت کرو اس کے رسول ﷺ سے محبت کرو۔

☆ فرشتے سیّدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بشارت سناتے ہیں تو کہتے ہیں......

''ناامید لوگوں میں شامل نہ ہو جایئے۔''

خلیل اللہ اس رمز سے ناآشنا نہ تھے کہ آپؑ نے جواب دیا......

''اپنے پروردگار کی رحمت سے گمراہ لوگوں کے سوا اور کوئی مایوس نہیں ہوتا'' (سورۂ حجر۔۵۶)

☆ رحمۃ للعالمینؐ ایک مجلس میں تشریف فرما تھے، ایک صحابیؓ چادر میں ایک پرندے کو مع اس کے بچوں کے باندھ کر لائے اور واقعہ عرض کیا:

''یا رسول اللہؐ! میں نے ایک جھاڑی سے ان بچوں کو اٹھا کر کپڑے میں لپیٹ لیا۔ ماں نے دیکھا تو میرے سر پر منڈلانے لگی، میں نے ذرا سا کپڑے کو کھول دیا تو وہ فوراً آ کر میری چادر میں بچوں پر گر پڑی''۔

آپؐ نے ارشاد فرمایا...... ''کیا بچوں کے ساتھ ماں کی اس محبت پر تمہیں تعجب ہے؟ قسم ہے! اس ذات کی، جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے، جو محبت اس ماں کو اپنے بچوں کے ساتھ ہے، اللہ کو اپنے بندوں کے ساتھ اس محبت سے بدرجہا زیادہ محبت ہے''۔

روحانی علوم میں مراقبے کے علاوہ ایسی مشقیں موجود ہیں جو ذہن کو یکسو کرنے میں مدد دیتی ہیں۔ان مشقوں سے منفی خیالات کی رو مدھم پڑ جاتی ہے اور ذہنی انتشار کم سے کم ہو جاتا ہے۔اگر مراقبے کے ساتھ ان مشقوں پر بھی عمل کیا جائے تو ذہن بہت جلد مرکزیت حاصل کر لیتا ہے اور مراقبہ کے اثرات جلدی مرتب ہوتے ہیں۔

یوں تو ایسی مشقیں بہت سی ہیں لیکن یہاں صرف دو مشقیں درج کی جا رہی ہیں جو عملی لحاظ سے آسان اور نتائج کے اعتبار سے موثر ہیں۔

سانس:

جذباتی اتار چڑھاؤ اور اعصابی نظام میں سانس بہت اہم حیثیت رکھتا ہے۔مختلف جذباتی کیفیات میں سانس کی حرکات الگ الگ ہوتی ہیں۔صدمے کی حالت میں سانس لینے میں مشکل پیش آتی ہے۔غصہ میں سانس کی رفتار تیز ہو جاتی ہے۔ ذہنی سکون میں سانس کا انداز بالکل مختلف ہوتا ہے۔اس وقت سانس میں توازن پیدا ہو جاتا ہے اور رفتار ہلکی ہو جاتی ہے۔کوئی چیز یکا یک اعصاب پر بوجھ بن کر وارد ہو تو اندر کا سانس اندر اور باہر کا سانس باہر رہ جاتا ہے۔

روحانی صلاحیتوں اور سانس کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔علم روحانیت کے مطابق سانس کے دو رخ ہیں۔ ایک نزولی اور دوسرا صعودی۔ سانس اندر لینا صعودی رخ ہے اور سانس باہر نکالنا نزولی رخ ہے۔صعودی رخ میں آدمی روحانی کیفیات سے قریب ہو جاتا ہے اور نزولی حالت میں کشش ثقل کی طرف سفر کرتا ہے۔اگر سانس زیادہ دیر تک اندر رہے یا سانس اندر لینے کا وقفہ بڑھ جائے تو ہم زیادہ دیر تک روحانی کیفیات سے قریب رہتے ہیں۔

اگر سانس کی آمد و شد ختم ہو جائے تو ہمارا تعلق جسم سے منقطع ہو جاتا ہے۔ چنانچہ شعور میں رہتے ہوئے لاشعوری حواس میں داخل ہونے کے لئے سانس سے قطع تعلق کرنا ضروری نہیں۔لیکن سانس کا بہت آہستہ ہونا لازمی ہے۔اس کی مثال خواب یا گہرے استغراق کی کیفیت ہے۔ان کیفیات میں انسان سانس تو لیتا ہے لیکن سانس کی آمد و شد کا انداز تبدیل ہو جاتا ہے۔ سانس کی رفتار ہلکی ہو جاتی ہے۔سانس اندر لینے کا وقفہ

بڑھ جاتا ہے اور باہر نکالنے کے دورانیے میں کمی آ جاتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب ہمارے اوپر باطنی حواس کا غلبہ ہوتا ہے تو سانس کی رفتار مدھم پڑ جاتی ہے اور سانس اندر لینے کا وقفہ بڑھ جاتا ہے۔

جب اس اندازِ تنفس کی ارادے کے ساتھ مشق کی جاتی ہے تو لاشعوری کیفیات بیداری میں شعور پر وارد ہوتی ہیں اور ان کی گردش زیادہ وقفے تک شعور میں جاری رہتی ہے۔

مشق نمبر: 1

☆ آلتی پالتی مار کر یا دوزانو بیٹھ جائیں۔

☆ کمر سیدھی رکھیں لیکن جسم کے کسی حصے میں کھنچاؤ پیدا نہیں ہونا چاہئے۔

☆ پہلے دونوں نتھنوں سے سانس باہر نکال دیں تا کہ پھیپھڑے ہوا سے خالی ہو جائیں۔

☆ پھر آہستہ آہستہ سانس اندر کھینچیں۔

☆ جب سینہ ہوا سے بھر جائے تو سانس کو روکے بغیر ہونٹوں کے راستے باہر نکال دیں۔

☆ سانس نکالتے ہوئے ہونٹوں کو سکیڑ کر گول دائرہ بنائیں جیسے سیٹی بجاتے ہوئے بناتے ہیں۔

☆ سانس اندر لینا اور باہر نکالنا ایک چکر ہوا۔ اس طرح گیارہ چکر کریں اور رفتہ رفتہ تعداد بڑھا کر اکیس چکر کر دیں۔

اس مشق سے پھیپھڑوں کی حرکات پر کنٹرول حاصل ہوتا ہے اور سانس اندر لینے کا دورانیہ بڑھ جاتا ہے۔ مراقبہ کے وقت سانس کی رفتار ہلکی ہونی چاہئے۔ یہ بات یاد رکھئے کہ مراقبہ کے دوران سانس کی رفتار کو ارادے کے ساتھ آہستہ نہ کیجئے۔ اس لئے کہ ذہن مراقبہ سے ہٹ کر سانس کی آمد و شد کی طرف چلا جائے گا۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ مراقبہ شروع کرنے سے کچھ دیر پہلے آہستہ آہستہ سانس اندر لیں اور باہر نکالیں پھر مراقبہ میں مشغول ہو جائیں۔ سانس کی رفتار خود بخود مدھم ہو جائے گی۔

مشق نمبر: 2

مشق نمبر 1 میں بتائی گئی نشست میں بیٹھ کر دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھ لیں۔ دونوں نتھنوں سے سانس آہستہ آہستہ اندر کھینچیں۔ جب سینہ ہوا سے بھر جائے تو سانس کو سینے میں روک لیں۔ پانچ سیکنڈ تک سانس روکے رکھیں۔ پھر ہونٹوں کو سیٹی بجانے کے انداز میں کھول کر سانس کو منہ کھول کر باہر نکال دیں۔ کچھ دیر آرام کے بعد دوبارہ اسی طرح سانس اندر لیں، روکیں اور نکال دیں۔ یہ عمل پانچ مرتبہ کریں۔ اگلے روز دو چکروں کا اضافہ کر دیں۔ یعنی سات مرتبہ یہ عمل کریں۔ یہاں تک کہ چکروں کی تعداد گیارہ ہو جائے۔ جب چکروں کی تعداد گیارہ ہو جائے تو سانس روکنے کا وقفہ پانچ سیکنڈ سے بڑھا کر چھ سیکنڈ کر دیں اور چکروں کی تعداد گیارہ ہی رکھیں۔ جب چھ سیکنڈ تک سانس روکنے میں کوئی

مشکل پیش نہ آئے۔یعنی ذہنی اور جسمانی دباؤ محسوس نہ ہوتو سانس اندر روکنے کا وقفہ سات سیکنڈ کردیں اور اس وقت تک سات سیکنڈ وقفہ رکھیں جب تک اس پر عبور حاصل نہ ہو۔اس طرح سانس روکنے کا وقفہ بڑھاتے ہوئے پندرہ سیکنڈ تک کردیں اور پندرہ سیکنڈ کو معمول بنا لیں۔

مشق نمبر:3

مشق نمبر 1 میں بیان کئے گئے اندازنشست میں بیٹھ کر سیدھے ہاتھ کے انگوٹھے سے سیدھی طرف کا نتھنا بند کر کے بائیں نتھنے سے چار سیکنڈ میں سانس اندر لیں۔ سانس کھینچنے کے بعد سینے میں روک لیں اور ہاتھ کی آخری دو انگلیوں سے بایاں نتھنا بند کرلیں۔اس حالت میں سیدھا نتھنا انگوٹھے سے بند ہوگا۔آخری دو انگلیوں سے بایاں نتھنا بند کیا ہوگا اور باقی دو انگلیاں دونوں ابروؤں کے درمیان پیشانی پر رکھی ہونگی۔سانس کو چار سیکنڈ تک سینے میں روکیں اور صرف انگوٹھا سیدھے نتھنے پر سے ہٹا کر سانس کو چار سیکنڈ تک باہر نکال دیں۔بغیر رکے ہوئے اسی نتھنے سے چار سیکنڈ میں سانس اندر کھینچیں اور انگوٹھے سے سیدھا نتھنا دوبارہ بند کرلیں۔ چار سیکنڈ تک سانس روکیں پھر بائیں نتھنے پر سے دونوں انگلیاں ہٹا کر چار سیکنڈ میں سانس باہر نکال دیں۔ یہ ایک چکر مکمل ہوا۔کچھ دیر ستانے کے بعد دوبارہ یہی عمل دہرائیں۔اس طرح تین چکر مکمل کریں اور روزانہ ایک چکر کا اضافہ کرتے ہوئے سات چکر تک لے جائیں۔ جب چار سیکنڈ روکنے اور سات چکر کرنے پر مکمل قدرت حاصل ہو جائے تو چار سیکنڈ میں سانس اندر کھینچیں، روکنے کا وقفہ چھ سیکنڈ رکھیں اور چار سیکنڈ میں باہر نکالیں۔ چکروں کی تعداد حسب سابق سات ہی رکھیں۔ جب چھ سیکنڈ تک سانس روکنے اور سات چکر مکمل کرنے پر کنٹرول حاصل ہو جائے تو صرف روکنے کا وقفہ دو سیکنڈ بڑھا دیں۔اس طرح دو دو سیکنڈ روکنے کا وقفہ بڑھاتے ہوئے سولہ سیکنڈ تک لے جائیں۔ جب سولہ سیکنڈ سانس روکنے اور سات چکر مکمل کرنے میں کوئی دشواری محسوس نہ ہوتو صرف باہر نکالنے کا وقفہ بڑھا کر آٹھ سیکنڈ کردیں۔یعنی چار سیکنڈ میں سانس اندر لینا، سولہ سیکنڈ روکنا اور آٹھ سیکنڈ میں باہر نکالنا۔اس کے بعد انہی وقفوں پر مسلسل عمل کرتے رہیں۔

سانس کی ہر مشق معتدل کھانا کھانے کے کم از کم ڈھائی گھنٹے بعد کی جائے۔سانس کی مشقوں کا بہترین وقت صبح سورج نکلنے سے پہلے کا ہے۔اس وقت نہ صرف انسان کو ذہنی اور جسمانی چستی حاصل ہوتی ہے بلکہ فضا میں آکسیجن بھی زیادہ ہوتی ہے اور برقی مقناطیسی لہروں میں شدت آ جاتی ہے۔ سانس کی مشقوں کا دوسرا مناسب وقت رات کو سونے سے پہلے ہے۔

استغراق:

استغراق کی مشقیں کئی طرح کی ہیں۔ایک طرز میں توجہ کو کسی طبعی حرکت پر لگایا جاتا ہے۔ چونکہ شعور طبعی حرکت سے مانوس ہوتا ہے۔اس لئے ارتکاز توجہ میں

آسانی ہوتی ہے۔ ایک عمل کے بار بار واقع ہونے سے شعور پر استغراق طاری ہو جاتا ہے۔ مثلاً سانس کے اندر لینے اور خارج کرنے پر مختلف طریقوں سے دھیان قائم کیا جاتا ہے۔

استغراق کی دوسری مشقوں میں آنکھ کے ڈیلوں کو ساکت کرنے کی مشق کی جاتی ہے۔ تاکہ آنکھ کے عضلات پر کنٹرول حاصل ہو جائے۔ کنٹرول حاصل ہو جانے پر آنکھ کے ڈیلوں کی حرکات کو ارادہ کے تحت ساکت کیا جاتا ہے۔ اس طرح شعوری استغراق کے حصول میں مدد ملتی ہے۔

☆ علم روحانیت کے مطابق سانس کے دو رخ ہیں۔ ایک نزولی اور دوسرا صعودی۔ سانس اندر لینا صعودی رخ ہے اور سانس باہر نکالنا نزولی رخ ہے۔ صعودی رخ میں آدمی روحانی کیفیات سے قریب ہو جاتا ہے اور نزولی حالت میں کشش ثقل کی طرف سفر کرتا ہے۔ اگر سانس زیادہ دیر تک اندر رہے یا سانس اندر لینے کا وقفہ بڑھ جائے تو ہم زیادہ دیر تک روحانی کیفیات سے قریب رہتے ہیں۔

مشق نمبر:1

☆ فرش پر موٹی دری وغیرہ بچھا کر یا کسی آرام دہ بستر پر چت لیٹ جائیں۔ بستر زیادہ نرم نہیں ہونا چاہئے۔
☆ دونوں ہاتھ جسم کے ساتھ پھیلا دیں۔
☆ قدرے فاصلے دے کر ٹانگوں کو بھی پھیلا دیں۔
☆ جسم کا ہر حصہ پرسکون اور ڈھیلا ہونا چاہئے۔
☆ اعصاب میں تناؤ کی کیفیت بالکل نہیں ہونی چاہئے۔
☆ آنکھیں بند کر کے سیدھے پیر کے انگوٹھے پر توجہ مرکوز کریں۔
☆ اس کے بعد دائیں پیر کے انگوٹھے پر توجہ مرکوز کریں۔

مشق نمبر:2

☆ آلتی پالتی مار کر یا دوزانو بیٹھ جائیں۔
☆ کمر سیدھی رکھ کر دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھ لیں۔
☆ سرناک کی سیدھ میں ہونا چاہئے۔
☆ آنکھیں نیم وا کر کے نگاہیں پیروں سے ڈیڑھ دو فٹ آگے کسی نقطے پر ٹھہرا دیں۔
☆ اب توجہ سانس کی آمد و شد پر مرکوز کرتے ہوئے سانسوں کو گننا شروع کر دیں۔
☆ سانس اندر لے کر باہر نکالنا ایک چکر ہوگا۔
☆ اس دوران نگاہیں مستقل فرش پر مرکوز رہنی چاہئیں۔
☆ یہ بات بہت اہم ہے کہ سانس اندر لیتے ہوئے اور باہر نکالتے ہوئے اپنے اوپر جبر نہ کیا جائے۔ معمول کے مطابق سانس کو جاری رہنے دیں۔
☆ گنتی ایک سے شروع کر کے دس پر ختم کی جائے۔
☆ اگر ذہن سانس کی طرف سے ہٹ جائے تو نرمی کے ساتھ دوبارہ سانس پر مرکوز کر دیں اور گنتی کا آغاز دوبارہ ایک سے کریں۔
☆ دس تک گنتی مکمل ہونے کے بعد دوبارہ ایک سے شروع کریں۔
☆ جب دس تک گنتی گننے میں توجہ نہ بھٹکے تو گنتی کی تعداد مزید دس بڑھا دیں۔ یعنی ایک دور میں بیس تک گنتی گنیں۔

☆اس کے بعد دس دس کا اضافہ کرتے رہیں، یہاں تک کہ تعداد سو پہنچ جائے۔

☆جب گنتی سو تک پہنچ جائے تو سو سو گنتی کے تین دور کریں۔

☆اس طرح مشق میں کل پانچ منٹ صرف ہونگے۔

مشق نمبر:3

یہ مشق نمبر 2 کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ اس مشق میں سانس کو گننے کے بجائے سانس اندر لینے اور باہر نکالنے کے عمل پر توجہ مرکوز کی جاتی ہے۔ واضح رہے کہ اس مشق میں بھی سانس کی آمد و رفت معمول کے مطابق ہونی چاہئے۔ طریقہ یہ ہے:

☆آنکھیں بند کرلیں اور جس وقت سانس اندر جائے تصور کی نگاہ سے دیکھیں کہ ہوا روشنی کی صورت میں ناک کے ذریعے سینے میں جارہی ہے۔

☆نہایت آہستگی اور سکون سے یہ عمل کریں۔

☆دوبارہ روشنی کے تصور کے ساتھ سانس اندر لیں اور باہر نکالیں۔

مشق نمبر:4

☆کسی کمرے میں مکمل اندھیرا کرلیں۔ کوشش کریں کہ کمرہ میں زیادہ سے زیادہ اندھیرا ہو۔

☆آلتی پالتی مار کر یا دوزانو بیٹھ کر اندھیرے میں نگاہیں جمائیں۔ پلک نہیں جھپکنی چاہئے۔

☆اندھیرے کی اسکرین پر متواتر کسی ایک نقطہ پر نگاہیں قائم رکھنے کی کوشش کریں۔ شروع شروع میں پلک جھپک جائے گی۔ آنکھوں سے پانی بھی بہے گا لیکن کچھ عرصہ بعد نظر ٹھہر جائے گی۔

☆مشق ختم کرنے کے بعد کچھ دیر کے لئے آنکھیں بند کرکے ذہن کو آزاد چھوڑ دیں۔ تاکہ آنکھوں کے عضلات کو زیادہ سے زیادہ آرام مل جائے۔ پھر آنکھوں کو ٹھنڈے پانی سے دھولیں۔

نوٹ مشق نمبر 3 اور نمبر 4 کا وقت پانچ منٹ سے دس منٹ تک ہے۔

مشق نمبر:5

☆آلتی پالتی مار کر یا دوزانو ہو کر بیٹھ جائیں۔

☆چہرے کو پہلے بالکل سیدھا رکھیں۔ پھر ذرا سا اٹھادیں۔

☆اب نگاہوں کو ناک کی نوک پر مرکوز کردیں۔

☆ایسا کرتے ہوئے آنکھیں نیم وا یا ادھ کھلی ہونگی۔

☆پہلے پہل آنکھ کے ڈیلوں کے اوپری عضلات کھنچاؤ محسوس کریں گے اور آنکھوں سے پانی بہے گا۔ کھنچاؤ کو کنٹرول کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آنکھوں کو ذرا سا بند کردیں لیکن اپنی طرف سے آنکھ کے عضلات میں کھنچاؤ پیدا نہ کریں۔

☆اگر آنکھوں سے زیادہ پانی بہنے لگے اور تکلیف زیادہ محسوس ہو تو تھوڑی دیر کے لئے پپوٹے بند کرکے دوبارہ کھول لیں اور نگاہیں ناک کی نوک پر مرکوز کردیں۔

☆کچھ عرصے میں آنکھ کے عضلات عادی ہو جاتے ہیں اور ناک کی نوک پر نگاہیں جمانے میں دشواری محسوس نہیں ہوتی۔

☆اس مشق کا وقفہ بھی پانچ منٹ ہے۔

☆ابتداء ایک منٹ سے کریں اور بتدریج وقفہ بڑھا کر پانچ منٹ تک لے جائیں۔

روغنِ
گلوسبز
Roghane
Gilo Sabz
زیت جلوسبز
سر کے جُملہ امراض کا علاج
روغنِ گلوسبز
چاند کی کرنیں جذب کر کے تیار کیا جاتا ہے
130ml
چاند کی کرنیں
جذب کر کے
تیار کیا گیا ہے۔
بالوں کے جملہ امراض،
بلڈ پریشر اور
نیند کی کمی کے لئے
مفید ہے۔
روز بروز ... مضبوط بال

جانور دو ہیں۔ ایک جانور چار پیروں سے چلنے والا ہے اور دوسرا دو پیروں سے چلنے والا، اڑنے والا جانور اور تیرنے والا جانور بھی چار پیروں سے چلنے والے جانوروں میں شامل ہے۔ اس لئے کہ وہ پَر بھی استعمال کرتا ہے اور پیر بھی نیز اس کے اڑنے کی صورت بھی وہی ہوتی ہے جو چار پیروں سے چلنے والے جانور کی ہوتی ہے۔ دو پیروں سے چلنے والا جانور آدمی ہے۔

ایک حیوان اور ایک انسان۔ حیوان کا نام جب ہم استعمال کرتے ہیں تو آدمی اور حیوان کی خصوصیات تقریباً ایک جیسی ہیں۔ مطلب حیوان چلتے ہیں پھرتے ہیں، ان کے بچے ہوتے ہیں وہ کھاتے ہیں پیتے ہیں، بھوک لگتی ہے، گرمی سردی لگتی ہے، وہ پہچانتے بھی ہیں۔

اگر آدم کے کردار کا تجزیہ کیا جائے تو نظر آتا ہے کہ حیوان ہم سے کم تر ضرور ہیں لیکن کسی بھی صورت میں حیوان آدم سے بالکل ماوراء بھی نہیں ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ جانوروں کو بھوک لگتی ہے جانوروں کو پیاس لگتی ہے جانوروں کو سردی گرمی لگتی ہے۔ جانور بھی ماں باپ بنتے ہیں۔ جانور اپنے بچوں کو دودھ پلاتے ہیں۔ آدمی اپنے بچے کو دودھ پلاتا ہے۔ پرندے اپنے بچوں کو غذا فراہم کرتے ہیں۔ آدمی اپنے بچوں کو روٹی کھلاتا ہے۔ جانور سوتے ہیں آدمی سوتا ہے۔ جانور بیمار ہوتا ہے آدمی بیمار ہوتا ہے۔ جانور کو غصہ آتا ہے آدمی کو غصہ آتا ہے۔ جانور کے اندر رحم ہے۔ آدمی کے اندر رحم ہے۔ جانور لڑتے ہیں، آدمی بھی لڑتے ہیں۔ جانوروں میں پیار ہوتا ہے وہ پیار کو سمجھتے ہیں۔ آپ بلی کو پیار کر کے دیکھئے، آپ کی گود میں بیٹھی رہے گی۔ جانوروں میں اور انسانوں میں بظاہر کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ جانوروں کی صفات جب انسانوں کے اندر کام کرتی ہیں تو انسان کو حیوان کہا جاتا ہے...... بنیادی طور پر سب کے اندر عقل ہے، شعور ہے، اولاد کو پرورش کرنے کا جذبہ ہے، وہ دودھ بھی پلاتے ہیں۔ غذا کے معاملے میں تفکر کیا جائے تو ماں دودھ پلاتی ہے اور طوطا یا چڑیا چونگا دیتی ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ انسان میں عقل ہے شعور ہے تو آپ نہیں کہہ سکتے جانوروں کے اندر شعور یا عقل نہیں ہے...... جانور گھر بناتے ہیں، کئی میل سفر کرتے ہیں اور پھر اپنے گھر آتے ہیں۔ وہ اپنے بچوں کو دودھ پلاتے

ہیں ماں بھی اپنے بچوں کو دودھ پلاتی ہے۔ جانوروں میں شعور کم ہے۔آدمیوں میں شعور زیادہ ہے۔

جانوروں کی Activities میں فرق کی وجہ ان کی ساخت ہے۔بکری کی ساخت ایسی ہے کہ وہ گاڑی نہیں چلاسکتی۔ہم گاڑی اس بنیاد پر چلاتے ہیں کہ آدمی کی ساخت ایسی ہے کہ گاڑی چلا سکتا ہے، Accelerator دباسکتا ہے۔

چمپینزی بھی گاڑیاں چلاتے ہیں۔مشینیں چلاتے ہیں۔ انسان اور حیوان میں اگر کوئی فرق ہے تو بس یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ حیوانوں میں عقل کم ہے اور انسانوں میں عقل زیادہ ہے۔لیکن جانوروں میں جو عقل ہے وہ انسانو ں میں نہیں مثلاً سورہ نحل میں اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھی کا تذکرہ کیا ہے۔اس کا گھر......انسان ایسا گھر بنانے میں قدرت نہیں رکھتا۔

ہدہد نے حضرت سلیمانؑ کی شادی کرائی۔اسی طرح ہم نہیں کہہ سکتے کہ جانوروں میں عقل نہیں ہے۔ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ جانور باتیں نہیں کرتے۔ہم نہیں کہہ سکتے کہ جانور بچوں کو نہیں پالتے۔ہم نہیں کہہ سکتے کہ جانوروں کو سردی نہیں لگتی، گرمی نہیں لگتی یا پیاس نہیں لگتی، جنسی تلذذ سے وہ ناواقف ہیں۔

فکر طلب یہ ہے کہ کون سی حکمت ہے جس کی وجہ سے انسان افضل ہے؟ عقل سب میں ہے۔انسان بہت عقل مند ہے۔ انسانوں میں Mentally Retarded بچے ہوتے ہیں۔ ان میں کمی رہ جاتی ہے۔ کتا ایک سمجھدار جانور ہے، جو مجرموں کو پکڑتا ہے۔

شہد کی مکھیوں کی صلاحیت کا تذکرہ قرآن پاک میں باالوضاحت موجود ہے۔حیوان ،آدمی اور انسان میں کیا فرق ہے؟ یہ بات فکر طلب ہے......دراصل ساخت کا فرق ہے۔ایک بکری اگر بندوق بنانا چاہے تو کیسے بنائے گی ۔ اس کی تو ساخت ہی نہیں ہے۔ایک گائے روٹی پکانا چاہے تو کسطرح پکائے گی۔سائنس نے اس بات کی وضاحت کی ہے،آدمی کی ساخت کے بالمقابل وہ کمزور نظر آتے ہیں......سورۂ بقرہ ،سورۂ نمل ،سورۂ عنکبوت ، سورۂ فیل کا تذکرہ قرآن پاک میں موجود ہے۔

انسان الگ ہے۔آدمی الگ ہے۔آدمی جب تک آدمی ہے، وہ حیوان ہے۔دانشور (Intellectual) لوگ کہتے ہیں کہ انسان حیوان ناطق ہے۔کیا چڑیا گونگی بہری ہے ،بولتی نہیں ہے اپنا اظہار نہیں کرتی، غمگین نہیں ہوتی......؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے: پرندے میری عبادت کرتے ہیں۔

ایک حیوان کا نام آدمی ہے ۔ایک حیوان کا نام بیل ہے۔ پرندہ ہے۔مکڑی ہے۔مکڑی نے غار ثور پر جالا بن لیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

تو کیا وہ لوگ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح پیدا کیا گیا ہے۔(سورۂ غاشیہ: 17)

اونٹ ایسا صحرائی جہاز ہے کہ ایک ماہ سے زیادہ بغیر پانی پیئے صحرا میں سفر کرسکتا ہے۔اس کی پشت میں اتنی وسعت ہوتی ہے کہ اسے سامان کی نقل مکانی اور مال برداری کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

اونٹ کا جسم قدرت کا شاہکار ہے۔ اونٹ 400 سے 650 کلوتک کے وزن کے حامل ہوتے ہیں۔ یہ تقریباً 3 میٹر لمبا اور 2 میٹر اونچا ہوتا ہے۔ مادہ، نر اونٹ سے تقریباً 10 فیصد چھوٹی ہوتی ہے۔ اونٹ کا رنگ عمومی طور پر ہلکا بھورا ہوتا ہے لیکن سرمئی رنگ کے بھی ہوتے ہیں۔اونٹ ایک امن پسند جانور ہے لیکن غصہ میں یہ کاٹ بھی لیتا ہے یالات ماردیتا ہے۔

اونٹ کا کوہان چربیوں سے بنتا ہے۔خوراک کی کمی کے دوران کوہان غذا فراہم کرتا ہے اور بھوک سے مرجانے سے بچاتا ہے۔اس قدرتی نظام کے تحت 50 ڈگری سینٹی گریڈ درجہ حرارت میں اونٹ آٹھ دن تک پانی اور کھانے کے بغیر زندہ رہ سکتا ہے اس عرصہ میں اس کا وزن 22% تک کم ہوجاتا ہے۔ ایسے حالات میں آدمی قریب المرگ ہوجاتا ہے کیونکہ اس کے جسم کا سارا پانی ختم ہوجاتا ہے۔ اونٹ 100 لیٹر پانی پانچ سے دس منٹ میں پی سکتا ہے۔جب پانی وافر مقدار میں دستیاب ہوتو اونٹ کا جسم پانی کی کمی کو منٹوں میں پورا کرلیتا ہے۔

تپش سے محفوظ رکھنے والی اونٹ کی اون گھنے اور گچھے دار بالوں سے بنتی ہے جو نہ صرف اسے یخ بستہ کردینے والی سردیوں اور جھلسادینے والی دھوپ سے محفوظ رکھتی ہے۔ بلکہ جسم میں پانی کم ہونے سے بچاتی ہے۔سعودی عرب اور شمالی افریقہ کے اونٹ اپنے جسم کے درجہ حرارت کو 41 ڈگری سینٹی گریڈ درجہ حرارت تک بڑھا کے پسینے کے عمل کو مؤخر کرسکتے ہیں۔اس طرح وہ جسم کو پانی کی کمی سے بچائے رکھتے ہیں۔

صحرا کے اونٹ پر 50 ڈگری سینٹی گریڈ درجہ حرارت تک کوئی اثر نہیں ہوتا اور دو کوہانوں والے اونٹ (Bactrian Camels) بہت کم درجہ حرارت منفی پچاس (50-) ڈگری سینٹی گریڈ پر بھی زندہ رہ سکتے ہیں۔

اونٹ کی پلکوں میں ایک باہم قفل بندی کا نظام پایا جاتا ہے۔ یہ خطرہ کی حالت میں خودبخود بند ہوجاتی ہیں۔ باہم قفل بندی کا یہ نظام ریت اور مٹی کے ذرات کو آنکھوں میں داخل ہونے سے روکتا ہے۔اس کی ناک اور کان لمبے بالوں سے ڈھکے ہوئے ہیں جو اسے ریت اور مٹی سے محفوظ رکھتے ہیں۔اس کی لمبی گردن پتوں کو خوراک بنانے کے لئے زمین سے تین میٹر بلندی تک پہنچنے میں مدد دیتی ہے۔

اونٹ کے پاؤں میں دو پنجے ایک گدی نما لچکدار پیڈ سے جڑے ہوئے ہوتے ہیں ۔ یہ ساخت اسے اس قابل بناتی ہے کہ وہ زمین پر اپنے پاؤں کی گرفت کو

مضبوط بنا سکیں۔ یہ پاؤں ہر قسم کی زمین پر چلنے کے لئے موزوں ہیں۔ پنجوں کے ناخن کسی تکیہ کی صورت میں پیروں کو نقصان سے بچاتے ہیں۔

گھٹنوں پر سخت کھال ہوتی ہے جو سینگ سے بھی زیادہ سخت اور موٹی ہے۔ جب اونٹ تپتی ریت پر بیٹھنے کے لئے گھٹنے ٹیکتا ہے تو سخت کھال شدید گرم ریت سے زخمی ہونے سے محفوظ رکھتی ہے۔

حیران کن بات یہ کہ وہ کانٹے دار پودوں کو مزے سے کھا جاتا ہے اور اس کا لعاب دہن کیکر کے بڑے بڑے کانٹوں کو نرم کر دیتا ہے۔

قرآن پاک میں اونٹ کا تذکرہ کئی جگہ ہوا ہے۔

حضرت صالحؑ کی قوم کے چیدہ چیدہ سرداروں نے وعدہ کیا کہ اگر تم ہمارے مطالبے کے عین مطابق نشانی دکھا دو گے تو ہم تمہاری صداقت پر ایمان لے آئیں گے۔ ظاہر پرست سرداروں کے پیش نظر یہ بات تھی کہ ایسی نشانی کا مطالبہ کیا جائے جس کا پورا ہونا ناممکن ہو اور جب حضرت صالحؑ ان کے مطالبے کے مطابق معجزہ دکھانے میں ناکام رہیں گے تو حضرت صالحؑ (نعوذ باللہ) نبوت کے جھوٹے دعویدار ثابت ہو جائیں گے لہٰذا اپنی محدود عقل کے مطابق انہوں نے مطالبہ کیا: سامنے پہاڑ میں سے ایک ایسی اونٹنی ظاہر ہو جو بچہ جنے اور دودھ بھی دے۔

حضرت صالحؑ نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندے کی دعا قبول فرمائی اور پہاڑ پھٹ گیا اور ایک بڑے شگاف میں سے عظیم الجثہ اونٹنی باہر نکل آئی، اور اس نے پہاڑ میں سے نکل کر بچہ کو جنم دیا۔

حق و صداقت کی یہ واضح نشانی دیکھ کر کچھ لوگ حضرت صالحؑ پر ایمان لے آئے مگر بہت سے لوگوں نے گمراہی کو ہدایت پر ترجیح دی۔

"تم کو پہنچ چکی ہے دلیل تمہارے رب کی طرف سے یہ اونٹنی اللہ کی طرف سے ہے تم کو نشانی، سو اس کو چھوڑ دو کھاوے اللہ کی زمین میں اور اس کو ہاتھ نہ لگاؤ برائی سے، پھر تم کو پکڑ لے گی دکھ کی مار" (سورۂ اعراف۔۷۳)

حضور اکرم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں تشریف لے گئے۔ لوگوں نے کہا کہ ہمارے یہاں ٹھہریے ہمارے یہاں ٹھہریے تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میری اونٹنی...... مامور من اللہ ہے۔ جہاں یہ بیٹھ جائے گی وہاں میں ٹھہروں گا۔ وہ ایک جگہ بیٹھی پھر اٹھ گئی اور حضرت ایوب انصاریؓ کے گھر کے باہر جا کر بیٹھ گئی اور رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوایوب انصاریؓ کے گھر قیام فرمایا۔

اونٹنی ...... مامور من اللہ سے مطلب یہ ہے کہ اونٹنی کو بھی انسپائریشن (Inspiration) اللہ کی طرف سے ملتی ہے۔

☆☆☆

بیسویں صدی کا المیہ...

ذیابیطس

اصل بات اب تک پتہ نہیں چل سکی، کہ آخر ذیابیطس کیوں ہوتا ہے۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے۔ کہ اکثر خاندانوں میں یہ مرض موروثی پایا گیا ہے جبکہ یہ حقیقت بھی سامنے آئی ہے کہ خاندانی مرض نہ ہونے کے باوجود یہ مرض ہو جاتا ہے۔ زمانہ جوں جوں آگے بڑھ رہا ہے انسان زیادہ سے زیادہ سہولتوں سے متعارف ہورہا ہے اورتن آسانیاں بھی کئی گنا بڑھ چکی ہیں ۔ذیابیطس بھی اسی تسلسل سے انسانوں کی کثیر آبادی کو اپنی لپیٹ میں لے رہی ہے ۔کم ازکم ساٹھ فی صد مریضوں میں یہی دیکھا گیا ہے کہ مریض کسی اور بیماری کی شکایت کے ساتھ مطب میں آتے ہیں ۔مثلاً دھندلی نظر ، ہاتھ پاؤں اور ٹانگوں میں سنسناہٹ ، جلن یا سو جانا، سُن ہونا (جس کو عرفِ عام میں کہا جاتا ہے کہ ہاتھ سو گیا ہے)، زخم جو بھرتے نہیں ، ہر وقت تھکن کا احساس ، بلند فشارخون ، سانس کا پھولنا وغیرہ، ایسی صورت میں مریض کا شوگر ٹیسٹ کرایا گیا تو ذیابیطس ہی اصل وجہ نکلی۔

ذیابیطس کا علاج کیا ہے ؟ مریض کو کیا کیا کرنا چاہیے؟ اس کا اصل فیصلہ تو معالج ہی کرتا ہے ۔لیکن اس حقیقت سے فرار بھی ممکن نہیں کہ ذیابیطس میں غذا کا پرہیز اور پابندی کے ساتھ جسمانی ورزش ضروری ہے۔ تجربات میں اکثر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ لوگ اس مرض سے خوف زدہ رہتے ہیں ان میں اس مرض کی علامات یا اثرات بھی نظر آتے ہیں لیکن وہ معالج کی ہدایت کے باوجود ٹیسٹ کرانے سے کتراتے ہیں اور پریشان ہوکر خودفریبی میں مبتلا رہتے ہیں۔ یہ خودفریبی مستقبل میں طرح طرح کی تکالیف کا سبب بنتی ہے۔

ذیابیطس کیا ہے ؟ آج کے سائنسی دور میں ہر شخص اس مرض سے کسی نہ کسی حد تک واقف ہے۔ ایک رپورٹ کے مطابق پاکستان اس مرض میں دنیا میں ساتویں نمبر پر ہے تقریباً پچاسی لاکھ افراد اس مرض میں مبتلا ہیں اور خیال کیا جارہا ہے کہ آئندہ 2030 میں یہ تعداد ایک کروڑ تیس لاکھ سے تجاوز کر جائے گی اس طرح پاکستان دنیا میں پہلے چار ممالک کی صف میں آجائے گا۔ پاکستانی معاشروں میں ذیابیطس کا خوف بھی موجود ہے۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ مرض کی تصدیق کے باوجود لوگ اس کو قبول نہیں کرتے۔ جب ذیابیطس کے نتیجے میں جسم، شدید ترین پیچیدگیوں کا شکار ہوجاتا ہے۔

تب وہ اس مرض سے پریشان ہو کر نفسیاتی دباؤ کا شکار ہو جاتے ہیں۔

ذیابیطس، محض مٹھاس کھانے کے ہی مرض کا نام نہیں ہے۔ بلکہ یہ مرض ورزش نہ کرنے، ہر وقت پریشانیوں میں گھرے رہنا، ذہنی دباؤ، انسولین کی جسم میں کم مقدار میں موجودگی، غیر موجودگی، نشاستہ دار اشیاء کا بے دریغ استعمال، بند ڈبوں والی خوراک کا استعمال، زیادہ دن تک فرج میں رکھی ہوئی چیزوں کا استعمال، ادویات کا استعمال اور مختلف عفونتی بیماریاں وغیرہ اس مرض کے چند اہم اسباب ہیں۔

جدید تحقیق اور ماہرین طب اس نتیجے پر پہنچ چکے ہیں کہ ذیابیطس کی دو اقسام ہیں۔ پہلی قسم ذیابیطس ٹائپ 1 جبکہ دوسری قسم ٹائپ 2 کے نام سے پہچانی جاتی ہے۔

1: قسم کی کئی وجوہات ہیں کہ لبلبہ پیدائشی طور پر موجود نہیں ہوتا، لبلبہ کسی انفیکشن کی وجہ سے کام کرنا چھوڑ دیتا ہے یا ادویات کے استعمال کی وجہ سے اسکی کارکردگی میں کمی آجاتی ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ لبلبہ انسولین بناتا ہی نہیں یا بنانا بند کر دیتا ہے۔ جو بچے پیدائشی طور پر یا ابتدائی عمر میں اس مرض کا شکار ہوتے ہیں یا تیس سال سے کم عمر افراد اس مرض میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ قسم اول میں شمار ہوں گے۔ اس کا علاج اب تک یہی سامنے آیا ہے کہ مریض بچوں یا بڑوں کو زندگی بھر انسولین لینا پڑے گی۔

2: ذیابیطس کی اس قسم میں لبلبہ انسولین تو پیدا کرتا ہے لیکن اتنی مقدار میں پیدا نہیں کرتا کہ جسم کی باقاعدہ ضرورت کو پورا کر سکے۔ چنانچہ مریض کے جسم میں طرح طرح کے عوارضات ہو جاتے ہیں۔ آج کے دور میں اس مرض کی بنیادی وجہ موٹاپا ہے۔ اگرچہ موٹاپے کی وجوہات تو بہت ہو سکتی ہیں لیکن اصل وجہ خوراک میں بے اعتدالی اور ورزش کا فقدان ہے۔

ذیابیطس کی ایک صورت یہ سامنے آئی ہے کہ مریض کے خون میں انسولین موجود ہے اور شکر بھی۔ لیکن یہ انسولین شکر کو جسم کے خلیات میں داخل نہیں کر پاتی۔ ماہرین طب اس پیچیدگی کو انسولین کی کارکردگی میں رکاوٹ (Insuline resistance syndrom) کا نام دے رہے ہیں۔ اس تحقیق نے اس مرض کی پیچیدگی کے کچھ نئے ابواب کھول دیے ہیں۔

ذیابیطس مکمل مرض ہے۔ تشخیص ہوتے ہی مریض کو پرہیز اور ورزش کو اوڑھنا بچھونا بنانا ہوگا۔ اب یہ زندگی بھر کا ساتھی ہے ضروری ہے کہ زندگی میں نظم و ضبط پیدا ہو اور اب سوچئے نہیں، صحت میں فرق صرف ذمہ داری کے ساتھ عمل کرنے سے پڑے گا۔

اس مرض کی علامات بہت واضح ہوتی ہیں کہ ہر معمولی سوجھ بوجھ کا آدمی بھی انہیں سمجھ سکتا ہے۔ جب یہ مرض شروع ہوتا ہے تو علامات کی صورت میں اشارے ملتے

ہیں نظرانداز کرنا اپنے لیے مزید پریشانیوں میں الجھنے کے مترادف ہے۔اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ لوگ ان کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔لیکن یہ ضروری ہے کہ اگر آپ ان میں سے کوئی ایک علامت دیکھیں ۔تو آپ فوراً کسی اچھی لیبارٹری سے خون کا معائنہ کرائیے۔

1: بار بار اور زیادہ مقدار میں پیشاب آنا مزید یہ کہ پیشاب کا محسوس ہوتے ہی ضبط نہ ہونا

2: بہت زیادہ پیاس لگنا ،ہونٹوں اور منہ کا مسلسل خشک محسوس ہونا

3: تھکن اور غنودگی محسوس ہونا

4: وزن یکا یک کم ہوجانا

5: طبیعت میں کمزوری، سستی اور بے کیفی کا رہنا

6: بھوک کا معمول سے زیادہ لگنا

7: نظر کی کمزوری اور دھندلا ہوجانا

8: جلدی امراض مثلاً، پھوڑے، پھنسی بار بار نکلنا

9: زخموں کا مندمل ہونے میں پیچیدگی پیدا ہونا

10: گردوں کے امراض ، بلند فشار خون (High Blood Pressure)

11: مسوڑوں کا پلپلا ہونا، مسلسل درد اور دانتوں کا ہلنا

12 : حاملہ خواتین لازماً اپنا شوگر کا معائنہ ضرور کراتی رہیں۔

ذیابیطس بظاہر ایک نام ہے مگر یہ دراصل المیہ ہے جو لاپرواہی اور بد پرہیزی سے پیچیدگی اختیار کرلیتا ہے۔

گردوں کا فیل ہونا، دل کے دورے ، خون کی شریانوں میں بندش، فالج ،اندھاپن عام امراض ہیں، عوام کو سمجھنا چاہیے کہ ذیابیطس جسم کے نظاموں کے بگاڑ کا نام ہے اس لئے علاج کراتے ہوئے معالج کے بجائے مریض اپنی بیماری کو پوری طرح سمجھے اور پھر اپنا علاج اور پرہیز کی ذمہ داری قبول کرے۔ضروری ہے کہ اس مرض میں مبتلا مریض کو خصوصاً اور عوام کو بھی اس سے آگاہی رہنی چاہیے۔

اس مرض کا بنیادی کردار لبلبہ ہے جو کہ دماغ سے مخصوص ہارمون وصول کر کے انسولین خون میں چھوڑتا ہے۔یہ انسولین ہی ہے جو خون میں موجود شکر کو جسم کے خلیات میں داخل کر کے توانائی میں تبدیل کرنے کا ذمہ دار ہے۔شکر کے مقابلے میں انسولین کی زیادتی ہو یا کمی دونوں صورتیں ہی تکلیف کا باعث ہوتی ہیں۔

چند اہم اصطلاحات جن سے ذیابیطس کے مریض اور اس کے گھر کے افراد کو آگاہ ہونا لازم ہے۔

1. Glycemia,

2. Hypo,

3. Hyper,

4. Shock,

5. Coma,

Glycemia یہ لفظ میڈیکل کی زبان میں عام ہے اس کا مطلب ہے خون میں شکر کا ہونا

Hypo اس کا لفظی مطلب ہے کم۔ عام طور پر لفظ Hypoglycemia بولا جاتا ہے اس سے مراد ہے خون میں شکر معینہ مقدار سے کم ہے۔

Hyper اس کا مطلب ہے زیادہ۔ عام طور پر لفظ Hyperglycemia بولا جاتا ہے اس سے مراد ہے خون میں شکر معینہ مقدا ر سے زائد ہے یہ لفظ ذیابیطس کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

Shock or Insulin Shock انسولین شاک کا مطلب ہے خون میں شکر کا اچانک بہت کم ہو جانا اسے میڈیکل کی اصطلاح میں ھائپوگلائی سیمیا بھی کہتے ہیں ۔ عام طور پر ہمارا لبلبہ اتنی مقدار میں انسولین بناتا ہے جتنی کہ اسے ضرورت ہو ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ لبلبلہ وافر مقدار میں انسولین بنا کر خون میں داخل کرے۔

ذیابیطس کے مریض میں معاملہ مختلف ہو جاتا ہے کہ یہ مریض انسولین یا ایسی خورا کی ادویات لے رہا ہوتا ہے جس کی وجہ سے لبلبہ کا وہ حصہ جو انسولین بنانے کا ذمہ دار ہے دوا کے اثر سے مسلسل انسولین خارج کرتا ہے ۔ باہر سے لی گئی انسولین یا ادویات کے زیر اثر خارج شدہ انسولین بعض اوقات فالتو ہو جاتی ہے اور یہ زائد از ضرورت انسولین خون میں موجود شکر کو مسلسل استعمال کر کے شکر کی مقدار انتہائی کم کر دیتی ہے۔ یہ جاننا بھی اہم ہے کہ ہمارے دماغ کے خلیات میں شکر کا ذخیرہ نہیں ہوتا ۔ دماغی خلیات ہر وقت گلوکوز یا شکر کو توانائی میں تبدیل کرتے ہیں اگر ایک لمحہ کے لیے شکر کی دستیابی نہ ہو تو آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا جائے گا اور مناسب شکر نہ ملنے کے باعث دماغ اور اس کا نظام عام روٹین کے افعال بھی ادا نہیں کر سکتے اگر اس صورت کا فوری تدارک نہ کیا جائے تو انسان شاک سے دوچار ہوگا اور اس کے نتیجے میں موت بھی واقع ہو سکتی ہے۔ طبی ماہرین نے اس کیفیت کی چند وجوہات بیان کی ہیں۔

کھانے میں بہت لمبا وقفہ کرنا یا کام کاج کی مصروفیت میں کھانا بھول جانا۔ بار بار متلی اور قے آنا، اسہال لگنا، کھیل کود میں ضرورت سے زائد وقت صرف کرنا، شادی بیاہ، بھیڑ اور ہجوم میں زیادہ وقت گزارنا ، کسی جذباتی ماحول یا الجھن کا شکار ہونا نیز قبض کشا اور دست آور کا مسلسل استعمال بھی اس کا سبب ہوتا ہے۔

تدارک:

اس مسئلہ کا فوری حل یہ ہے کہ مریض ہمیشہ اپنے ساتھ گلوکوز کی شیشی رکھے۔ جب ایسی کیفیت ہو، فورا ایک چمچ گلوکوز کھا لے اس سے زیادہ بھی کھانا پڑ سکتا ہے۔ اگر مریض بے ہوش ہو گیا ہو تو اس کے ساتھی پانی میں گلوکوز حل کر کے اس کے حلق میں اتاریں۔

ذیابیطس کے مریض کو ہمیشہ اپنے ساتھ ذیابیطس کارڈ ضرور رکھنا چاہئے اسی طرح مریض کو اپنے ساتھ گلوکوز کا

پیک بھی رکھنا ضروری ہے۔قارئین کی رہنمائی کے لیے ہم وہ علامات درج کرتے ہیں جو ہائیپو گلائی سیمیا کی وجہ سے سامنے آتی ہیں۔مریض کا یکا یک پسینہ میں شرابور ہو جانا، ٹھنڈے پسینے آنا، سر چکرانا ،دل بہت زیادہ دھڑکنا، چہرہ زرد پڑ جانا۔ کپکپی طاری ہونا، نظر میں دھندلا پن آجانا۔ دماغی خیالات میں افراتفری اورآخر کار مریض کا بے ہوش ہو جانا۔ یادرکھیے کہ یہ ایسی صورت ہوتی ہے کہ مریض کو یکدم معالج کے پاس یا ہسپتال جانے کا وقت نہیں ملتا، لہٰذا کچھ سمجھ نہ آئے تو اسی وقت مریض کے منہ میں مٹھاس یا گلوکوز ڈالا جائے۔اس عمل سے مریض کو ہوش آ سکتا ہے۔دراصل یہ مسئلہ اس لیے بنا کہ خون میں انسولین تو تھی مگر شکر نہیں رہی۔اورشکر یعنی مٹھاس سے ہی زندگی چلتی ہے۔

Coma or diabetic Coma یہ کیفیت انسولین شاک کے بالکل الٹ ہے۔انسولین شاک خون میں انسولین کی زیادتی اورشکر میں کمی کے باعث پیدا ہوتا ہے ،جب کہ ذیابیطسی کوما خون میں انسولین کی غیر موجودگی اورشکر کی زاید مقدار کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ خون میں انسولین کی غیر موجودگی کے باعث شکر جز و بدن نہیں بنتی۔اورشکر خون میں ہونے کے باوجود جسم اور دماغ کے لیے بے فائدہ ہو جاتی ہے۔شکر صرف اس وقت ہی حرارت اور توانائی بنے گی جب انسولین خون میں موجود شکر کو خلیات میں منتقل کرے۔جسم کو اپنی بقا کے لیے توانائی چاہیے،ایسی صورت میں جسم قوت وحرارت کے حصول کے لئے اپنی ذخیرہ کردہ چربی اورلحمیات یعنی پروٹین کو استعمال میں لانے کے لیے جلانا شروع کر دیتا ہے۔ یہ جاننا بھی اہم ہے،کہ پروٹین اور چربی کےتوانائی بننے کے عمل میں انسولین کی دستیابی کی ضرورت نہیں پڑتی۔ لیکن جب چربی اورلحمیات (پروٹین) ٹوٹ ٹوٹ کو توانائی بنتی ہےتو اس عمل کے نتیجے میں کچھ ضرر رساں مادے ایسی ٹون (Acetone) اور کی ٹون (Ketone) پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہ مادے تیزابی ہوتے ہیں اس کے نتیجے میں خون میں الکلی کے بجائے تیزابیت بڑھ جاتی ہے ۔اور مریض بے ہوش ہو جاتا ہے۔اس بے ہوشی کو’’ذیابیطسی کوما‘‘ کہا جاتا ہے۔

پرہیز اورعلاج:

ذیابیطس ایسا مرض ہے جو مریض کو نظم وضبط پر مجبور کرتا ہے۔مریض کو جاننا چاہیے کہ مصروفیت کی وجہ سے یہ مرض قابو میں نہ آئے گا ۔ بلکہ ورزش،خوراک میں پرہیز اورمعالج کے مشورہ پر ادویات کا استعمال پابندی سے ضروری ہے۔

ورزش:

کم از کم 45 منٹ صبح اور 45 منٹ شام تیز پیدل چلنا اپنی عادت بنالیں۔ اور ایسے کام زیادہ کریں جس

سے جسم کی مشقت ہو۔ کیونکہ جسم جتنا تھکے گا خون میں اتنی ہی تیزی کے ساتھ شکر کی مقدار کم ہونا شروع ہو گی، اورادویات کی بھی کمی ہوجائے گی۔

خوراک کے معاملے میں بہت محتاط رہیے، ہم عام طور پر سمجھتے ہیں کہ مٹھاس صرف چینی، مٹھائیاں اور میٹھے پھلوں سے ہی متعلق ہوتی ہے اس غلط فہمی کا ازالہ ضروری ہے۔ ہمیں بہت سنجیدگی سے سمجھنا پڑے گا کہ ہر وہ چیز جو بظاہر میٹھی نہیں ہے لیکن جسم کے اندر جا کر شکر میں تبدیل ہوجائے، مٹھاس ہے۔ اس میں سب سے اہم نشاستہ (کاربوہائیڈریٹ) ہے۔ نشاستہ براہ راست ہمارے نظام انہضام کے ذریعے شکر میں تبدیل ہوجاتا ہے۔ اورخون میں شکر کی مقدار اسی طرح بڑھے گی جیسے محض چینی، گلوکوز یا سافٹ ڈرنک پینے سے بڑھتی ہے۔ اسلئے چاول، شہد، میدہ کے نان، کھجور، کارن فلیک، پڈنگ، بند ڈبوں والے ہر قسم کے پھل، برگر، پیزا، شاورما، ڈبل روٹی، اور بیکری آیٹم بھی مٹھاس کے زمرے میں آتے ہیں۔

علاج:

ذیابیطس کا مرض جب تشخیص ہو جائے تو آپ لازماً اپنے معالج کی ہدایات پر پوری سنجیدگی سے عمل کیجیے۔ یادرکھئے کہ ابھی تک طب کے کسی بھی شعبے میں ایسی دوا دریافت نہیں ہوئی ہے جو اس مرض کو ہمیشہ کیلئے ختم کردے۔ لہٰذا پرہیز اور ورزش کے ساتھ ساتھ ادویات بھی زندگی بھر لینی پڑیں گی۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ پرہیز اور غذا ایسی استعمال کی جائے کہ دوا کی مقدار کم سے کم ہو اس طرح بیماری کے اخراجات میں کمی ہوسکتی ہے۔

ذیابیطس

مفید غذائیں:

گائے کے دودھ کا دہی، کریلا، گولر، ناریل کا پانی۔ سویا بین کے آٹے کی روٹی، چنے کی روٹی، بھوسی کی روٹی، چنے کا پانی، مچھلی، ٹماٹر، ٹماٹر کی ترکاری، چھاچ، ابلے ہوئے انڈے، پنیر اور شدت پیاس میں پھاڑے ہوئے دودھ کا پانی مفید غذائیں ہیں۔ اس کے علاوہ گرم مزاج والے لوگوں کے لئے قندھاری انار کا زیادہ استعمال بہت مفید ہے۔ موسم سرما میں چلغوزہ کا کثرت سے استعمال مفید ہے۔ اس مرض میں انگور اور جامن کا استعمال بھی فائدمند ہے۔

مضر غذائیں:

تمام میٹھی اور ایسی اشیاء جن میں نشاستہ زیادہ ہو۔

اسلام نے ہر مرد، عورت، بچے پر حصولِ علم کو فرض قرار دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے علم وفنون سیکھے اور انہیں ترقی دی۔ ایک دور مسلمان کے عروج وکمال کا دور تھا۔ اس دور میں نہایت قابل قدر علماء وفضلاء پیدا ہوئے جنہوں نے تاریخ میں اپنا نام امر کیا۔ تاریخ، جغرافیہ، مذہب، فلسفہ، شاعری، کیمیا، نجوم، علم الابدان اور دیگر علوم پر جو دسترس مسلمانوں کو حاصل تھی مغرب اس مقام تک نہیں پہنچا تھا۔ تاریخ 3 ذی الحج (362ھ\4 ستمبر 973ء) (تین سو باسٹھ ہجری\چار ستمبر نوسو تہتر عیسوی) خوارزم کا شہر "کاث" یہاں ایک ایسا بچہ عالم وجود میں آیا جو آنے والے دور کے لئے نابغہ روزگار ثابت ہوا۔ دنیا اس بچے کو "ابوالریحان محمد بن احمد البیرونی" کے نام سے جانتی ہے۔ بیرونی "کاث کے بیرونی"، مورخ اس کی ابتدائی زندگی اور آباواجداد کے بارے میں خاموش ہیں۔ تاہم خیال کیا جاتا ہے کہ خوارزم کے دوسرے بڑے شہر "خیوا" میں اس نے زندگی کے ابتدائی سال گزارے خوارزم پر آلِ عراق خاندان کی حکومت تھی ابوریحان البیرونی کے خاندان والے غریب تھے لہٰذا شاہ خوارزم "احمد بن محمد" کے چچازاد بھائی "ابونصیر منصور بن علی" نے البیرونی کو سایہ عاطفت میں لے لیا۔ البیرونی کو چھوٹی عمر میں ہی سائنسی علوم میں دلچسپی تھی کچھ عرصہ بعد "آلِ عراق" کی حکومت ختم ہوگئی اور ایسے حالات پیدا ہوگئے کہ البیرونی کو خوارزم چھوڑنا پڑا۔ خوارزم کے نزدیک قصبہ جرجان سے البیرونی کا تعلق مدتوں رہا۔ البیرونی جرجان کے حکمران "قابوس بن دشمگیر" کے دربار میں آگیا 995ء (نوسو پچانوئے) میں جرجان کے دربار میں پذیرائی حاصل کی اور پہلی تنصیف "آثارالباقیہ" 1000ء (ایک ہزار عیسوی) میں تحریر کی۔ یہ کتاب قابوس کے نام سے مشہور ہوئی۔ کچھ عرصہ بعد خوارزم میں حالات بہتر ہوگئے اور البیرونی واپس وہاں چلا آیا اور علی بن مامون کے دربار سے منسلک ہوگیا۔ یہاں پر اس کی ملاقات بوعلی سینا سے ہوئی۔

سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان پر سترہ حملے کئے 406ھ (چارسو چھ ہجری) میں سلطان محمود نے کشمیر پر حملہ کیا اس نے قلعہ "لوہ کوٹ" پر حملہ کیا مگر ناکامی ہوئی سلطان کی یہ پہلی ناکامی تھی دربار میں خاموشی طاری تھی ماحول سوگوار تھا کہ ایک قاصد خوارزم شاہ کا پیغام لے کر

آیا۔ خوارزم شاہ نے خواہش کی تھی کہ سلطان محمود غزنوی اپنی بہن کی شادی اس سے کر دے۔ سلطان محمود نے اس کو قبول کیا اور شادی کے موقع پر اس نے دیکھا کہ خوارزم شاہ کے دربار میں علماء و فضلاء کو مقام حاصل ہے۔ محمود کا اپنا دربار بھی ایسی ہی ہستیوں سے سجا تھا، سلطان محمود اِن قابل قدر اشخاص پر چار لاکھ دینار سالانہ خرچ کرتا تھا، سلطان نے کچھ عرصے بعد خوارزم کو خط لکھا:

''تمہارے دربار میں اتنے بے نظیر۔ اہل فن و اہل علم ہیں ان میں سے چند کو ہمارے پاس بھیج دو۔''

سلطان محمود کے پاس بوعلی سینا اور البیرونی کی شہرت کی خبریں پہنچ چکی تھیں جو اس وقت علم کا آفتاب بن کر زمانے کو منور کر رہے تھے۔ خوارزم شاہ نے یہ خط ان علماء کو سنایا اور کہا کہ یہ پیغام میرے لئے حکم کا درجہ رکھتا ہے میں آپ کو حکم دیتا ہوں کہ غزنی جانے کے لئے تیار ہو جائیں اور اگر آپ وہاں جانے کو تیار نہیں تو میری سلطنت چھوڑ کر کہیں اور چلے جائیں''۔ دربار میں موجود علماء نے سلطان کے دربار میں جانے سے انکار کر دیا اور وہاں سے ترک وطن کر گئے۔ البتہ البیرونی کوئی فیصلہ نہیں کر سکا تھا کہ حالات ایسے ہوئے کہ باغیوں نے خوارزم شاہ کو قتل کر دیا۔ یہ خبر سنتے ہی محمود غزنی سے بلخ پہنچا وہاں سے خوازم روانہ ہوا ۔ وہاں ایک معرکہ میں سلطان نے فتح حاصل کی اور کچھ امیروں کو قید کر لیا ان میں البیرونی بھی تھا اس کے قتل کا حکم بھی جاری ہوا محمود نے اسے پہچانا نہیں تھا۔

البیرونی سلطان کے سامنے بے خوفی سے بولا......

''اے بادشاہ میں علم نجوم میں اپنے وقت کا امام ابو ریحان البیرونی ہوں۔ سلاطین ایسے باکمال شخص سے بے نیاز نہیں رہ سکتے''۔

اگر تو نے مجھے قتل کرا دیا تو ایسے شخص کے طور پر یاد رکھا جائے گا جسے علم و فن کی قدر نہ تھی۔ بادشاہ پر اس بات نے اثر کیا اور وہ سوچنے لگا بالآخر البیرونی کو اپنے ساتھ غزنی لے گیا اور اپنا ''ندیمِ خاص'' مقرر کر دیا۔ البیرونی سفر آخرت تک اس دربار سے وابستہ رہا۔ سلطان محمود کی بدولت اسے ہندوستان میں قیام و تحقیق کا موقع ملا۔ اسی دوران اس نے معرکتہ الآراء ''کتاب الہند'' تصنیف کی۔

1017ء (ایک ہزار سترہ عیسوی) میں البیرونی نے ''غزنہ'' میں ایک رسدگاہ قائم کی۔

محمود غزنوی ہندوستان فتح کر چکا تھا۔ البیرونی نے زیادہ وقت اجمیر میں گزارا۔ البیرونی نے ہندی تہذیب کا گہرا مطالعہ کیا اس دور میں ہندوؤں کے علوم حاصل کرنا ناممکن سمجھا جاتا تھا مگر ہندو البیرونی کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ اس کو ''ودیا ساگر'' کہنے لگے۔ البیرونی نے بھگوت گیتا کا عربی میں ترجمہ کیا۔

البیرونی نے معروضی علم حصول میں کئی زبانیں سکھیں اگرچہ مادری زبان خوارزمی تھی۔ البیرونی کے مطابق ''خوارزمی میں کسی سائنسی تصور کر بیان کرنا اتنا عجیب لگتا

ہے جیسے اونٹوں یا اصیل گھوڑوں میں کسی زرافہ کو دیکھنا''۔
عربی رسم الخط اس کے لئے غیر مانوس تھا لیکن یہ زبان اس کے سائنسی تصورات کے لئے نہایت موزوں تھی۔ یونانی، سریانی، عبرانی زبانوں پر اس کو دسترس حاصل تھی۔مختلف زبانوں میں مہارت کی وجہ سے جو کتاب اس کے ہاتھ میں لگتی وہ بطور مطالعہ کرتا اس کی اغلاط کی اصلاح کرتا اور ساتھ ساتھ سائنسی نظریات کا تجزیہ کرنا اس کا محبوب مشغلہ تھا۔
البیرونی کی تحریروں میں تحقیق کا خاص ذوق نظر آتا ہے اسی لئے سلطان محمود غزنوی اس کو تمام مہمات میں اپنے ساتھ رکھتا تھا البیرونی ایک ماہر علم نجوم تھا اور سلطان کو مستقبل کے واقعات بتایا کرتا تھا۔ نا صرف ماہر علم نجوم بلکہ وہ ماہرارضیات، ماہرلسانیات، ماہر ریاضیات بھی تھا۔ ایک جگہ البیرونی کہتا ہے ''میں جب نندنا (ضلع جہلم) میں تھا تو ایک قریبی پہاڑی کو کرہ زمین کا قطر معلوم کرنے کا ذریعہ بنایا۔ نندنا کھوڑہ ضلع جہلم میں واقع ہے اور اس کو محمود غزنوی نے 1014ء (ایک ہزار چودہ عیسوی) میں فتح کیا۔'' اس سے پہلے سکندر اعظم اور مغلوں نے اس کو فتح کیا۔ البیرونی غالباً وہ پہلا شخص ہے جس نے ثابت کیا کہ زمین اپنے محور کے گرد گھومتی ہے اس نے زمین کا محیط نکالا 24779 (چوبیس ہزار ساتھ سوانا سی) میل اس کی پیائش تھی۔ جو جدید پیائش سے 78 (اٹھتر) میل کم ہے، نہ صرف ریاضی میں کمال فن حاصل کیا بلکہ طبعیات میں بھی اس نے مادہ کے خواص کا مطالعہ کیا۔ 1027ء (ایک ہزار ستائیس عیسوی) میں موسم گرما کے اواخر میں ''وتر'' کے موضوع پر رسالہ مکمل کیا اسی سال اس نے چین اور ترکی کے وفود سے ان کی غزنی آمد پر ان سے مشرق بعید کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور انہیں اپنی کتاب ''قانون المسعودی'' میں تحریر کیا۔
1030ء (ایک ہزار تیس عیسوی) میں سلطان محمود غزنوی کے انتقال کے ساتھ ہی اس کے دونوں بیٹوں میں اقتدار کے حصول کی جنگ چھڑ گئی۔ جب محمود کا بڑا بیٹا مسعود تخت نشیں ہوا تو البیرونی نے کتاب کو نئے حکمران کے نام سے منسوب کر دیا۔
پچاس برس کی عمر میں وہ شدید امراض میں مبتلا ہو گیا اور تقریباً اکسٹھ برس کی عمر میں وہ روبصحت ہوا۔ 1040ء (ایک ہزار چالیس عیسوی) میں مسعود غزنوی کو اسکے بعض رفقاء نے قتل کر دیا تو اس کا چھوٹا بھائی مودود غزنوی تخت نشیں ہوا۔ اسکے آٹھ سال دور حکمرانی میں البیرونی نے دو کتابیں مکمل کیں جن کے نام ''دستور'' اور ''جواہر'' ہیں۔ ان تصانیف کے بعد البیرونی کی قوتِ سماعت اور بصارت میں کمی آ گئی۔ البیرونی نے مصنف کی حیثیت سے کئی کتابیں تصنیف کیں۔ ان میں چھوٹی بڑی ہر قسم کی کتابیں شامل ہیں۔ چھوٹی تصانیف دس یا زائد صفحات پر مشتمل ہیں جبکہ

بڑی کتابیں سینکڑوں صفحات پر مشتمل ہیں، کتاب الہند اس کی ضخیم کتاب ہے اس کا ترجمہ انگریزی اور جرمن زبان میں ہوا۔

اپنی ایک کتاب ''تہدید الاماکن'' اس نے چاند گرہن کا مشاہدہ کرنے کے حوالے سے واقعہ تحریر کیا یہ چاند گرہن 17 نومبر 997ء (سترہ نومبر نو سو ستانوے عیسوی) کو لگا تھا۔ اس کتاب کے مطابق اس نے ''ابو الوفا'' سے طے کر رکھا تھا کہ وہ بیک وقت ''کاث'' شہر اور ''بغداد'' سے چاند گرہن کا مشاہدہ کریں گے پیمائش کے دوران وقت میں جو فرق آیا اس سے البیرونی اور ابوالوفا نے دونوں شہروں کے طول بلد کا فرق معلوم کیا۔ ''تہدید الاماکن'' میں صرف سن مذکور ہے۔ جبکہ تاریخ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اصل تاریخ 24 (چوبیس) مئی کی تھی البیرونی کے بیشتر واقعات اس کی خودنوشت سے لئے گئے ہیں جو اب ناپید ہیں۔ لیکن اس کے کچھ حصے تاریخی کتابوں میں منقول ہیں اس کے علاوہ اس کی نایاب کتابوں میں اعشاری حساب دوسری اصطرلاب، فلکیاتی مشاہدات تین کتابیں نجوم پر اور ایک تاریخ کے موضوع پر ہے۔ البیرونی کے دور میں یوں تو مسلمان اپنے کمال اور فن کے عروج پر تھے مگر البیرونی کے ایک اہم عصر، شیخ بوعلی سینا تھے۔ ابن سینا کے ساتھ البیرونی کی خط و کتابت رہتی تھی۔ اور خط و کتابت کے موضوعات، حرارت اور نور کی ماہیت اور اسکی منتقلی وغیرہ تھے۔ البیرونی اپنی کتاب ''آثار الباقیہ'' میں سینا کو ''نابالغ بچہ'' لکھتا ہے اس وقت البیرونی کی عمر بیس سال تھی۔ اور ابن سینا اس سے چھوٹا تھا الا آثار الباقیہ میں اسکی مفلسی کی مصیبتوں کا تذکرہ کیا ہے۔ جو کہ طنزیہ نظموں کی شکل میں تحریر ہیں۔

البیرونی نے ''کتاب الممر'' میں مختلف اقسام کے فلکیاتی مظاہر کا تذکرہ کیا جن کے لئے ممر کی اصطلاح استعمال کی گئی۔ اور یہ اصطلاح اس وقت استعمال کی جاتی ہے جب ایک سیارے کا دوسرے سیارے کے فلکیاتی طول بلد یا عرض بلد میں زمین یا زمین سے بقدر فاصلہ میں گذر ہوتا ہے۔

البیرونی کی ایک تالیف ''کتاب الجواہر'' ترتیب کے لحاظ سے دو اجزاء پر مشتمل ہیں پہلا جز و قیمتی۔ کم قیمتی پتھروں سے متعلق ہے دوسرا جز و دھاتوں پر مشتمل ہے اس کتاب میں مختلف جواہر کے کانوں سے حصول کے ذرائع مختلف اشیاء کے طبی خواص کا ذکر ہے نیز سونے کو معیار مان کر باقی دھاتوں کی کثافت بیان کی گئی۔ حَجم کی مطابقت سے ہیروں اور زمرد کی قیمتوں کی جدولیں بھی دی گئیں۔

البیرونی کے مزاج میں محنت اور لگن کا جذبہ بہت تھا اور نا مساعد حالات میں بھی وہ اپنے کام میں مصروف رہتا۔ جس دور میں اس کے فن اور علوم کو عروج حاصل ہوا لیکن بادشاہوں کی آپس میں حسد اور بعض دنیا وی

امور کی وجہ سے البیرونی کی تحقیق پر اثرات مرتب ہوئے مگر وہ اپنے کام سے مخلص تھا مثال کے طور پر 14 اکتوبر 1018ء (چودہ اکتوبر ایک ہزار اٹھارہ عیسوی) میں وہ شمسی ارتفاع (کے معنی اونچائی کے ہیں یعنی سورج اور زمین کے درمیان فاصلہ) کا مشاہدہ کرنا چاہتا تھا مگر آلات نہ ہونے کی وجہ سے اس نے تختہ حساب کی پشت پر ایک درجہ وار قوس لگائی شاقول کو اس نے ایک آلہ کے طور پر استعمال کیا۔ جو نتائج حاصل ہوئے ان کو اپنے گاؤں کا عرض بلد معلوم کرنے میں استعمال کیا البیرونی اپنے وقت کا یگانہ روزگار انسان تھا اسے زمانے کے سائنسی نظریات پر مکمل گرفت حاصل تھی مگر وہ گہرائی میں اتر کر نئے سائنسی نظریات پیش نہیں کرتا تھا، مزاجاً وہ ایک کھلے ذہن کا آدمی تھا لیکن یہ رواداری غیر سنجیدہ بے عقل افراد اور متعصب اشخاص کے لئے نہیں تھی ایک بار اس نے ایک فقیہہ کو آلہ دکھایا جس کی مدد سے نماز کے اوقات مقرر کئے گئے تھے فقیہہ نے اعتراض کیا کہ اس پر مہینوں کے بازنطینی نام لکھے گئے ہیں۔ لہٰذا یہ کفار کے ساتھ تشبیہہ کے زمرہ میں آتا ہے اس بات کا جواب البیرونی نے یوں دیا" بازنطینی تو کھانا بھی کھاتے ہیں۔" البیرونی کو اس کے ہم عصر اس کے فن، زندگی، کارکردگی اور کردار کے وجہ سے استاد کے نام سے جانتے تھے۔ ابن سینا اور ابونصیر منصور البیرونی کے ہم عصر تھے کائنات کے اسرار جاننے علم، کی پیاس بجھانے میں جو مرتبہ البیرونی جو حاصل ہے اور وہ کسی دوسرے کو حاصل نہیں۔ یہاں تک کہ بستر مرگ پر بھی کسی مسئلے کو سلجھانے میں مصروف تھا۔ اس کے اہم عصر ابوالحسن بن عیسیٰ کا بیان ہے کہ البیرونی کے انتقال سے چند ساعت پہلے ان کے پاس پہنچا تو دم اکھڑ رہا تھا مگر حسن کو دیکھ کر وراثت کے مسئلے پر رائے پوچھی۔ جس نے ان کی حالت کی طرف اشارہ کیا تو البیرونی نے کہا" تمہارے نزدیک بہتر نہیں کہ میں اس مسئلے کا حل جان کر اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں بجائے اس کے کہ میری جان لاعلمی کی حالت میں نکلے۔"

علم وفن کا یہ سورج 1053ء (ایک ہزار تیرپن عیسوی) میں غروب ہو گیا۔ وہ شمع جس نے ہر سمت اپنے کمال سے اجالا کیا وہ بجھ گئی۔ البیرونی کے بے شمار علمی، سائنسی، تاریخی کارنامے ہیں جرمنی اور یورپ میں البیرونی کی کتابوں کے تراجم کئے گئے مگر دوسری جنگ عظیم کے بعد سوویت یونین میں اس کے حوالے سے بہت زیادہ کام کیا گیا۔ پاکستان میں 26 نومبر تا 12 دسمبر 1974ء (انیس سو چوہتر عیسوی) البیرونی کے ہزار سال پورے ہونے پر تقریبات ہوئیں اور حکومت پاکستان نے اس کو خراجِ تحسین پیش کیا اور ایک یادگار ٹکٹ جاری کیا۔ البیرونی کو اس جہان سے رخصت ہوئے صدیاں گذر گئیں اس ماہر لسانیات ماہر ریاضی دان، ماہر ارضیات، ماہر جغرافیہ دان نے نوع انسانی پر جو احسانات کئے ہیں وہ رہتی دنیا تک یادگار رکھے جائیں گے۔

شربت
جگر
جگر کی تمام بیماریوں میں نہایت مفید ہے۔
خون کی گرمی کو کم کرتا ہے۔
بھوک بڑھاتا ہے۔
Sharbat
Jigar
Sharbat Jigar is well known for efficacy in liver sluggishness and its dysfunctions.
Sharbat
Musaffi
A 100% natural blood purifier, an effective remedy for skin disorders.
شربت
مُصفی
خون صاف کرتا ہے۔
جلدی امراض میں مفید ہے۔
معدے اور جگر کی حدت کو ختم کرنے میں معاون ہے۔
عظیمی دواخانہ، سرجانی ٹاؤن، کراچی۔
ہر گھونٹ ... تسکینِ روح
شربت
آبِ شفاء
عرق گلاب، عرق بید مُشک، شربت انار، عرق عنبر، صندل کی چھال سے تیار کردہ۔
کمزوری، گھبراہٹ، اختلاج قلب میں مفید ہے، پیاس کو تسکین دیتا ہے۔
آبِ شفاء
عظیمی میڈیکل اسٹور
ہولسیل میڈیسن مارکیٹ، ڈینسو ہال، کراچی۔
فون: 021-32439104 موبائل: 0321-2553906

دو دفعہ نوبل انعام یافتہ سائنسدان

مادام کیوری

نام ماریہ سکلوڈوسکا۔ 7 نومبر 1867ء کو پولینڈ میں پیدا ہوئی۔ جو کہ بعد میں روس کا حصہ بنا کوئی نہیں جانتا تھا کہ عام بچوں جیسی نظر آنے والی یہ بچی ایک دن دنیائے سائنس میں اپنا نام نمایاں کرے گی۔ وقت گزرتا رہا اور ماریہ بڑی ہوگئی...... پولینڈ کی اس نوجوان لڑکی کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ کیسے غربت کو ختم کرے۔

کہتے ہیں نا کہ: تقدیر بدلنی ہے تو تدبیر کرو۔

غربت نے اس کے گھر میں ڈیرے ڈال رکھے تھے۔مگر عالم کا شوق دل میں سمایا ہوا تھا وہ نہیں جانتی تھی کہ تقدیر نے آنے والے وقت میں اس کے لئے کیا تحریر کیا ہے مگر اس وقت وہ لڑکی غربت اور فاقوں کے ہاتھ اس قدر مجبور تھی کہ کم خوراکی کے باعث پڑھتے پڑھتے اکثر بے ہوش ہوجاتی آخر اس نے اپنے شوق کی تکمیل کی خاطر اور اپنی مفلسی کے باعث نوکری کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ ایک خوشحال گھر تھا جس کو نوکری کی ضرورت تھی۔اور یہ لڑکی اپنی تعلیم کی خاطر یہ کام کرنے پر مجبور ہوگئی وقت گزرتا گیا اور سرد موسم کا آغاز ہوگیا۔ سردیوں کی چھٹیاں اسے وہاں گزارنی تھیں کہ ایک دن اس خاندان کا بڑا بیٹا کرسمس کی چھٹیوں میں گھر چلا آیا اور وہ اس خوبرو اور کم گولڑکی پر فریفتہ ہوگیا۔ ماریہ بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ دونوں کی کئی موضوعات پر گفتگو ہوئی نوجوان ماریہ کے شاعرانہ خیالات، اچھے آداب اور حسِ مزاح سے وہ بہت متاثر ہوا اور اس نے اسکے ساتھ شادی کا فیصلہ کرلیا تھا جب وہ چھٹیاں گزار کر واپس جانے لگا تو اپنے ماں باپ سے اس خواہش کا اظہار کیا۔ لیکن والدین کا ردعمل بڑا حوصلہ شکن تھا۔انہوں نے اس کے مستقبل کے حوالے سے جو خواب دیکھ رکھے تھے وہ لڑکی کسی بھی لحاظ سے ان خوابوں پر پورا نہیں اترتی تھی۔ ایسے میں لڑکے کو جو صدمہ پہنچا پر ماریہ بھی اس بے عزتی کو نہیں سہہ سکی اور نوکری چھوڑ کر چلی گئی۔ بے عزتی کے اس تھپڑ نے اسکو حیران و ششدر کردیا۔ اتنا حیران کہ اس نے شادی کا خیال ہی ذہن سے نکال دیا۔اس نے فیصلہ کیا کہ پیرس جا کر تعلیم حاصل کرے گی اور اپنی زندگی کو سائنس کی خدمات کے لئے وقف کرنے کا تہیہ کرلیا۔

1891ء (اٹھارہ سو اکانوے) میں یہ نوجوان لڑکی پیرس میں آئی۔ اور یونیورسٹی آف پیرس میں سائنس کی طالب علم بن گئی۔ وہ اس قدر شرمیلی تھی کہ کوئی دوست

نہ بنا سکی۔ دراصل وہ اپنے مطالعے میں اس قدر محو ہوگئی کہ دوست بنانے کے لئے اس کے پاس وقت ہی نہ تھا۔ وہ ہر اس پل کو بیکار تصور کرتی جو مطالعہ پر صرف نہ ہوتا تھا اگلے چار برس اس نے فقط اس اثاثے پر زندگی بسر کرنا تھی جو اس نے نوکری کر کے جمع کر رکھا تھا۔ وہ تین شلنگ روزانہ کے حساب سے خرچ کرتی ان تین شلنگوں میں کمرے کا کرایہ، خوراک، لباس، یونیورسٹی کے اخراجات شامل تھے۔ اس کا کمرہ چوتھی منزل پر تھا اور اس میں فقط ایک دریچہ تھا۔ اس میں نہ گیس، نہ بجلی اور نہ ہی گرمی کا انتظام کیا گیا تھا وہ ساری سردیاں کوئلے کی دو بوریاں سے زیادہ نہ خرید سکتی تھی۔ اپنے کوئلے کے خزانے کو بچانے کے لئے وہ اکثر سرد راتوں میں بھی آتشدان روشن نہ کرتی اور بیٹھی منجمد انگلیوں اور کپکپاتے ہوئے کندھوں سے ریاضی کے سوال حل کرنے میں مصروف رہتی۔ پھر سونے سے پہلے خود کو گرم کرنے کے لئے وہ صندوق میں سے تمام کپڑے نکال کر کچھ چار پائی پر بچھا دیتی اور کچھ اوپر اوڑھ لیتی سردی کم نہ ہوتی تو وہ کرسی پکڑ کر اسے اپنے اوپر رکھ لیتی تا کہ اس کے وزن سے اسے کم سردی محسوس ہو اور اسے اپنا چھوٹا موٹا کھانا بھی خود پکانا پڑتا لہٰذا وہ ٹائم کو ضائع کرنے سے بچانے کے لئے کئی کئی ہفتے مکھن اور ڈبل روٹی پر گزراوقات کرتی اکثر اس کا سر چکرانے لگتا اور وہ بے ہوش ہو کر گر جاتی جب وہ ہوش میں آتی تو اپنے آپ سے کہتی میں بے ہوش کیوں ہوئی۔ ایک بار وہ کلاس روم میں بے ہوش ہوگئی اور جب اسے ہوش آیا تو اس نے ڈاکٹر کے سامنے تسلیم کرلیا کہ وہ کئی روز سے سوکھی روٹیوں پر گزارا کررہی ہے۔ چونکہ ایک طالب علم کو علم پورا کرنے کے لئے مستقل مزاج ہونا ضروری ہے۔ اس کو خود پر یقین تھا کہ ایک دن اس نے دنیا کی مشہور ترین عورت بننا ہے۔ وہ اپنے مطالعے میں اس قدر مستغرق رہتی کہ اسے بھوک کا خیال ہی نہیں آتا۔ تین برس بعد ماریہ نے پیرس میں ایک ایسے شخص سے شادی کی جس کے ساتھ وہ خوش رہ سکتی تھی۔ وہ شخص بھی سائنس کا دیوانہ تھا۔ اس کا نام پائری کیوری تھا۔ اس وقت مسٹر کیوری کی عمر پینتیس برس تھی اس کا نام فرانس کے نامور سائنسدانوں میں شمار ہوتا تھا۔ تین برس کے بعد ماریہ کیوری ڈاکٹر کی ڈگری حاصل کررہی تھی۔ فلسفے میں ڈاکٹریٹ کرنے کے لئے سائنسی تحقیق کی ضرورت تھی اور اس کے متعلق مضمون لکھنا پڑھنا تھا۔ اس نے اپنی تحقیق کی بنیاد اس بھید کے معلوم کرنے پر رکھی کہ یورنیم دھات میں سے روشنی کیوں نکلتی ہے یہ ایک عظیم سائنسی معرکے کا آغاز تھا۔ علم کیمیا کے سربستہ رازوں میں ایک دلچسپ سفر ماریہ نے تمام کیمیاوی چیزوں پر ٹیسٹ کیا اور یہ جاننے کے لئے کہ دوسری دھاتوں میں سے روشنی کی شعاعیں نکلتی ہیں۔ سینکڑوں دھاتوں پر تجربے کیے آخرکار وہ اس نتیجے پر پہنچی کہ یہ شعاعیں کوئی بے نام عنصر فضا میں بکھیرتی ہیں۔ اس نئے پراسرار عنصر کو معلوم کرنے کے لئے اس کا شوہر بھی اس کے ساتھ تجربات میں شامل ہوگیا۔ کئی

ماہ کے تجربات کے بعد ماریہ کیوری اور پائیری کیوری نے دنیائے سائنس میں ایک بم گرادیا۔انہوں نے کہا کہ ان کے خیال کے مطابق انہوں نے ایک ایسا عنصر دریافت کیا ہے جسکی روشنی یورنیم کی روشنی سے بیس گنا زیادہ ہے ایک ایسی دھات جسکی شعاعیں لکڑی ، پتھر، لوہے اور تانبے میں سے گزر سکتی تھیں۔ایک حیرت انگیز دھات جس کی روشنی فقط سکہ روک سکتا تھا اگر انہوں نے واقعی کوئی ایسی دریافت کی تھی تو اس کا مطلب تھا انہوں نے وہ تمام بنیادی نظریے تہہ وبالا کردیئے تھے۔انہوں نے اس حیران کن مادے کا نام ریڈیم رکھا۔انہوں نے ایک ایسا عنصر دریافت کیا جسے بڑے بڑے سائنسدان ناممکنات میں شمار کرتے تھے ایک ایسا عنصر جو قوت کو بے حد روشن بنادیتا ہے ۔ریڈیم کینسر کے علاج میں بے حد مفید ہے۔ کینسر کے لاکھوں مریض یاصحت یاب ہو گئے یا کینسر میں کمی واقع ہوگئی ۔ ریڈیم کی طلب میں روز بروز اضافہ ہوتا جارہا تھا۔اس قسم کی کوئی چیز پہلے کبھی سننے میں نہ آئی تھی۔ یہ دوسری تمام دھاتوں سے اس قدر مختلف تھی کہ اچھے سائنسدان کسی ایسی دھات کی موجودگی کو مشکوک سمجھتے تھے۔انہوں نے ثبوت کا مطالعہ کیا۔اور کہا کہ ہمیں خالص ریڈیم دکھایا جائے ۔لہٰذا اگلے چار برس 1902-1889ء(اٹھارہ سواٹھانوے تاانیس سو دو)ماریہ کیوری اور اس کا شوہر ریڈیم کی موجودگی کا ثبوت مہیا کرنے کے لئے کام کرتے رہے۔ مٹر کے دانے جتنا ریڈیم حاصل کرنے کے لئے پورے چار برس گذر گئے ۔آخرانہوں نے اسے عمل تقطیر سے حاصل کرلیا۔ جہاں یہ ریسرچ ہوئی اس احاطے میں نہ فرش تھا نہ چھت اوروہ سردیوں میں برف کی طرح سرد تھا۔ ان مشکلات سے تنگ آ کر آخر مسٹر کیوری نے بیزاری کے عالم میں اپنی بیوی سے کہا کہ وہ اس تجربے کو کسی اچھے وقت پر ملتوی کردے تو بہتر ہوگا لیکن اس نے ایسا کرنے سے انکار کردیا لہٰذا وہ اپنے تجربے میں مصروف رہے۔بالآخر میاں بیوی ریڈیم حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے ۔اس دریافت کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ایک عام سی لڑکی روئے زمین کی مشہورترین شخصیت بن گئیں پہلی مرتبہ اسے 1903ء (انیس سوتین) میں فزکس میں نمایاں کام کرنے پر نوبل انعام ملا۔ اور پھر 1911ء(انیس سوگیارہ) میں کیمسٹری میں نمایاں کام کرنے پر نوبیل انعام سے نوازا گیا۔اور یوں پولینڈ کی ایک عام سی لڑکی ماریہ سکلوڈوسکا سے مادام کیوری بن گئی۔لیکن کیا یہ شہرت اور عظمت کے دن اس کے لئے مسرورترین دن تھے۔ بالکل نہیں۔وہ باربار کہا کرتی تھی کہ اسکی زندگی کے بہترین ایام وہی تھے جب وہ مفلسی کے عالم میں اپنے شوہر کے ہمراہ اس بوسیدہ احاطے میں کام کیا کرتی تھی۔

اور وہ دن جب اس کے پاس سردی سے بچنے کے لئے گرم کپڑے اور لحاف نہ ہوتے تھے اور وہ بھوک سے اکثر بے ہوش ہوجاتی۔ 1902ء(انیس سودو) میں مادام کیوری اور اس کے شوہر پائیری کیوری نے یہ فیصلہ

کرنا تھا کہ کیا وہ امیر ہونا چاہتے ہیں یا سائنس کی بے لوث خدمت کے لئے اپنی زندگیاں وقف کرنا چاہتے ہیں۔ ریڈیم کی مانگ میں روز بروز اضافہ ہوتا رہا اور اس کو تیار کرنے کا طریقہ دنیا میں فقط ان دونوں میاں بیوی کو معلوم تھا انہوں نے اس ایجاد سے فرانس اور پولینڈ میں مزید ریڈیم سنٹر قائم کیے۔ وہ اگر چاہتے تو اپنی ایجاد کے حقوق کسی کمپنی کے پاس لاکھوں پونڈ میں فروخت کر سکتے تھے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا اور اگر وہ اسے کسی کمرشل کمپنی کے ہاتھوں فروخت کر بھی دیتے تو کس کو اعتراض ہوتا۔ بلکہ اس سے حاصل کی ہوئی رقم ان کے بچوں کے لئے مالی تحفظ کا سامان بن جاتی لیکن یہ جان کر انسانی فطرت پر انسان کا اعتقاد بڑھ جاتا ہے کہ مادام کیوری نے اپنی ایجاد کے عوض ایک پائی بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس نے کہا یہ سائنس کے جذبے اور مقصد کے برعکس ہوگا۔ اس لئے کہ ریڈیم کو ایک انتہائی مہلک مرض کے خلاف بطور مفید ہتھیار کے استعمال کیا جارہا ہے اس صورت حال سے ناجائز فائدہ نہیں اٹھانا چاہئے اس طرح اس نے بے غرض اور بے لوث صفات کا مظاہرہ کرتے ہوئے امارت اور دولت کے بجائے انسانی خدمت کا راستہ پسند کیا اور بالآخر 4 جولائی 1934ء (چار جولائی انیس سو چونتیس) میں ایک بیماری اے پلاسٹک اینمیا (A Plastic Anemia) سے اس کی موت واقع ہوگئی ۔ کیوں کہ اس کے جسم میں ریڈیشن (Radiation) کے مضر اثرات مرتب ہوگئے تھے۔

کلام
شاہ عبداللطیف بھٹائی رحمۃ اللہ علیہ

یہ دنیا ہے کہ ہے آئینہ خانہ
حقیقت ایک باقی افسانہ

کئی رانے ہیں لیکن میرا رانا
بہر انداز یکتائے زمانہ

کوئی عالم ہو یا کوئی عاقل
مگر ہے 'میندھرو' سب میں یگانہ

مٹا دیتی ہے زنگارِ کدورت
محبت کی نگاہ محرمانہ

☆☆☆

تو ہے مختار کل ہر حالت
تیرے حلقہ بگوش خاص و عام
ایک مجھ ہی پہ کچھ نہیں موقوف
ساری دنیا ہے بندۂ بے دام

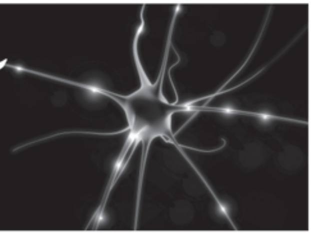

ایک عجوبہ... دماغ

بھئی! زبیر کا دماغ تو بڑا تیز ہے، واہ! کیا تیز دماغ ہے۔ یہ اور اس طرح کے کئی محاورے اور جملے ہماری روزمرہ زندگی کا حصہ ہیں عموماً ذہانت، ہوشیاری، عقل چالاکی وغیرہ جیسے اعمال کو دماغ کے افعال سے منسوب کیا جاتا ہے۔ ویسے تو اس کائنات کا ذرہ ذرہ خالق کائنات کی شان وعظمت کا مظہر ہے انسانی دماغ وہ عضو ہے جس کے متعلق ہونے والی ریسرچ اور اس کے نتیجے میں ہونے والے انکشاف نے خود حضرت انسان کو حیران و پریشان کر دیا ہے۔ ہر روز دماغ اور اس کی کارکردگی کے بارے میں ہونے والا نیا انکشاف اور ختم

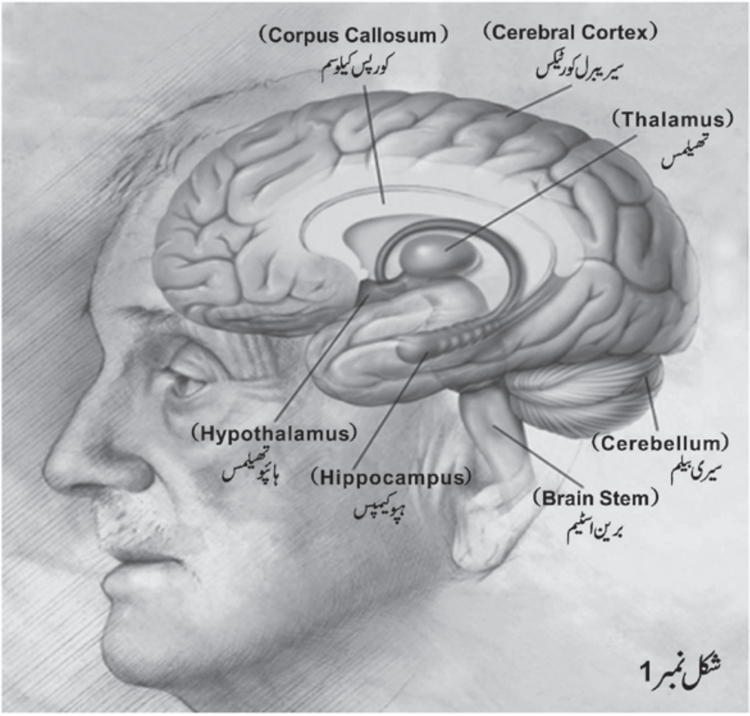

شکل نمبر 1

نہ ہونے والی معلومات نے محققین کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ کیا کبھی ہم اس دماغ کے بارے میں مکمل طور پر جاننے کا دعویٰ کرسکیں گے؟ جی ہاں ...... انسانی دماغ واقعی ایک عجوبہ ہے۔ ایک ایسا عجوبہ جس نے کئی عجوبوں کو جنم دیا ہے ایک اندازے کے مطابق اگر انسان دماغی کارکردگی جتنا کمپیوٹر بنانا چاہے تو اس کمپیوٹر کی لمبائی چوڑائی امریکہ کی ایمپائر اسٹیٹ بلڈنگ جتنی ہوگی۔ ہے نا حیرت کا مقام......ہم میں سے ہر ایک شخص کی کھوپڑی میں ایک عظیم الشان کمپیوٹرفٹ ہے وہ بھی مفت میں۔ اور ہم ایسے ناشکرے ہیں کہ اس دماغ کی اہمیت کا صحیح اندازہ نہیں کرسکتے۔

سائنسدانوں کی تحقیق کا نتیجہ دماغ کے بارے میں یہ ظاہر ہوا ہے کہ انسان ابھی تک 5% دماغ کا استعمال جاننے کا حامل ہوا ہے۔ مرد کے دماغ کا وزن 1500 گرام ہوتا ہے جبکہ عورت کا 1400 گرام ہوتا ہے۔ انسانی دماغ کھوپڑی میں بند تیرتا رہتا ہے جس کی وجہ سے دماغ کا وزن 0.5 گرام رہ جاتا ہے اور عام طور پر سر میں لگنے والی چوٹوں سے محفوظ رہتا ہے۔ انسانی دماغ کے بھی تین بڑے حصے ہیں۔

۱۔ اگلا دماغ (Fore Brain)

۲۔ درمیانہ دماغ (Mid Brain)

۳۔ پچھلا دماغ (Hind Brain)

تصویر نمبر 2 انسان میں اگلا دماغ سب سے بڑا اور ترقی یافتہ ہوتا ہے۔ اگلے دماغ کے مزید حصے کئے گئے ہیں جس میں:

۱۔ سیریبرم (Cerebrum)

۲۔ ڈائی این سفیلان (Diencephalon)

شامل ہیں۔

سیریبرم (Cerebrum) ہی دماغ کا وہ حصہ ہے جو انسان کو دوسرے جانوروں سے ممتاز کرتا ہے یہ ہمارے دماغ کا 85% حصہ ہے۔

سیریبرم (Cerebrum) بڑا دماغ یا اگلا دماغ ہے۔ ہماری سوچ، خیالات یا محسوسات، حرکات رویوں اور ہماری عقل و دانش کا مرکز ہے اس سیریبرم (Cerebrum) کے ہر حصے میں کوئی نہ کوئی مرکز مثلاً اس کا سامنے کا حصہ Frontal Lobe ہمارے رویوں ہمارے مزاج اور ہماری نفسیات کا مرکز ہے یہی وہ جگہ ہے جس کو ذہانت کا مرکز کہا جاتا ہے۔ جبکہ اس کا پچھلا حصہ ہماری نظر یا بصارت سے تعلق رکھتا ہے Occipital Lobe یہ وہ حصہ ہے جہاں ہم اپنی آنکھوں سے دیکھی جانے والی اشیاء کو سمجھتے ہیں۔ درمیان کا حصہ (Parietal Lobe) ہمارے چہرے اور ہاتھوں پیروں کی حرکت کو کنٹرول کرتا ہے جبکہ یہاں وہ مرکز بھی ہوتا ہے جس کے ذریعے ہم اپنے جسم اور جلد پر چھونے اور درد کی کیفیت کو محسوس کرتے ہیں۔

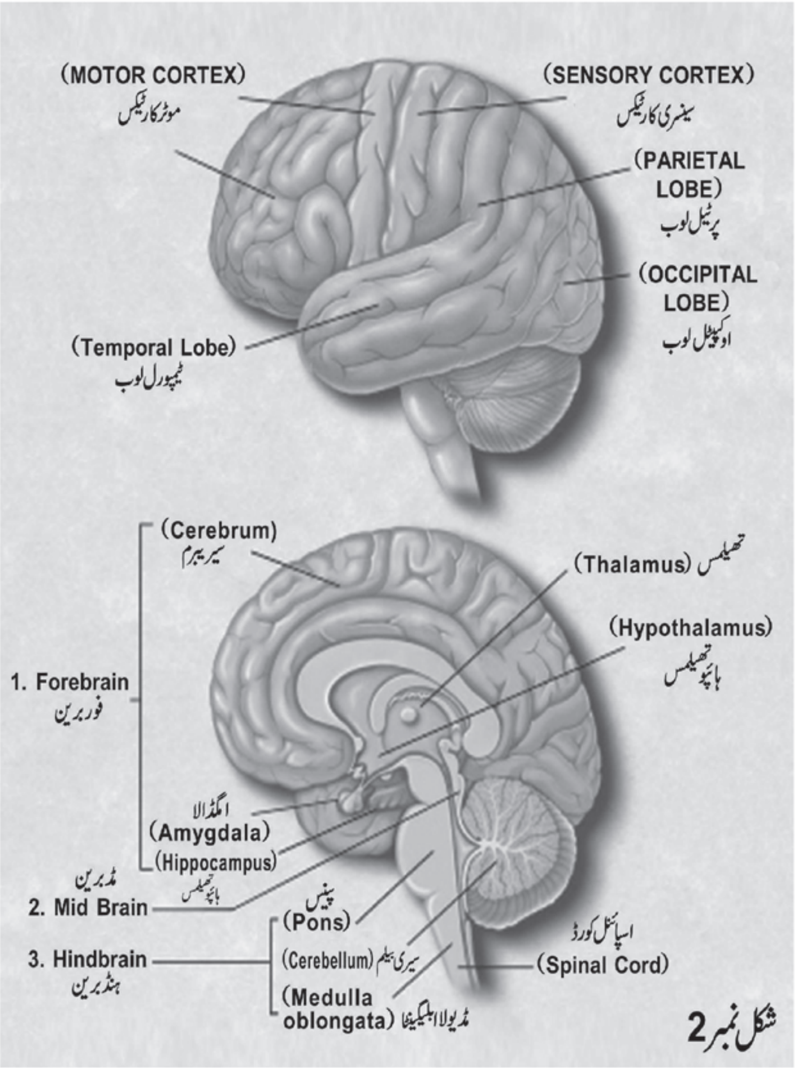

نیچے کی طرف دماغ یاداشت اور قوت گویائی کا مرکز ہے۔

آدمی کا دماغ 100 بلین یعنی ایک کھرب اعصابی خلیوں (Neurons) سے مل کر بنا ہوا ہے جبکہ اعصابی خلیوں کے علاوہ غیر اعصابی خلیوں کی تعداد اس سے کئی گنا زیادہ ہیں۔

روحانی سائنسدان قلندر بابا اولیاءؒ نے دماغی سیلز کی

تعداد۱۲ کھرب بتائی ہے ان سلز کی تقسیم اس طرح ہے کہ دو کھرب سیلز مسلسل متحرک رہتے ہیں اور دس کھرب سیلز اسٹور کا کام کرتے ہیں۔

ماں کے پیٹ میں حمل کے شروع کے دنوں میں دماغ میں یہ اعصابی خلیے ایک منٹ میں 250,000 کی تعداد میں بنتے ہیں اور پیدائش کے وقت ان کی تعداد ایک کھرب تک پہنچ جاتی ہے جس طرح ایک فانوس بہت سارے چھوٹے چھوٹے بلب یا قمقموں سے مل کر بنتا ہے اسی طرح دماغ انھی نیورون یا اعصابی خلیوں اور غیر اعصابی خلیوں سے بنا ہوا ہے۔

نیورون وہ خلیے ہیں جو کرنٹ پیدا کرتے ہیں اور ان میں پیدا ہونے والے کرنٹ سے ہم دماغ کے مختلف کام انجام دیتے ہیں مثلاً جب ہم دیکھتے ہیں تو دماغ کا سامنے والا حصہ (Cerebrum) کے پچھلے حصہ بصارت کے مرکز میں موجود نیورون (Neurons) کے اندر کرنٹ بہنا شروع ہو جاتا ہے......اس کو ہم دیکھنا کہتے ہیں۔

دماغ کی نشوونما 18 کی عمر تک ہوتی ہے...... 18 سال کے بعد دماغ کے وزن میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ ہمارا دماغ اعصابی خلیوں میں جوڑ بناتا ہے۔

40 سال سے زیادہ عمر کے لوگوں کے لئے نئی چیز سیکھنا قدرے مشکل ہوتا ہے جبکہ بچے بہت جلد نئی چیز سیکھ لیتے ہیں اور حافظہ میں محفوظ رکھتے ہیں۔

ہمارا دماغ جسم کا 2% ہے مگر یہ جسم کی 20% آکسیجن استعمال کرتا ہے اور دل کا 20% خون سیدھے دماغ میں چلا جاتا ہے اگر 10 سیکنڈ تک دماغ کو خون نہ ملے تو آدمی بے ہوش ہو جاتا ہے اور 3 سے 5 منٹ تک اگر دماغ میں خون کی سپلائی رک جائے تو دماغ مر جاتا ہے۔

ہمارے دماغ میں 75% پانی اور 25% ٹھوس اجزاء موجود رہتے ہیں ٹھوس اجزاء میں 60% چکنائیاں ہوتی ہیں......اس لئے کہا جاتا ہے کہ دماغ سب سے زیادہ چکنائی والا عضو ہے اور جن لوگوں کے جسم میں چکنائی اور کولیسٹرول ہوتی ہے ان کو بھیجا کھانا منع ہے۔

ہمارا دماغ نارمل حالت میں صرف شکر یا گلوکوز استعمال کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ اگر خون میں شکر کی مقدار 50 ملی لیٹر سے کم ہونے لگے تو دماغ کو شوگر نہ ملنے کی وجہ سے انسان بے ہوش ہوسکتا ہے۔اس کے برعکس دیگر تمام انسانی اعضاء گلوگوز کے علاوہ چکنائی اور لحمیات (Proteins) بھی استعمال کر سکتے ہیں۔شوگر کے مریض جو انسولین استعمال کرتے ہیں ان کے لئے یہ بات بہت اہم ہے کہ وہ انسولین کا انجکشن لگانے کے بعد کھانا کھالیں ورنہ بلڈ شوگر کم ہونے کی وجہ سے ان پر بے ہوشی کا دورہ پڑ سکتا ہے۔

دو بڑی رگیں (شہ رگ کے سامنے) اور دو بڑی رگیں پیچھے سے دماغ کو خون پہنچاتی رہتی ہیں اور یہ ساری رگیں ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں پورے دماغ میں خون کی رگوں کا ایک بڑا جال بچھا ہوا ہے۔

اگر دماغ میں موجود خون کی تمام رگوں کو ایک ساتھ لمبائی میں جوڑا جائے تو اس کی لمبائی اتنی زیادہ ہوگی کہ اس سے ہماری زمین کے گرد چار چکر پورے کئے جاسکتے ہیں یعنی تقریباً 100,000 میل ......ان باریک باریک رگوں میں کسی ایک رگ میں خون رک جائے یا کوئی ایک رگ پھٹ جائے تو دماغ کا متاثر حصہ کام کرنا چھوڑ دیتا ہے اس کو عرف عام میں فالج کہتے ہیں۔

ہمارے دماغ میں اندازاً 70,000 خیالات ایک دن میں آتے ہیں یہ خیالات کسی نہ کسی طرح ہمارے نیورون (Neurons) میں ایک کرنٹ کا بہاؤ پیدا کرتے ہیں۔اور یہ کرنٹ کوئی نہ کوئی کیمیائی تبدیلی لاتا ہے۔ایک اندازے کے مطابق ہمارے دماغ میں موجود نیورون (Neurons) ایک دوسرے کو جو SMS اور میسج کرتے ہیں وہ پوری دنیا میں موجود موبائل فونز کے درمیان ہونے والے میسج اور SMS سے زیادہ ہے اور جو کرنٹ اس SMS اور میسجنگ کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے اس سے ہم 25 واٹ کا ایک بلب روشن کرسکتے ہیں اور نیورون (NEURONS) کے درمیان اس کرنٹ کے بہاؤ کی رفتار 150 میل فی گھنٹہ سے 260 میل فی گھنٹہ ہوسکتی ہے یعنی دماغ کے اندر انفارمیشن کے بہاؤ کی رفتار 200 میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلنے والی ٹرین سے تیز ہے۔یہی وجہ ہے کہ ہمارے پیر کے انگوٹھے پر ایک سوئی چبھتی ہے تو سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں یہ انفارمیشن دماغ تک پہنچتی ہے جو کہ پیر کے انگوٹھے سے تقریباً ایک میٹر دور واقع ہے پھر دماغ کے ہزاروں نیورون (Neurons) میں تقسیم ہوتی ہے اور واپس پیر میں آتی ہے جس کے ذریعے ہم اپنا انگوٹھا اس سوئی سے دور ہٹا لیتے ہیں۔

یادداشت یا میموری انسان کے تمام اعضاء میں صرف دماغ کی خصوصیت ہے انسان کے کسی دوسرے عضو میں یہ صلاحیت نہیں ہے کہ وہ عوامل کو اپنی یادداشت میں محفوظ رکھ سکے۔ہمارا دماغ ہر چیز کو اپنی یادداشت میں محفوظ رکھ سکتا ہے مسئلہ وہاں پیدا ہوتا ہے جہاں اس چیز کو دوبارہ یاد کرنا ہو۔دماغ ایک اندازے کے مطابق ایک انسائیکلو پیڈیا میں موجود معلومات سے پانچ گنا زیادہ معلومات محفوظ کرسکتا ہے۔دماغ میں دوبارہ یاد کرنے کی صلاحیت محدود ہے اور فرداً فرداً مختلف ہوسکتی ہے یہی وجہ ہے کہ مختلف لوگوں کی یادداشت کی صلاحیت مختلف ہوتی ہے اور اگر الٹی طرف دماغ پر ہلکا سا کرنٹ لگایا جائے تو بچپن کی بھولی بسری

یادیں واپس یاد آجاتی ہیں۔

ہمارا دماغ ہماری جلد اور جسم کے دوسرے حصوں میں ہونے والے درد کو فوراً محسوس کر لیتا ہے چاہے...... درد جلد پر چبھنے والی سوئی کا ہو یا گردے کی پتھری کا...... وہ مچھر کے کاٹنے کا درد ہو یا ہارٹ اٹیک کا لیکن دماغ میں اپنے کسی درد کو محسوس کرنے والا سسٹم نہیں ہوتا۔

اسکا مطلب یہ ہوا کہ اگر زندہ انسان کے دماغ پر چھری پھیری جائے تو انسان کو بالکل محسوس نہیں ہوگا اسی بات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نیوروسرجن آج کل جاگتے ہوئے دماغ کا آپریشن کرنے میں مصروف ہیں۔ اس عمل میں پہلے مریض کو بے ہوش کرتے ہیں کھوپڑی کھول کر دماغ کو کھول دیا جاتا ہے اور پھر مریض کو اسی حالت میں ہوش میں لایا جاتا ہے اور پھر اس کا دماغ کا آپریشن کیا جاتا ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ دماغ کے آپریشن کے دوران مریض اپنا ہاتھ پاؤں چلا کر ڈاکٹر کو بتاتا رہتا ہے اور ڈاکٹر یا نیوروسرجن اس کی محفوظ سرجری کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔

اگرچہ ہمارا دماغ کئی عجوبوں کا مرکز ہے اس سے زیادہ تر انسان واقف نہیں ہے۔ یہ بات سمجھ میں آگئی ہے کہ کھوپڑی میں موجود 1.5 کلو وزنی عضو اللہ پاک کی دی ہوئی سب سے عظیم نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے جسکا ہم جتنا بھی شکر ادا کریں کم ہے۔

☆☆☆

☆ روحانی سائنسدان قلندر بابا اولیاءؒ نے دماغی سیلز کی تعداد ۱۲ کھرب بتائی ہے ان سیلز کی تقسیم اس طرح ہے کہ دو کھرب سیلز مسلسل متحرک رہتے ہیں اور دس کھرب سیلز اسٹور کا کام کرتے ہیں۔

☆ شوگر کے مریض جو انسولین استعمال کرتے ہیں ان کے لئے یہ بات بہت اہم ہے کہ وہ انسولین کا انجکشن لگانے کے بعد کھانا کھالیں ورنہ بلڈ شوگر کم ہونے کی وجہ سے ان پر بے ہوشی کا دورہ پڑ سکتا ہے۔

☆ اگر دماغ میں موجود خون کی تمام رگوں کو ایک ساتھ لمبائی میں جوڑا جائے تو اس کی لمبائی اتنی زیادہ ہو گی کہ اس سے ہماری زمین کے گرد چار چکر پورے کئے جا سکتے ہیں یعنی تقریباً 100,000 میل......ان باریک باریک رگوں میں کسی ایک رگ میں خون رک جائے یا کوئی ایک رگ پھٹ جائے تو دماغ کا متاثر حصہ کام کرنا چھوڑ دیتا ہے اس کو عرف عام میں فالج کہتے ہیں۔

☆☆☆

غیب کی دنیا سے متعارف ہونے کے لئے غیب کی دنیا پر یقین رکھنا ضروری ہے اور یقین کی تکمیل دیکھے بغیر نہیں ہوتی۔ جب تک ہمیں کسی چیز کا علم نہ ہو دیکھ کر بھی ہمارے اوپر یقین کی دنیا روشن نہیں ہوتی۔ سب درخت کو دیکھتے ہیں تو پتیاں پھول رنگ سب کچھ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ درخت دیکھنے سے پہلے ہم جانتے ہیں کہ ہماری آنکھوں کے سامنے درخت ہے۔ اگر ہم درخت کے وجود کے بارے میں کچھ نہ جانتے ہوں تو درخت کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتے۔

خاکی دنیا کے ساتھ ایک اور دنیا آباد ہے۔ اس دنیا میں زندگی بھر انسان کا آنا جانا ہوتا رہتا ہے۔ بیداری کی طرح نیند میں بھی انسان کچھ نہ کچھ کرتا رہتا ہے لیکن وہ جو کچھ کرتا ہے اس سے واقف نہیں ہوتا۔ اگر سونے کی حالت میں کچھ دیکھتا ہے تو اس میں معنی نہیں پہنا سکتا یعنی شعور اس طرح کام نہیں کرتا جس طرح بیداری میں کرتا ہے۔ اگر حافظہ کسی طرح اس لائق ہو جائے کہ اس کو یاد رکھ سکے تو ہم باقاعدگی سے ریکارڈ رکھ سکتے ہیں۔ حافظہ کسی نقش کو اس وقت یاد رکھتا ہے جب وہ گہرا ہو............

ہر انسان جانتا ہے کہ ہر لمحہ زندگی فنا ہو رہی ہے مثلاً دودھ پینے کا زمانہ، گھٹنوں سے چلنا، گرنا، اُٹھنا، کھڑے ہونا، پھر گرنا اور پھر چلنے کے قابل ہو جانا۔ لڑکپن کے بعد جوانی آتی ہے............ جوانی کے بعد انحطاط یعنی بڑھاپا آجاتا ہے۔ اور آدمی تجربات کی دنیا سے گذر کر غائب ہو جاتا ہے۔ یہ زندگی کا لامتناہی سلسلہ ہے جو ازل سے چل رہا ہے اور جو ابد تک جاری وساری ہے۔

سونا اور سونے کے بعد آدمی جس طرح پیدا ہونے کے بعد، بیدار اور بیدار ہونے کے بعد پھر سو جانا ایسی حقیقت ہے جو ہر ذی روح کے لئے لازم ہے اس کے بغیر زندگی کی تکمیل نہیں ہوتی۔

یہ ایک چکر ہے یعنی شعوری طور پر حاضر ہونا اور پھر لاشعور میں جا کر اس دنیا سے آزاد ہونا یا غیب میں چلے جانا۔

کوئی اس سے واقف ہو یا نہ ہو مگر ہر ذی روح زندگی کا یہ چکر پورا کرتا ہے۔

نوع انسانی کا تجربہ ہے کہ جب شعور اوپر کی سطح میں ہوتا ہے تو اس کے حواس بظاہر کام کرتے ہیں اور وہ

راحت وآرام، تکلیف اور رنج کو نہ صرف محسوس کرتا بلکہ اس کا تدارک بھی کرتا ہے۔لیکن وقت (Time) اپنی جگہ قائم رہتا ہے۔

ہم وقت کی نفی نہیں کر سکتے ....ہاں وقت کی اکائی کم یا زیادہ ہوتی رہتی ہے۔

ہر انسان کا تجربہ ہے کہ (Time) کی نفی ہوتی ہے مگر اسکی مقداروں کا تعین نہیں ہوتا ہے یعنی آدمی کا ذہن کسی ایک نقطے پر ٹھہر جاتا ہے تو وقت کا احساس ختم ہوجاتا ہے...........اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ وقت غائب ہوگیا......ہوتا یہ ہے کہ ذہن کی (Speed) اگر 3 میل فی گھنٹہ ہے تو ذہن کی رفتار 3 ہزار میل فی گھنٹہ کی ہوجاتی ہے۔لیکن یہ سوال اپنی جگہ اہم ہے کہ رفتار کا اعتدال میں رہنا یا رفتار کی کمی سے ہم وقت کی نفی نہیں کر سکتے ۔ یہ ایسا عجیب راز ہے کہ اسکی پردہ کشائی ابھی تک نہیں ہوئی۔

ایک آدمی کی سوچ 15 منٹ کی توجہ چاہتی ہے اس ہی آدمی کی سوچ کی رفتار 15 منٹ میں 30 ہزار میل کی ہوسکتی ہے۔ بات مشکل نہیں ہے۔ بیدار آدمی ایک گھنٹے میں اعتدال کی رفتار 3 میل چلتا ہے لیکن وہی آدمی جب سوجاتا ہے تو اس کی رفتار ایک گھنٹے میں 60 ہزار گنا بھی ہوسکتی ہے اور اس فارمولے کو آسمانی کتابوں، بھگوت گیتا، توریت، بائبل اور آخری کتاب قرآن مجید اور آسمانی صحیفوں میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، اگر ہم عام ذہن سے اس بات کی کھوج لگائیں تو اس کیفیت سے کم وبیش ہر آدمی گزرتا رہتا ہے۔

جب وہ کسی ایک یا دو خیالات میں اُلجھ جاتا ہے تو یہ ایک اور دو خیال گھنٹوں پر بھی محیط ہوجاتے ہیں۔اس وقت سائنس کے سامنے یہ مرحلہ ہے کہ وقت پر زیادہ سے زیادہ کنٹرول کس طرح ہو۔ تیز رفتاری کا زیادہ سے زیادہ ہونا اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ وقت کی مسلسل نفی ہورہی ہے لیکن غور طلب امر یہ ہے کہ نفی نہیں ہورہی۔

انسانی زندگی میں خواب ایک ایسا عمل ہے کہ جس میں بلاتخصیص ہر انسان کی زندگی میں مکاں و زماں (Time & Space) لیس (Lessness) ہو جاتے ہیں۔یعنی شعوری حالت میں جو حد بندیاں ہیں وہ ٹوٹ جاتی ہیں۔

ہم کسی الجھن کا شکار ہوتے ہیں تو ایک نقطے پر ذہن اس طرح چپک جاتا ہے کہ اسی خیال میں آدمی گرفتارِ بلا ہوجاتا ہے لیکن جب اس کیفیت سے آزاد ہوتا ہے تو پھر اس کو Normal انسان سمجھا جاتا ہے۔

☆☆☆

تلاش یہ کرنا ہے کہ کیا زندگی کے شب و روز میں ہمارے اوپر ایسی کیفیت ہوتی ہے جس میں ہم تقریباً سارے کام کرتے ہیں لیکن شعوری حد بندیاں ہمارے راستے میں مزاحم نہیں ہوتیں۔ہاں ہر ذی روح کی زندگی

میں آدھی زندگی حد بندی کے شعور سے آزادی میں بسر ہوتی ہے۔اس کیفیت کو مذہب اور آسمانی کتابیں ''رویا'' کہتے ہیں۔

آدمی کی زندگی کے دورخ متعین ہیں۔

ا۔آدمی جاگتا ہے، جاگنے کی کیفیات ایسی ہیں جس سے ہر آدمی اچھی طرح واقف ہے اوراسے شعور کا نام دیتا ہے۔

۲۔دوسری کیفیت یہ ہے کہ آدمی سوتا ہے۔سونے کی حالت میں کھاتا پیتا ہے، چلتا پھرتا ہے،خوش ہوتا،خوف زدہ ہوتا ہے،سفر کرتا ہے۔انتہا یہ ہے کہ جنسی تلذذ کے بعد اسکے اوپر غسل واجب ہوجاتا ہے۔اس قسم کے حالات بھی پیش آتے ہیں کہ کسی سوتے ہوئے آدمی نے کوئی کھانا کھایا، یکا یک آنکھ کھل گئی مگر اسکی زبان پر ذائقہ ہوتا ہے اور انگلیوں میں کھانے کی خوشبو اسے محسوس ہوتی ہے......

اس کیفت کو جس میں آدمی ہر وہ کام کرتا ہے جو وہ شعور میں کرتا ہے لیکن وقت اور مکانیت (Time & Space) کی گرفت نہیں ہوتی۔اس کیفیت کو ہم لاشعور کہتے ہیں ۔۷ارب کی معلوم آبادی میں ایک فردِ واحد بھی اس بات سے انکار نہیں کرسکتا......

مفہوم یہ ہے کہ زندگی کے دو رخ متعین ہیں ......

ایک رخ میں مکاں و زماں کی پابندی ہے۔دوسرے رخ میں مکانیت اور زمانیت تو دونوں ہیں لیکن مکانیت کی پابندی نہیں ہے جو بیدار حواس میں ہوتی ہے۔

آسمانی کتابوں میں بالوضاحت اس کا تذکرہ موجود ہے۔جیسے پیغمبروں میں حضرت یوسفؑ کا ایک خواب ہے۔جس کی تعبیر ان کے پیغمبر باپ حضرت یعقوبؑ نے یہ بتائی کہ............

حضرت یوسفؑ نے اپنے والد حضرت یعقوبؑ سے کہا!

''اے میرے باپ! میں نے خواب دیکھا ہے کہ گیارہ ستارے اور سورج اور چاند مجھے سجدہ کررہے ہیں۔''

(سورۃ یوسف۔آیت 4)

حضرت یعقوبؑ نے فرمایا!

''میرے بیٹے! جس طرح تو نے دیکھا ہے کہ گیارہ ستارے اور سورج اور چاند تیرے آگے جھکے ہوئے ہیں اسی طرح تیرا پروردگار تجھے برگزیدہ کرنے والا ہے۔''

حضرت یوسفؑ کے سوتیلے بھائیوں نے پروگرام بنایا کہ یوسفؑ کو باپ سے دور کردیں۔سب بھائیوں نے باپ سے کہا!

''ہم یوسف کو سیر کرانے کیلئے اپنے ساتھ جنگل میں لے جانا چاہتے ہیں۔''

حضرت یعقوبؑ نے بیٹوں کے اصرار کے بعد نیم دلی سے اجازت دے دی۔سوتیلے بھائی حضرت یوسفؑ کو ساتھ لے گئے اور اندھے کنوئیں میں پھینک دیا اور روتے ہوئے گھر واپس آئے۔باپ کے سامنے یہ عذر پیش کیا کہ حضرت یوسفؑ کو بھیڑیا کھا گیا ہے۔ثبوت کے طور پر بکری کا خون لگے ہوئے کپڑے حضرت یعقوبؑ کو دکھائے۔

جس کنوئیں میں حضرت یوسفؑ کو پھینکا گیا تھا۔ یہ کنواں حبرون (موجودہ الخلیل) کی وادی سیکم کے قریب ہے۔ اسماعیلی تاجروں کا ایک قافلہ مصر جاتے ہوئے یہاں سے گزرا تو قافلے کے لوگوں نے ایک کنواں دیکھا۔ پانی پینے کے لئے قافلہ رک گیا۔ قافلے والوں نے کنوئیں میں ڈول ڈالا تو حضرت یوسفؑ اسے پکڑ کر کنویں سے باہر نکل آئے۔ تاجر آپؑ کو ساتھ لے گئے اور مصر کے بازار میں نیلام کر دیا۔

عربی نسل ''عمالیق'' جو دو ہزار قبل مسیح میں فلسطین اور شام سے آکر مصر پر قابض ہو گئے تھے اس وقت حکمران تھے۔ ایوفیس (Apophis) نامی بادشاہ تھا۔ مصری فوج کے سپہ سالار ''فوطیفار'' نے بیس درہم (اس وقت کے تقریباً 54 ڈالر) میں حضرت یوسفؑ کو خرید لیا۔

خریدار کا تعارف عزیز مصر کے نام سے کرایا جاتا ہے۔ عزیز مصر کے معنی ایسے صاحب اقتدار کے ہیں جس کے خلاف کوئی مزاحمت نہ ہو سکے۔ عزیز مصر کسی شخص کا نام نہیں ہے بلکہ ایک عہدے کا نام ہے۔ بائبل اور تلمود کے مطابق عزیز مصر شاہی محافظوں کا افسر اعلیٰ تھا۔ عزیز مصر نے اپنی بیوی سے کہا!

''اس کو اچھی طرح رکھنا بعید نہیں کہ یہ ہمارے لئے مفید ثابت ہو یا ہم اسے بیٹا بنالیں۔''

(سورۃ یوسف۔21)

حضرت یوسف ذہین اور زیرک تھے۔ آپ کی خوبصورتی بے مثال تھی۔ حسن اور خوبروئی کا کوئی پہلو ایسا نہ تھا جو ان کے اندر نہیں تھا۔ عزیز مصر کی بیوی ''زلیخا'' دل پر قابو نہ رکھ سکی اور حضرت یوسفؑ پر فریفتہ ہو گئی۔

زلیخا کی طرف سے برائی کی ترغیب اور بات پوری نہ ہونے کی صورت میں قید کرا دینے کی دھمکی سن کر حضرت یوسفؑ نے اللہ رب العزت کو مدد کے لئے پکارا۔

''اے میرے رب! قید مجھے منظور ہے بہ نسبت اس کے وہ کام کروں جو یہ لوگ مجھ سے چاہتے ہیں اور اگر تو نے ان کی چالوں کو مجھ سے دفع نہ کیا تو میں ان کے دام میں پھنس جاؤں گا اور جاہلوں میں شامل ہو جاؤں گا۔''

(سورۃ یوسف:۳۳)

حضرت یوسفؑ راست روی اور عفت و عصمت قائم رکھنے کے لئے کڑے امتحان سے گزر رہے تھے۔ بالآخر طرح طرح کے الزامات لگا کر آپ کو پابند سلاسل کرا دیا گیا۔

حضرت یوسفؑ سات برس جیل میں رہے۔ قید کے دوران آپؑ قیدیوں کو وحدانیت کی راہ اختیار کرنے کی دعوت دیتے تھے۔ نیک عمل کی تلقین اور برائیوں سے بچنے کی نصیحت کرتے تھے۔

دو قیدیوں نے خواب دیکھے۔ ایک بادشاہ کا ساقی اور دوسرا باورچی تھا اور وہ بادشاہ کو زہر سے ہلاک کرنے کی سازش میں پکڑے گئے تھے۔ دونوں نے حضرت یوسفؑ کو اپنے اپنے خواب سنائے ایک نے بتایا ''میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ انگور نچوڑ رہا ہوں۔''

دوسرے نے کہا ''میں نے دیکھا کہ سر پر روٹی اٹھائے ہوئے ہوں اور پرندے اسے کھا رہے ہیں۔''

حضرت یوسفؑ نے تعبیر بتائی کہ انگور نچوڑنے والا بری ہوجائے گا اور اسے پھر ساقی گری سونپ دی جائے گی اور دوسرا سولی پر چڑھا دیا جائے گا اور اس کا گوشت مردار جانور کھائیں گے۔

قابلِ تذکرہ خواب بادشاہِ مصر کا ہے

تیسرا خواب بادشاہ مصر ''ملک الریان'' کا ہے۔ درباریوں کو جمع کرکے بادشاہ نے کہا، ''میں نے خواب دیکھا ہے کہ سات موٹی گائیں ہیں انھیں سات دبلی گائیں نگل رہی ہیں اور سات بالیں ہری ہیں اور سات بالیں سوکھی۔''

بادشاہ کے دربار میں ماہرین نے اس خواب کو بادشاہ کی پریشان خیالی قرار دیا۔لیکن بادشاہ کو اطمینان نہیں ہوا اور وہ ہر وقت پریشان رہنے لگا۔ بادشاہ کو پریشان دیکھ کر ساقی کو اپنا خواب اور اس کی تعبیر یاد آ گئی۔ اس نے حضرت یوسفؑ کے علم اور حکمت سے بادشاہ کو آگاہ کیا۔

بادشاہ نے خواب کی تعبیر معلوم کرنے کے لئے ساقی کو حضرت یوسفؑ کے پاس بھیجا۔

حضرت یوسفؑ نے خواب کی تعبیر یہ بتائی کہ سات سال تک تم لگا تار کھیتی کرتے رہو گے۔ ان سات سالوں میں غلے میں خوب فراوانی ہوگی اور اسکے بعد سات سال بہت مصیبت کے آئیں گے اور سخت قحط پڑ جائے گا۔ ایک دانہ بھی نہیں اُگے گا۔ ان سات سالوں میں وہی غلہ کام آئے گا جو پہلے سات سالوں میں ذخیرہ کیا گیا ہوگا۔

خواب میں مستقبل بینی اور حضرت یوسفؑ کی بیان کردہ تعبیر سے بادشاہ بے حد متاثر ہوا۔ اس نے حضرت یوسفؑ کو رہا کرکے دربار میں حاضر کرنے کا حکم دیا۔ لیکن حضرت یوسفؑ نے رہا ہونے سے انکار کردیا اور مطالبہ کیا کہ اس الزام کی تحقیق کی جائے جس کے تحت وہ قید کئے گئے تھے۔ بادشاہ کو یقین ہوگیا کہ قیدی صاحب حکمت بزرگ ہے اور یہ برگزیدہ شخص یقیناً بے گناہ ہے ورنہ الزام کی تحقیق کا مطالبہ نہ کرتا اور جیل سے باہر بخوشی آجاتا۔

خواب کی تعبیر معلوم ہونے کے بعد بادشاہ نے حضرت یوسفؑ کے مشورہ کے مطابق دربار میں موجود معاشیات کے ماہرین کو اس مصیبت سے محفوظ رہنے کی ہدایت کی۔ یہ خواب جس طرح انوکھا تھا اسی طرح تعبیر بھی عجیب تھی اور سارے دربار میں ایک بھی شخص ایسا نہ تھا جو اس کام سے عہدہ برآ ہوسکتا۔ جب حضرت یوسفؑ نے قحط سالی سے بچنے کی تدابیر بتائیں، بادشاہ جو ان کے علم وحکمت اور بزرگی کا پہلے ہی معترف ہوچکا تھا اس کے دل میں حضرت یوسفؑ کی عظمت مزید بڑھ گئی۔ بادشاہ نے نہ صرف ان تدابیر کو قبول کیا بلکہ حضرت یوسفؑ کو ان پر عمل کرانے کا اختیار بھی

دے دیا......اور کہا:

''تو میرا نائب ہے۔ آج سے تیرا حکم میری رعایا پر چلے گا۔''

بادشاہ نے فیصلہ کیا کہ حضرت یوسفؑ نے قحط سالی سے بچنے کی جو تدابیر بتائی ہیں وہ خود ہی ان پر عمل درآمد کرائیں۔ بادشاہ نے شاہی کونسل سے منظوری لے لی۔

بادشاہ نے حضرت یوسفؑ سے نہایت عزت واحترام سے کہا کہ آپؑ اس مسئلے سے نمٹنے کے لئے پیش بندی کریں۔ حضرت یوسفؑ نے عمل درآمد کے لئے بادشاہ سے مملکت کے مکمل اختیارات مانگ لئے۔

''یوسف نے کہا ملک کے خزانے میرے سپرد کر دیجئے۔
میں حفاظت کرنے والا ہوں اور علم بھی رکھتا ہوں۔''

(سورۃ یوسف۔ آیت 55)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہماری سنت میں تبدیلی ہوتی ہے اور نہ تغیر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ آخر الزمان پیغمبرؐ پر پیغمبری کی تکمیل ہو چکی ہے۔ لیکن پیغمبروں کی تعلیمات کا تسلسل جاری ہے اور جاری رہے گا۔

اب کوئی شخص پیغمبر نہیں ہوگا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ دین کی تکمیل ہو چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی سنت میں تبدل اور تغیر نہیں ہوتا۔ (القرآن)

علم لدنی (روحانی علوم) کے ۴۶ باب ہیں ان میں سے ایک باب خواب کے اوپر ہے۔

خواب اور بیداری میں جب انسانی ارادہ اور شعور ایک نقطے پر جمع ہو جاتا ہے یا توجہ مرکوز ہوتی ہے تو وہ خیال تصور سے عمل میں تبدیل ہو جاتا ہے اور وہ شے مظہر بن جاتی ہے۔ کیمیکل امپلس (Chemical Impulse) ان تصورات کو خدوخال دے کر مظہر بن جاتے ہیں۔ الیکٹرک امپلس (Electric Impulse) جب کیمیکل امپلس میں تبدیل ہوتے ہیں تو تصور مادی شکل وصورت کے روپ میں ظاہر ہوتا ہے جسے آنکھیں دیکھ لیتی ہیں۔

جو چیز الیکٹرک امپلس سے کیمیکل امپلس میں بدل جاتی ہے۔ اس کا اثر خواب کی طرح بیداری کے حواس میں ظاہر ہوتا ہے۔ خواب یا بیداری دونوں حالتوں میں یہ دونوں ایجنسیاں برسرِ عمل رہتی ہیں۔

فرق یہ ہے کہ خواب میں الیکٹرک امپلس کی کارکردگی زیادہ ہوتی ہے اور بیداری میں کیمیکل امپلس کی کارکردگی نمایاں ہوتی ہے۔ اگر بیداری کی طرح خواب میں بھی کیمیکل امپلس نمایاں ہو جائیں تو ایسی صورت میں خواب میں دیکھی ہوئی، محسوس کی ہوئی یا چکھی ہوئی کوئی چیز بیداری میں خواب کی طرح نظر آتی ہے اور یاد رہتی ہے۔

خواب میں ہم سنگترہ کھاتے ہیں اور اس کا مزہ بھول جاتے ہیں۔

کیوں بھول جاتے ہیں؟

اس لئے کہ سنگترہ اور سنگترے کا مزہ ہمیں الیکٹرک

امپلس کے ذریعہ ملتا ہے......لیکن یہی مزہ اگر خواب میں الیکٹرک امپلس سے کیمیکل امپلس میں بدل جائے۔تو ہم سنگترہ اور سنگترے کے ذائقے کو بیداری میں بھی محسوس کرتے ہیں۔

انسان بیداری میں جو کچھ دیکھتا ہے وہ اس کے شعور کا اظہار احوال ہے۔ جو کچھ خواب میں دیکھتا ہے وہ اس کے لاشعور کا اظہار احوال ہے۔ جب لاشعور میں کوئی اظہار احوال ہوا ہے تو وہ شعور میں آ کر تصاویر کی شکل میں منعکس ہونے لگتا ہے۔ ایسا ہونے سے لاشعوری تقاضے کی کچھ تسکین ہو جاتی ہے۔ ایسا ہی ایک سمبل (Symbol) پرواز ہے۔ چاہے آدمی جدوجہد نہ کرے۔ پھر بھی اس کی خواہش یہی ہوتی ہے کہ تیزی سے مستقبل کی مسافت طے کرتا رہے۔لیکن ذہن میں منزل ضرور ہوتی ہے۔ چاہے آدمی اس سے واقف ہو یا نہ ہو۔جس دور میں ایسے کسی تقاضے کی شدت ہوتی ہے تو پرواز کے خواب نظر آنے لگتے ہیں۔ البتہ پس پردہ لاشعور کا یہ اشارہ ضرور ہوتا ہے کہ جدوجہد میں کمی ہے اسے پورا کیا جائے۔انتھک کوشش اور محنت سے کامیابی حاصل ہوسکتی ہے۔لاشعور یہ ساری باتیں اسلئے بتاتا ہے کہ وہ مستقبل کے بارے میں زندگی کی شاہراہ سے واقف ہے اور انسان کو باخبر کرنا چاہتا ہے۔

آئندہ جون کے شمارہ میں ملاحظہ کریں۔

عُلُوم کی درجہ بندی

دنیا میں رائج علوم کی اگر درجہ بندی کی جائے تو ہم انہیں تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

طبیعیات

نفسیات

مابعد نفسیات

علم طبیعیات کے ضمن میں زندگی کے وہ اعمال واشغال آتے ہیں جن سے کوئی آدمی محدود دائرے میں مستفیض ہوتا ہے۔یعنی اس سوچ کا محور مادہ ہوتا ہے اور اس مادی خول سے وہ باہر نہیں نکل سکتا۔

نفسیات وہ علم ہے جو طبیعیات کے پس پردہ کام کرتا ہے، خیالات،تصورات اور احساسات کا تانا بانا اس علم سے مرکب ہے۔

علم مابعد النفسیات علم کی اُس بساط کا نام ہے جس کو روحانیت میں مصدر اطلاعات کہا جاتا ہے، علمی حیثیت میں یہ ایک ایسی ایجنسی ہے جو لاشعور کے پس پردہ کام کرتی ہے۔

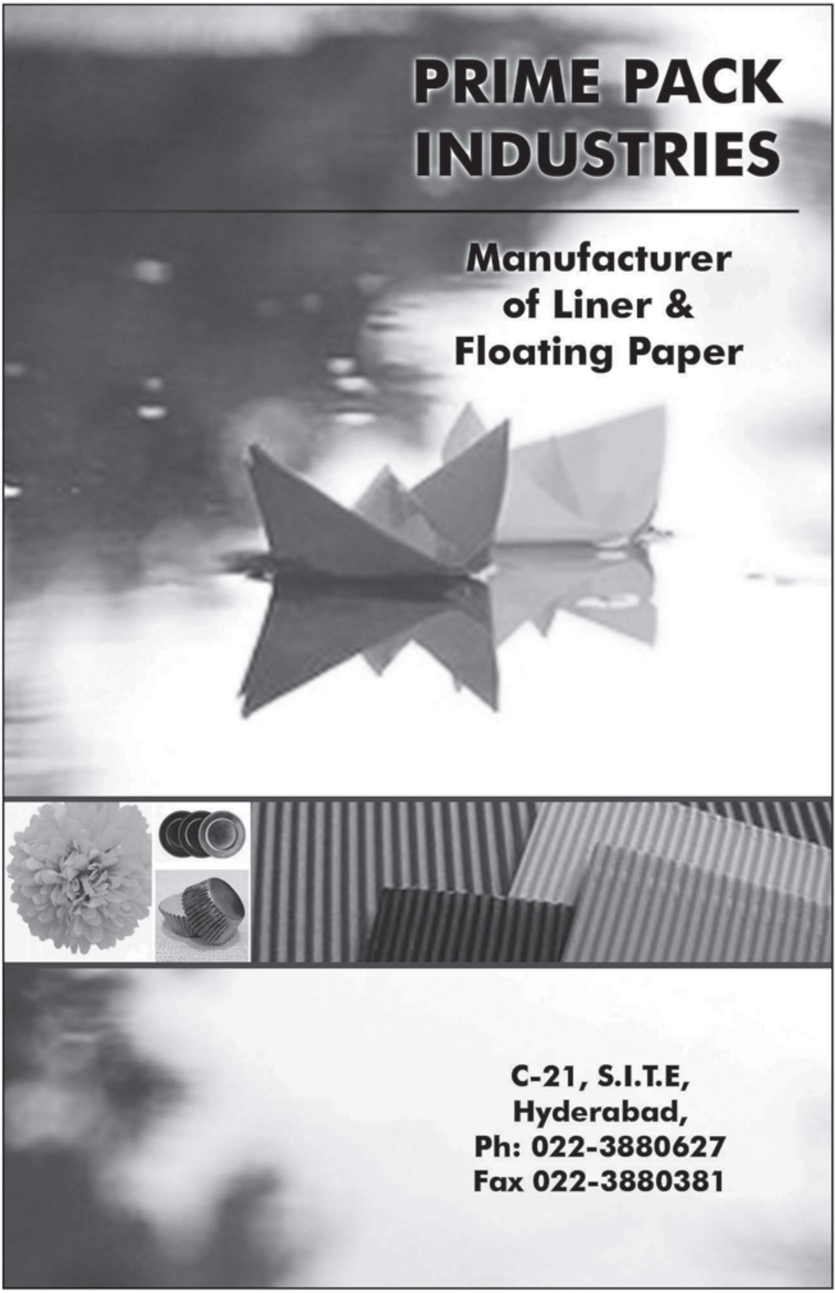
PRIME PACK
INDUSTRIES
Manufacturer
of Liner &
Floating Paper
C-21, S.I.T.E,
Hyderabad,
Ph: 022-3880627
Fax 022-3880381

عزیزہ سعیدہ خاتون عظیمی کا لکھا ہوا ناول ''جوگن'' ماہنامہ روحانی ڈائجسٹ میں کم وبیش پندرہ سال پہلے شائع ہو چکا ہے۔ قارئین نے اسے پسند کیا۔ قارئین کی مزید دلچسپی قائم رکھنے کے لئے داستان میں کچھ تبدیلی کی گئی ہے۔ یہ ناول ایک بار پھر ''جوگن اللہ والی'' ''ماہنامہ قلندر شعور'' میں شائع کیا جا رہا ہے۔

پاکستان بننے سے تقریباً تیس پینتیس سال پہلے ہندوستان کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں ایک معزز خاندان آباد تھا۔ لوگوں میں وہ چودھری صاحب کے نام سے مشہور تھے۔ چودھری صاحب کے والدین اور آباواجداد زمانوں سے اس گاؤں میں بستے چلے آرہے تھے۔ جس کی وجہ سے سارا گاؤں چودھری صاحب اور ان کی فیملی کو عزت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ چودھری صاحب کے والدین تو فوت ہو چکے تھے البتہ ان کے ایک بڑے بھائی تھے جن کا نام منیر شاہ تھا۔ دونوں بھائی ایک ہی محلے میں رہتے تھے۔ چودھری صاحب کے یہاں پانچ بچے تھے۔ تین بیٹے اور دو بیٹیاں۔ بیٹے دونوں بیٹیوں سے بڑے تھے۔ جن کے نام راحیل، دانیال اور عامر تھے۔ ان سے چھوٹی بیٹی کا نام کرن تھا۔ چودھری صاحب کی بیگم چودھرائن کے نام سے مشہور تھیں۔ منیر شاہ کا کنبہ بڑا تھا۔

منیر شاہ چودھری صاحب سے عمر میں گیارہ سال بڑے تھے۔ ان کے پانچ بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں۔ چار بیٹوں اور دو بیٹیوں کی شادی ہو چکی تھی۔ چاروں بہویں سب ایک ساتھ رہتی ہیں۔ ایک بڑی حویلی میں منیر شاہ اور چودھری صاحب دونوں پیدا ہوئے تھے۔ دو بہنیں بھی ہوئیں مگر ان کا بچپن میں ہی انتقال ہو گیا۔ حویلی کیا تھی ایک قلعہ تھا۔ گاؤں میں سب سے بڑا مکان یہی تھا۔ پہلے چودھری صاحب بھی اسی میں رہتے تھے۔ یہیں ان کے تینوں بیٹے بھی پیدا ہوئے۔ مگر پھر ایک ہی سال میں دادا، دادی دونوں کا انتقال ہو گیا۔ جب کرن پیدا ہوئی تو خاندانی روایات کے مطابق فقیروں کو کھانا کھلایا گیا۔ مغرب کے وقت صحن میں بڑی بڑی دریاں بچھا دی گئیں اور چنے کی دال اور چاول اور حلوہ پوری کے تھال دسترخوان پر رکھے گئے جانے کہاں کہاں سے لوگ چلے آئے۔ قریبی گاؤں سے بھی غریب غرباء آ گئے تھے کئی سو آدمیوں نے کھانا کھایا۔ ابھی دسترخوان بچھا ہوا تھا کہ ایک ملنگ نما فقیر چلتا ہوا آیا اس طرح دیکھ رہا تھا

جیسے کسی کو تلاش کر رہا ہو۔ چودھری صاحب تیزی سے اس کی طرف بڑھے تا کہ اسے دسترخوان پر بیٹھنے کو کہا جائے ابھی وہ اس کے پاس پہنچے ہی تھے کہ وہ فقیر جس کا حلیہ سب سے الگ تھا، اس نے گیروے رنگ کی لنگی باندھ رکھی تھی۔ بس یہی ایک چادر اس نے اوپر لی ہوئی تھی۔ موتیوں اور پتھروں کی مالا تھی۔ پیشانی پر صندل کی تین چوڑی چوڑی لکیریں تھیں۔ ہاتھ میں دوتارہ پکڑا ہوا تھا۔ لمبی زلفیں شانوں پر لٹک رہی تھیں۔ چودھری صاحب کے پاس پہنچتے ہی وہ فقیر ایک دم بولا ''میں تیرا کھانا کھانے نہیں آیا، بیٹا میں تو تیرا گھر تجھے لوٹانے آیا ہوں۔'' یہ کہہ کر چادر کے اندر سینے پر ہاتھ ڈالا اور باہر نکالا تو اس کے ہاتھ میں کچھ کاغذات تھے۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ چادر کے نیچے تو اس کے جسم پر کچھ نہ تھا۔ چودھری صاحب ایک لمحے کو جیسے سن سے ہو گئے پھر ہاتھ میں کاغذات لے کر اس پر نظر ڈالی اور پھر جو اٹھائی تو فقیر کا کچھ پتہ نہ تھا۔

وہ چپ چاپ کاغذات لے کر اندر کمرے میں آ گئے۔ لیمپ کی روشنی میں دیکھا یہ ایک مکان کے کاغذات تھے ان کے اوپر چودھری صاحب کے والد کے دستخط تھے۔ یہ مکان اسی محلے کے ایک کونے پر تھا۔ جہاں ایک بوڑھی عورت رہتی تھی۔ مکان کے آگے کھیت شروع ہو جاتے تھے۔ اس وجہ سے لوگ بھی اسے بھولے ہوئے تھے۔ کوئی اچھی طرح جانتا بھی نہیں تھا کہ اس مکان میں کون رہتا ہے۔ گاؤں کے بزرگ شریف چاچا کا وہاں تھوڑا بہت آنا جانا تھا۔ انہوں نے بھی لوگوں کے سامنے اس بڑھیا سے متعلق کوئی قابل ذکر بات نہیں کی۔ گاؤں کے لوگ مطمئن تھے کہ شریف چاچا بڑھیا کی خبر گیری کرنے کے لئے کافی ہیں۔ چودھری صاحب نے تو ایک مرتبہ بھی اس حویلی کے اندر قدم نہ رکھا تھا۔ کاغذان کے ہاتھ میں تھے اور دماغ تیزی سے ماضی کے ورق الٹا رہا تھا۔ والد صاحب کے دستخط ان کاغذات پر کیسے آ گئے۔ انہوں نے تو کبھی اس کا ذکر نہیں کیا۔ بستر مرگ پر چند دن ان کی بیماری میں کٹے۔ اس میں ہی ذکر کر دیتے۔ کاغذات میں لکھا ہوا ہے یہ مکان میرے نام ہے اور یہ دستاویز ابا جی کی طرف سے ہے۔ پھر مجھے اس کی اطلاع آج تک کیوں نہ ملی۔ بہتر یہ ہے کہ سب سے پہلے مجھے ہی اسے جا کر دیکھنا چاہئے۔ پھر ہی کسی سے ذکر کیا جا سکتا ہے۔ یہ سوچ کر کمرے سے باہر آئے۔ تانگا ڈیوڑھی پر تیار کھڑا تھا۔ تانگے میں بیٹھ کر بڑھیا کے گھر چلنے کو کہا تانگا گیٹ کے اندر داخل ہوا اور حویلی کے دروازے پر آ کر رک گیا۔ یہ حویلی بہت پرانی تھی جو آمد و رفت زیادہ نہ ہونے کی وجہ سے ویران تھی۔ گیٹ سے گھر کے دروازے تک اونچے گھنے درخت تھے۔ پورا راستہ سوکھے پتوں سے اٹا پڑا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے زمانے سے صفائی نہیں کی گئی ہے۔ چودھری صاحب تانگے سے اتر کر حویلی کے دروازے پر آ کھڑے

ہوئے۔شیشم کی لکڑی کا بہت بڑا دروازہ اس وقت بھی اس ہی طرح چمک رہا تھا جیسے ابھی نئی پالش کی گئی ہے۔

چودھری صاحب نے دروازے پر ہاتھ رکھا اور دل ہی دل میں اس کی خوبصورتی اور مضبوطی کی تعریف کیئے بغیر نہ رہ سکے۔پیتل کا بڑا دستک دینے والا کنڈا زور سے بجایا کچھ لمحے بعد ملنگ بابا نے دروازہ کھولا۔ چودھری صاحب نے جلدی سے انہیں سلام کیا۔

وہ رعب دار آواز سے بولے۔''بیٹا! اندر آ جاؤ تمہارا ہی انتظار ہو رہا ہے۔'' اس وقت مغرب کا وقت تیزی سے گزر کر رات کے اندھیرے میں داخل ہو رہا تھا۔ اندر اچھا خاصا اندھیرا تھا۔ ملنگ بابا نے ایک جانب پڑی ہوئی لالٹین ہاتھ میں لی اور اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔چودھری صاحب ملنگ کے پیچھے چل پڑے۔ حویلی اچھی خاصی بھول بھلیّاں تھی۔ دو تین راہداریوں سے گزر کر ایک کمرے میں آئے اس کمرے میں داخل ہوئے تو یوں لگا جیسے یہ ایک عبادت گاہ ہے۔ سب سے پہلے چودھری صاحب کی نظر سامنے دیوار کے پاس طاق میں خوبصورت چراغ پر پڑی یہ چراغ روشن تھا اور اس میں جو بتی جل رہی تھی اس روشنی میں دھواں بالکل نہیں تھا۔ پاس ہی فرش پر بھیڑ کی بڑی سی کھال پر ایک بڑھیا آنکھیں بند کیے لیٹی تھی۔ چودھری صاحب نے اس بڑھیا کو ادب سے سلام کیا۔ بڑھیا نے پلکیں جھپکائیں۔ملنگ بابا نے چودھری صاحب کے شانوں کو چھوتے ہوئے کہا۔''پاس بیٹھ جاؤ۔''چودھری صاحب اس بڑھیا کے پاس بیٹھ گئے اور اپنا ہاتھ اس کے ماتھے پر رکھا، بڑھیا نے نقاہت سے بار بار بند ہوتی آنکھیں کھولنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔''بیٹا اب یہ گھر تیرا ہے۔صندل نے تیرے گھر پیدا ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ یہ سب فیصلے اوپر والوں کے ہیں۔صندل کے لئے یہ حویلی تیرے نام لکھ دی گئی ہے۔'' چودھری صاحب بولے۔''مگر یہ تو میرے والد صاحب کے دستخط ہیں۔'' بڑھیا نحیف ونزار آواز میں آہستہ آہستہ کہنے لگی۔''ملنگ بابا کو اوپر بلایا تھا۔ تیرے باپ سے یہ کاغذات بنوا کر بھجوائے ہیں۔'' چودھری صاحب نے گہری نظر سے بڑھیا کو دیکھا اور پاس کھڑے ملنگ بابا کو بھی۔انہیں ان کی آنکھوں میں سچائی کی روشنی دکھائی دی۔ ویسے بھی چودھری صاحب کے لیے ماورائی باتیں کچھ انوکھی نہ تھیں۔ وہ باپ دادا سے ایسی باتیں سنتے چلے آئے تھے۔انہوں نے بڑھیا کے ہاتھ کو آہستہ آہستہ سہلاتے ہوئے پوچھا۔''اماں،صندل کیسی ہوگی؟''۔ بڑھیا نے دیوار میں طاق کی جانب اشارہ کیا۔ چودھری صاحب نے غور سے اس جانب دیکھا جہاں بڑھیا نے اشارہ کیا تھا طاق پر ایک خوبصورت تصویر لگی تھی جو صندل کی تھی ایسا لگتا تھا اس تصویر کو مصور نے بڑی فرصت سے بنایا ہے۔اس کی ٹھوڑی پر بیچوں بیچ سیاہ تل دیکھنے والوں کو اپنی جانب متوجہ کر رہا تھا۔ بڑھیا پھر بولی۔''صندل

بہت نیک اور پرہیز گار ہو گی لوگ اس کے پاس آ کر سکون محسوس کریں گے۔

بڑھیا کے چہرے سے بے پناہ تھکاوٹ جھلکنے لگی۔ اس نے آنکھوں سے ملنگ بابا کو اشارہ کیا۔ ملنگ بابا طاق کی جانب اور اس تصویر کے پاس آئے اور تصویر کے پاس رکھی ہوئی پلیٹ سے ایک بتاشہ اٹھا کر چودھری صاحب کو دیا۔ چودھری صاحب نے اسے کھالیا۔ اس دوران بڑھیا کی نظریں بدستور چودھری صاحب پر رہیں۔ جیسے ہی انہوں نے بتاشہ زبان پر رکھا، بڑھیا کی آنکھوں سے اطمینان و سکون کی لہریں نکلنے لگیں۔ اس نے آہستہ آہستہ گہرے گہرے سانس لئے اور منہ ہی منہ میں بڑبڑائی۔ ''اے اللہ، میرا کام بس اتنا ہی تھا۔'' وہ بار بار یہی جملہ منہ ہی منہ میں دہرا رہی تھی۔ اب اس کا ذہن دنیا میں نہ تھا۔ چند لمحوں بعد اس کے منہ سے تین مرتبہ ''یا اللہ''، ''یا اللہ''، ''یا اللہ'' نکلا اور ایک ہچکی آئی اور گردن ایک جانب سے ڈھلک گئی۔ چودھری صاحب نے اس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھا۔ پھر ہاتھ اٹھا کر آہستہ آہستہ دعا کی۔ اور چادر سے بڑھیا کا چہرہ ڈھانپ دیا۔ آہستہ سے اس کے پاؤں کی جانب کھڑے ہو گئے۔ ایک دفعہ پھر منہ ہی منہ میں کچھ پڑھا اور دعا کی۔ پھر ملنگ بابا سے کہا میں اماں کی تدفین کا بندوبست کرتا ہوں۔ ملنگ بابا نے چودھری صاحب کو گہری نظر سے دیکھا۔ اور ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔ ''بیٹا اماں کا حساب کتاب اوپر والوں کے ساتھ ہے۔ ابھی تم خود دیکھ لو گے۔'' چودھری صاحب چپ ہو گئے۔ انہوں نے پہلے بھی اس حویلی سے منسوب کئی عجیب وغریب باتیں سنی تھیں۔ اس کے علاوہ اپنے دادا سے کافی روحانی علوم کی تربیت انہیں حاصل ہوئی تھی۔ وہ جانتے تھے کہ روحانی علوم کسی مذہب و مسلک کا خاصہ نہیں ہیں۔ روحانی علوم تو روح کی صلاحیتوں کو جاننا اور ان کا استعمال کرنا ہے۔ اور روح ہر انسان کے اندر موجود ہے۔

چودھری صاحب اور ملنگ بابا دونوں اماں کے پاؤں کے قریب کھڑے تھے۔ اتنے میں ان کے اوپر اوڑھی ہوئی چادر میں ہلکی سی جنبش ہوئی۔ اور آہستہ آہستہ یہ چادر روشن ہونی شروع ہو گئی۔ یہاں تک کہ ساری چادر روشنی بن کر جگمگانے لگی۔ پھر یہ روشنی ایک دم سے بجلی کی طرح چمکی۔ اور اگلے لمحے وہاں کچھ نہ تھا۔ نہ چادر تھی نہ اماں کی لاش تھی۔ حیرت سے چودھری صاحب کی آنکھیں پھٹ گئیں۔ وہ دم بہ خود رہ گئے۔ اتنی واضح نشانی آج پہلی بار ان کی آنکھوں نے دیکھی تھی۔ انہوں نے حیران حیران نظروں سے ملنگ بابا کی جانب دیکھا۔ ملنگ بابا نے مسکرا کر کہا۔ ''بیٹا اب یہ گھر تیرے پاس صندل کی امانت ہے۔'' یہ کہا اور نظروں سے غائب ہو گئے۔ چودھری صاحب حیران نظروں سے کھڑے کمرے کا جائزہ لینے لگے۔ جب ذرا حواس درست ہوئے تو بھاری قدموں سے باہر آئے۔ تانگہ کھڑا تھا بیٹھ کر گھر آ گئے۔

رات تاریک ہوچکی تھی لنگر ختم ہو چکا تھا۔ سب اپنے اپنے کمروں میں جا چکے تھے۔ چودھری صاحب بھی اپنے کمرے میں داخل ہوئے۔ بیوی ننھی کرن کو چھاتی سے لگائے دودھ پلا رہی تھی۔ چودھری صاحب سیدھے بچی کی جانب بڑھے۔ اس کا چہرہ اور ٹھوڑی غور سے دیکھی۔ وہاں تل نہ تھا۔ انہوں نے بچی کو پیار کیا اور دل میں کہنے لگے یہ تو میری کرن ہے صندل نہیں۔ اس واقعہ نے ان کا ذہن بوجھل کر دیا تھا۔ وہ بیوی کی باتوں کے جواب میں ہوں ہاں کرتے کرتے سو گئے۔ صبح کے وقت خواب میں کیا دیکھا کہ ایک دفتری کمرہ ہے۔ جس میں ایک میز کرسی رکھی ہے۔ اس کرسی پر ایک بزرگ بیٹھے ہیں۔ اتنے میں اماں چلتی ہوئی آتی ہیں۔ اماں کا تو حلیہ ہی بدلا ہوا تھا۔ وہ بہت تندرست بہت جوان اور خوبصورت لگیں۔ اماں کے ساتھ ملنگ بابا بھی تھے جو اماں کو لے کر آ رہے تھے۔ انہوں نے اماں کو ان بزرگ کے سامنے پیش کیا اور کہنے لگے۔ ''سرکار، اماں آ گئیں۔'' ان بزرگ نے اماں کی جانب دیکھا۔ اماں نے نہایت ادب سے انہیں سلام کیا۔ بزرگ نے انہیں سلام کا جوب دیا اور رعب دار آواز میں پوچھا۔ ''ہم نے تمہیں جو کام سونپا تھا اس کی رپورٹ پیش کرو۔'' اماں جی نے ادب سے ہاتھ باندھ کر کہا سرکار! میں اپنا کام کر آئی ہوں۔ حویلی کے کاغذات چودھری صاحب کے سپرد کر دیئے ہیں اور صندل کی تصویر بھی انہیں دکھا دی ہے۔ سرکار! اب تو چودھری صاحب پر ہے کہ وہ کتنی جلدی اس حویلی میں منتقل ہوتے ہیں۔ بزرگ بولے۔ ''ملنگ بابا چودھری صاحب سے کہہ دو کہ جلد سے جلد اپنے گھر چلے جائیں۔''

چودھری صاحب نے خواب دیکھ کر یہ فیصلہ کر لیا کہ اب مجھے جلد از جلد نئے گھر میں منتقل ہونا ہے۔ انہوں نے اس واقعہ کا ذکر کسی سے نہ کیا۔ کیونکہ ان کے دادا کہا کرتے تھے کہ قدرت کے راز قبل از وقت کھولنے سے کاموں میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔ اور کام دیر سے ہوتا ہے کیونکہ جو کام ایک ذہن سے کرنے کا ہے اس میں بہت سارے ذہنوں کی سوچ داخل ہو جاتی ہے اور کام کو آگے بڑھنے نہیں دیتی۔ انہوں نے اپنے بھائی منیر شاہ سے ذکر کیا کہ میں نے وہ بڑھیا والا مکان خرید لیا ہے۔ بھائی نے چھوٹتے ہی پوچھا۔ ''کیا تمہاری ملاقات اس بڑھیا سے ہوئی تھی؟'' چودھری صاحب بولے۔ ''نہیں، اس کا انتقال تو بہت پہلے ہی ہو چکا ہے۔ اس کا ایک دور پرے کا رشتہ دار میرے پاس مکان کی پیشکش لے کر آیا تھا جو نہایت ہی معقول تھی۔ میں نے سوچا کہ آسانی ہو جائے گی۔ آپ کا بھی بڑھتا کنبہ ہے۔ پھر وہ حویلی بھی ہماری حویلی کی طرح اچھی خاصی بڑی ہے۔ اگر اس کی صفائی کرائی جائے اور مرمت ہو جائے تو اچھی نکل آئے گی۔'' منیر شاہ بولے۔ ''تو یہ گھر بھی اتنا بڑا ہے کہ بڑھتی نسلوں کو اپنے اندر سمیٹ سکتا ہے۔ مگر تمہارا کہنا

بھی درست ہے۔ اچھا موقع گنوانا نہیں چاہئے۔ تمہیں نیا گھر مبارک ہو۔ تم چاہو تو کل سے ہی وہاں مزدوروں کو صفائی اور رنگ وروغن پر لگا دیا جائے۔''

دوسرے دن آٹھ دس مزدور حویلی کی صفائی پر مامور کر دیئے گئے۔ چودھری صاحب نے صندل والا کمرہ بند کر کے چابی اپنے پاس رکھ لی۔ تاکہ کوئی بھی اس میں جانے نہ پائے ویسے بھی سارے گھر میں وہی ایک کمرہ سب سے زیادہ صاف ستھرا تھا۔ باقی تو سارا گھر جھاڑ جھنکار اور دھول سے اٹا پڑا تھا۔ وہ جانتے تھے اگر ان کے بڑے بھائی نے یا کسی اور نے یہ تصویر دیکھ لی تو صندل کا راز کھل جائے گا اور انہیں بڑھیا کی روحانی قوت کا اندازہ ہو چکا تھا۔

راج مزدوروں نے محنت کر کے حویلی کو رہنے کے قابل بنا دیا۔ چودھری صاحب بیگم اور بچوں کو لے کر آئے تو چودھرائن کی خوشی کا تو ٹھکانہ ہی نہ تھا۔ وہ کبھی اس کمرے میں جاتیں کبھی اس کمرے میں۔ یوں لگتا تھا جیسے ان کے اندر بجلیاں بھر دی ہیں۔ چودھری صاحب بھی اپنے بال بچوں کو خوش دیکھ کر پھولے نہیں سماتے تھے۔ پندرہ بیس دن بعد بڑے دھوم دھام سے نئے مکان کی خوشی میں تمام محلے والوں کو دعوت دی گئی۔ غرضیکہ یہ مکان چودھری صاحب اور ان کی فیملی کے لئے اس قدر مبارک ثابت ہوا کہ دو ڈھائی مہینوں میں ان کا دم توڑتا ہوا کاروبار پھر سے چمک اٹھا۔

صندل والا کمرہ اسی طرح بند تھا۔ ابھی تک کسی کا دھیان اس طرف نہیں گیا تھا۔ ویسے بھی یہ کمرہ راہداری کے ایک کونے میں تھا۔ باقی تمام کمرے راہداری کے دونوں جانب تھے۔ ایک رات چودھرائن کی آنکھ کھلی۔ وہ واش روم جانے کیلئے اٹھیں۔ ابھی واپس نکلی ہی تھیں کہ راہداری میں روشنی کا جھماکہ ہوا اور خوشبو پھیل گئی اور چودھرائن نے دیکھا کہ ایک عورت کے ہاتھ میں شمع ہے اور وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی صندل والے کمرے تک پہنچتی ہے۔ پھر کمرے کی دیوار سے اندر داخل ہو گئی۔ چودھرائن یہ دیکھ کر کمرے میں واپس آئیں اور بستر پر لیٹ کر سوچنے لگیں۔ یہ ضرور اس نیک بڑھیا کی روح ہوگی جو ابھی تک اپنے گھر میں گھومتی پھرتی ہے۔ یہ سوچ کر انہیں کچھ اطمینان ہوا ان کے دل سے خوف دور ہو گیا اور وہ سو گئیں۔ صبح اٹھ کر انہوں نے چودھری صاحب سے اس کا ذکر کیا اور کہنے لگیں۔ ''چلو اس کمرے کو کھول کر دیکھتے ہیں جس میں وہ روح داخل ہوئی تھی۔'' چودھری صاحب نے بڑی مشکل سے انہیں روکا ''بیگم روح کا معاملہ ہے ہمارے رہنے کے لئے یہ بہت سارے کمرے کافی ہیں۔ ایک اور کمرے پر بھی ہمیں قبضہ جمانے کی کیا ضرورت ہے اسے اپنی دنیا میں رہنے دو ہم اپنی دنیا میں جی رہے ہیں۔'' چودھرائن سمجھدار خاتون تھیں کہنے لگیں۔ ''تم ٹھیک کہتے ہو روحوں کے کام میں دخل اندازی کرنے سے وہ ناراض ہو گئیں تو ہمارا جینا محال کر دیں گی۔'' اب اکثر ایسا ہوتا

کہ رات کے اندھیرے میں اچانک روشنی پھیل جاتی اور مدھم چراغ کی روشنی میں ایک نوجوان لڑکی کا ہیولا چلتا پھرتا نظر آتا۔ چودھرائن اکثر اسے دور سے گزرتا ہوا دیکھتیں۔ انہیں کبھی اس کا چہرہ دکھائی نہ دیا۔ وہ ہمیشہ صندل والے کمرے میں داخل ہوجاتی۔ چند ماہ اسی طرح گزر گئے ننھی کرن اب چھ ماہ کی ہوچکی تھی اور اب بیٹھنے لگی تھی۔ ایک دن بہت عجیب و غریب واقعہ پیش آیا۔ ہوا کچھ یوں کہ اس رات چودھویں کا چاند اپنی پوری آب و تاب سے فلک پر جگمگا رہا تھا۔ چودھری صاحب نے بیگم کو آواز دی۔ ''بیگم آؤ باہر کیسی ٹھنڈک ہے۔'' بیگم باہر آئیں تو انہوں نے بچوں کو بھی آواز دی۔ سب ہی صحن میں بیٹھے چاندنی رات کا لطف اٹھانے لگے۔ ملازم نے خشک میوے اور چائے میز پر لگا دی۔ دو تین گھنٹے ہنستے کھیلتے گزر گئے۔ پھر بچے جا کر اپنے اپنے کمروں میں سو گئے۔ کرن کو آیا پہلے ہی سلا آئی تھی۔ چودھرائن نے اٹھ کر کمرے میں جانے کیلئے راہداری میں قدم رکھا۔ سب سے پہلا کمرہ صندل والا تھا۔ ابھی وہ اس کے دروازے تک ہی پہنچی تھیں کہ ایک دم سے وہی ہیولا سامنے آ گیا۔ اس کا سارا جسم نورانی تھا۔ اس نے چودھرائن کے سامنے ہاتھ بڑھایا اور ان کے ہاتھ پر ایک بتاشہ رکھ دیا۔ چودھرائن نے غیر اختیاری طور پر یہ بتاشہ منہ میں ڈال لیا۔ پھر یہ ہیولا کمرے میں داخل ہو گیا۔ چودھرائن کمرے میں آئیں۔ چند لمحے بعد ہی ان کے شوہر بھی آ گئے۔ انہوں نے اپنے شوہر کو سارا قصہ سنایا۔ چودھری صاحب فوراً سمجھ گئے کہ یہ بتاشہ وہی ہے جو صندل کی تصویر کے پاس رکھی پلیٹ میں تھا۔ قدرت نے بتاشے کی صورت میں میاں بیوی دونوں کے اندر صندل کی تخلیقی روشنیاں منتقل کر دی ہیں۔ اب قدرت کے امر کے ظہور کا وقت آ گیا ہے۔ چاندنی رات نے ان کے لطیف تاروں کو پہلے ہی چھیڑ دیا تھا۔ کھڑکی سے چھن چھن کے اندر آنے والے چاندنی میں انہیں بیوی کا جسم ڈھلا ہوا مجسمہ دکھائی دیا۔ اور دل کے تاروں پر زندگی کے نغمات بکھرنے لگے۔ اسی رات چودھرائن نے خواب دیکھا کہ چاندنی رات کا بہت ہی حسین منظر ہے۔ چاروں طرف سے پہاڑوں سے گھری ہوئی چھوٹی سی خوبصورت وادی ہے۔ جس کے اندر دریا کی لہریں جگمگا رہی ہیں۔ اس دریا میں ایک خوبصورت کشتی پر جو پھولوں سے سجی ہوئی ہے، چودھری صاحب اور وہ دونوں دریا کی سیر کر رہے ہیں۔ کشتی خود ہی خراماں خراماں پانی پر چلی جا رہی ہے۔ چودھرائن کشتی کے صوفے نما سیٹ پر لیٹ جاتی ہیں۔ شوہر پاس بیٹھے ہیں اتنے میں آسمان سے نور کا ایک قطرہ ستارے کی طرح ٹوٹ کر ان کی جانب آتا ہے اور ان کے جسم میں جذب ہوجاتا ہے۔

صبح ہوتے ہی یہ خواب انہوں نے اپنے شوہر سے بیان کیا۔ پورے نو مہینے بعد چودھری صاحب کے یہاں

لڑکی پیدا ہوئی۔ ان نو مہینوں میں عجیب بات یہ تھی کہ چودھرائن کو وہ روح کبھی دکھائی نہ دی۔ انہوں نے دو تین مرتبہ اپنے شوہر سے اس کا ذکر بھی کیا وہ کہنے لگے۔ ''بھئی! اوپر والے کے کام تو اوپر والا ہی جانتا ہے۔'' اور بات آئی گئی ہوگئی۔

بیٹی پیدا ہوئی تو دائی نے وہیں سے باہر بیٹھے ہوئے چودھری صاحب کو آواز دی۔ ''چودھری صاحب مبارک ہو اللہ تعالیٰ نے بیٹی کی نعمت سے نوازا ہے''۔ چودھری صاحب نے منہ اوپر کر کے کہا۔ ''یا اللہ تیرا شکر ہے۔'' تھوڑی دیر میں دائی اسے کپڑے میں لپیٹ کر ان کے پاس لائی۔ چودھری صاحب نے بیٹی کو گود میں لینے سے پہلے دائی کے ہاتھ پر پیسے رکھے۔ گود میں لیا تو ان کا منہ حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا۔ سفید نرم شال میں صندل کی تصویر زندہ ہو کر ان کے بازوؤں میں تھی۔ وہی آنکھیں، وہی ناک، وہی دہانہ اور سب سے حیرت انگیز نشانی وہی تھوڑی کا تل تھا۔ چند لمحوں تک وہ حیرت زدہ آنکھوں سے اسے گھورتے رہے پھر گود میں لئے بیوی کے پاس تیزی سے گئے اور جاتے ہی خوشی سے بولے، ''بیگم تم نے دیکھا اسے یہ ننھی گڑیا میری صندل ہے صندل۔ اس کی تھوڑی کا تل دیکھا تم نے؟ بالکل تصویر لگتی ہے میری صندل اوپر والے کی دین ہے۔ اسی کی دین ہے۔'' ان کی آواز فرط مسرت سے بھر آئی۔ ان کی نگاہوں میں بڑھیا کا وہ آخری وقت گھوم رہا تھا جس نے صندل کے اس گھر میں پیدا ہونے کی پیش گوئی کی تھی۔ دل ہی دل میں انہوں نے کہا۔ ''اس کے بھید وہی جانتا ہے۔'' یہ کہہ کر انہوں نے بچی کے کان میں آہستہ سے کہا۔ ''تم میری صندل ہو۔'' اور ماں کے پہلو میں لٹا دیا۔

جب سے انہوں نے یہ مکان لیا تھا ایک مرتبہ بھی صندل کا کمرہ کھول کر نہ دیکھا تھا۔ وہ ڈرتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس نیک بڑھیا کی روح انجانے میں خفا ہو جائے۔ وہ بڑھیا کی پیش گوئی کے ظہور کے انتظار میں تھے۔ اس سے قبل وہ تصویر کو ظاہر کرنا نہیں چاہتے تھے۔ باہر آ کر مسلسل ان کا دماغ گذشتہ باتیں دہرانے لگا۔ یہاں تک کہ انہوں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ بیوی چلنے پھرنے لگیں تو انہیں ضرور اس کمرے میں لے جا کر صندل کی تصویر دکھائیں گے اور ساری باتیں بتا دینگے۔ وہ چاہتے تھے کہ بیوی چلنے پھرنے کے قابل ہو لیں پھر صندل کو اور بیوی کو اس کمرے میں لے جاؤں۔ چودھری صاحب کے لئے ایک ایک دن گزارنا مشکل ہو رہا تھا مگر وقت تو اپنے متعیّنہ وقت پر ظاہر ہوتا ہے۔ البتہ آدمی کے اپنے اندر ہی مدوجزر اٹھتے رہتے ہیں۔ جس کے اتار چڑھاؤ پر اس کے احساسات کی ناؤ بہتی رہتی ہے۔ اپنے ہی حواس کے اتار چڑھاؤ کو وہ وقت کی رفتار سمجھ بیٹھتا ہے۔ اور وقت کے گھٹنے بڑھنے کی شکایت کرتا ہے۔ حالانکہ ہر سال بارہ مہینے کا اور ہر دن رات چوبیس گھنٹوں کا ہوتا ہے۔

(جاری ہے)

Powered by
IBL
Lighten things up with
CANDEREL®
CANDEREL
Healthy Sugar
Low on calories, high on sweetness.
SEARLE
FIREBOLT63

STATUS, POWER & CONFIDENCE. THIS IS THE NEW TOYOTA FORTUNER.
EQUIPPED WITH A 2.7L VVT-I PETROL ENGINE. FULL-TIME 4WD. A LUXURIOUS 7-SEATER INTERIOR. DUAL AC AND A POWERED DRIVER SEAT. THE NEW FORTUNER EXUDES ELEGANCE AND POWER TO IMPRESS ON AND OFF THE ROAD.

3SAuthorized Dealer
TOYOTA HYDERABAD MOTORS
A/41, S.I.T.E, Auto Bhan Road, Hyderabad
Ph: (022) 3885121-5 Lines, Fax: (022) 3885126
email: toyota.hyd@cyber.net.pk
web: www.toyota-hyderabad.com